

طہور محبوبیت

میمونہ نصر اللہ

SahmiDigest.com

طور محبت

آج اس کی شادی کا تیسرا دن تھا۔ اس کا شوہر شادی کی رات کا گیا آج لوٹا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے پریشان تھی آخر یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا۔ ویسے کے لیے معذرت کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ یہاں لے آیا تھا۔ اس انجان شہر میں اس گھر میں اتنے دنوں سے اس کے ساتھ صرف ملازم تھے۔ وہ نئی نوپلی دلہن اس صورتحال کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سسرال میں ایک نند اور ساس تھیں جو شادی والے دن ہی رخصتی کے بعد جرمنی روانہ ہو گئی تھیں کیونکہ ان کی فلائٹ تھی۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا وہ اکیلی رہ جائے گی۔ بس ڈھیر ساری نصیحتیں اور تاکیدیں کرتے وہ روانہ ہو گئیں اور وہ بس ہونق ہوئی ان کو جاتا دیکھتی رہی بھلا ایسا بھی ہوتا ہے۔ اور ان کے جانے کے بعد اس کا شوہر کمرے میں آیا تو بس اتنا کہا۔

”آپ چینیج کر لیں ہمیں کشمیر کے لیے لکنا ہے۔“

آج کا دن حیرتوں کا سامان لے کر آیا تھا لیکن اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی شاید کشمیر وہ اپنے ہنسی مومن کے لیے جارہے ہیں۔ وہ خاموشی سے پیکنگ کرتی اس کے ساتھ آگئی تھی اور اس کا شوہر جو پہلے ہی ویسے کے لیے معذرت کر چکا تھا اب اس کا یوں اسے لے جانا اس کے گھر والوں کو پریشان کر سکتا تھا لیکن وہ یہ شاید اس طرح

دوسروں کے محسوسات پر سوچنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے خود ہی اپنی ماں کو فون کر دیا تھا کہ وہ ہنی مون کے لیے کشمیر جا رہی ہے تو اماں نے بس اپنا خیال رکھنے کا کہا تھا اور چند معمول کی نصیحتیں۔

وہ ان کی باتوں پر حیران ہوئی تھی کہ ان لوگوں کو پتہ تھا کہ اس کا سسرال مظفر آباد سے ہے اور ایک وہ بس انجان رہی۔ پھر اس نے جلدی سے اپنی جیولری اور شادی کا سوٹ بھی پیک کر لیا تھا اب جہاں گھر تھا سب سامان رہنا بھی وہیں چاہیے تھا۔

ایک بات تو اسے سمجھ آ گئی تھی کہ اب زندگی تیز رفتاری سے گزرنی تھی اور اس سب میں اس کے شوہر نے اس سے سوائے ان الفاظ کے اور کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ منتظر ہی رہی اور یہاں اس گھر میں آنے کے بعد وہ ایسا گیا کہ آج آیا تھا۔ جب وہ آیا تو وہ سو رہی تھی۔ جب وہ سو کر اٹھی تو وہ صوفے پر الجھا بکھرا سا بیٹھا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کرے۔ اٹھ کر اس کے پاس جائے یا یہیں سے بیٹھ کر کوئی بھی بات کرے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اٹھ کر اس کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

قریب بیٹھنے پر اسے پتہ چلا اس کی آنکھیں لال لال تھیں جیسے وہ روتا رہا ہو یا رونے کی خواہش رکھتا ہو۔ وہ ڈر گئی۔

”کیا ہوا۔ سب ٹھیک ہے نا۔ آپ ٹھیک ہیں؟“ اب کی بار اس نے شوہر کے بازو پر ڈر کے ہاتھ رکھا۔ اس کے ہاتھ کو محسوس کر کے وہ ایک دم اس سے فاصلے پر ہوا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ لیکن انداز ایسے تھا جیسے مجھ سے دور ہو کے بات کرو۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا تھا اس کے ساتھ۔ وہ بے جان سی اسے دیکھتی رہی جو دوبارہ اس سے غافل سا ہو کے اپنی سوچوں میں گم ہو چکا تھا۔ اس میں دوبارہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے شوہر کو مخاطب کر سکتی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کا دماغ شادی کے بعد کی صورتحال کو سوچ کے شل ہوا جا رہا تھا۔ کیا تھا جو اس سے چھپا ہوا تھا۔ وہ پزل کے تمام ٹکڑوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کوئی سراہا تھ ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسی طرح الجھی ہوئی سی کچن میں آ گئی۔ وہاں جیسے افراتفری کا عالم تھا۔

”کیا ہوا؟“ وہ اپنی پریشانی کو بھول کر ان سے پوچھ بیٹھی۔

”دونوں بچے روئے جا رہے ہیں۔ ان کے لیے دودھ تیار کر رہے ہیں۔“

”کون سے بچے؟“ وہ ہونق ہوئی۔ اسے نہیں پتہ تھا اس کے لیے ابھی بہت سے سر پرانز رہتے تھے۔

”آپ کے بچے۔“ ایک ملازمہ نے جواب دیا۔

”میرے بچے؟ میرے بچے کہاں سے آگئے آج میری شادی کو تیسرا دن ہے۔“ اسے جیسے غصہ آیا۔

”بیگم صاحبہ! اس کا مطلب ہے صاحب کے بچے۔ وہ یقیناً آپ کے بچے کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان کی ماں اور

ہے۔ آپ کی چونکہ صاحب سے شادی ہوئی ہے تو اس حساب سے اس نے انہیں آپ کے بچے کہا۔“ دوسری

ملازمہ نے جیسے سلیقے سے بات کو سنبھالا ہو۔ وہ خشکیوں لگا ہوں سے اپنی ساتھی کو دیکھ رہی تھی بھلا کیا ضرورت تھی

نئی دلہن کو دو بچوں کی ماں کہنے کی اور وہ حقیقتاً بے جان ہو گئی تھی۔ چند لمحوں کے لیے جیسے اس کا دماغ سن ہو چکا

تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر بچوں کے فیڈ رائٹائے کچن سے باہر نکل آئیں۔

”تمہارے خیال میں انہیں پتہ نہیں ہوگا کہ ان کی صاحب کے ساتھ دوسری شادی ہے۔ یا یہ پتہ نہیں ہوگا

کہ ان کے دو بچے ہیں۔“ وہ تیز قدموں سے چلتی بچوں کے کمرے میں جا رہی تھیں۔

”شاید ان کو کسی بھی بات کا پتہ نہ ہو اس لیے اتنی صدمے والی شکل ہو رہی تھی۔ اب اس گھر کو اللہ ہی امان

میں رکھے۔ شاید اب روز یہاں جھگڑے ہوا کریں گے۔ اور سوتیلی ماں..... اف.....“ دونوں نے جھرجھری

لی۔ خیر خوشیوں کا گہوارہ تو یہ گھر پہلے بھی نہیں تھا۔ ان درود یوار نے بہت سے جھگڑے دیکھ رکھے تھے۔ مگر پھر بھی

یہاں محبت تھی۔ اب جانے کیا تھا اس گھر اور اس کے مکینوں کا نصیب۔

وہ غصے سے بھری اپنے کمرے میں جا پہنچی۔ غصہ، صدمہ اور بے یقینی۔ ملی جلی کیفیت تھی۔

”کیا آپ پہلے سے شادی شدہ ہیں؟ اور وہ آپ کے ہی بچے ہیں؟“ اسے سمجھ نہیں آیا یہ پوچھتے ہوئے اس

کا لہجہ بھرا کیوں گیا تھا۔ شاید اسے اب بھی امید تھی کہ وہ انکار کر دے گا۔

”ہاں۔“ ہادی نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ بے یقین تھی۔

”واقعی؟“ اس نے پھر سے تصدیق چاہی۔

”جی بالکل۔“

”میرے گھر والے جانتے ہیں؟“

”پتہ نہیں۔ لیکن میرے گھر والے جانتے تھے۔ شاید آپ نے آپ کے گھر والوں کو بتایا ہو۔“ وہ اس کے سامنے کھڑا بے تاثر سا سے بتا رہا تھا۔

”ناممکن۔ اگر میرے گھر والوں کو پتہ ہوتا تو وہ کبھی میری شادی آپ سے نہ کرتے۔“ وہ صدمے سے چلائی۔

”جو بھی ہو۔ ان کو پتہ ہے یا نہیں یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ اپنی بیٹی کی مجھ سے شادی کرتے وقت انہیں ساری چھان بین کر لینی چاہیے تھی۔ اس وقت میں غم کی حالت میں ہوں۔ دو دن پہلے میری بیوی مری ہے اور اس کی میت اس کے گھر والے ہسپتال سے ہی اپنے گھر لے گئے۔ میرا ایک بیٹا سال بھر کا ہے تو بیٹی بس تین دن کی ہے۔ کیا میرے غم سے زیادہ آپ کا غم ہے؟ آپ سے میں بعد میں بات کر لوں گا لیکن فی الحال مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔“ وہ یہ کہہ کر دوبارہ سے صوفے پر جا بیٹھا۔ اور وہ ایسی کیفیت میں تھی کہ جس کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کم تھے۔



وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ گھر کے ایک کمرے سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ وہ لا تعلق سی بیٹھی تھی۔ اسے بچے کبھی بھی اتنے پسند نہیں رہے تھے اور روتے ہوئے بچے تو پھر زہر لگتے تھے۔ بھانجیوں، بھتیجیوں کو بھی اتنا پیار کرتی تھی کہ وہ اپنی ماؤں کی گود میں ہوتے تو وہ پیار سے ان کے گال پر ہاتھ پھیر لیتی تھی۔ اب یہ بچے کوئی اس کے رشتے دار تو نہیں تھے کہ ان کو پیار کر لیتی۔ وہ اس کے شوہر کی سابقہ بیوی کے بچے تھے۔ یعنی اس کے شوہر کے رشتے دار۔ جب شوہر اپنا نہیں تھا تو اس کے رشتے دار بھی اس کے کچھ نہیں لگتے تھے۔

مزید دو دن گزر چکے تھے اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے گھر والوں سے اس بارے میں بات کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ رخصت ہوتے وقت وہ ان سے شدید ناراض ہو کے نکلی تھی کہ کبھی اپنا کوئی مسئلہ انہیں نہیں بتائے گی۔ جتنی بھی مشکل پیش آئی وہ ان سے مدد نہیں مانگے گی۔

”آخر ہیں تو میرے گھر والے ہی۔ انہیں نہیں بتاؤں گی تو پھر کس سے کہوں گی۔ اور ناراض بھی تو خود ہوئی تھی اماں تو آخری وقت تک مناتی رہیں۔“ وہ خود کو بتا رہی تھی سمجھا رہی تھی۔ آخر اپنا موبائل اٹھاتی وہ لان کی طرف جانے لگی۔ یہاں تو بچوں نے پورا گھر سر پہ اٹھایا ہوا تھا۔ اماں کا نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سنتی رہی۔

”ہیلو۔“ اماں کی آواز آئی۔

”السلام علیکم اماں۔ کیا حال ہیں کیسی ہیں آپ۔ گھر میں سب کیسے ہیں؟“ اس نے ایک ہی سانس میں سب پوچھ ڈالا۔

”وعلیکم السلام، ٹھیک ہوں میں۔ اور گھر میں بھی سب ٹھیک ہیں۔ تم سناؤ کیسی ہو۔ ہادی کیسا ہے؟“

”اماں آپ سے ایک بات کرنی تھی۔ کیا شادی کے بعد زندگی بہت عجیب ہو جاتی ہے بلکہ غیر متوقع۔ اور شوہر نامی مخلوق تو عجیب تر ہوتی ہے۔ میرا شوہر عجیب ہی نہیں جھوٹا اور بد تمیز بھی ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ وہ.....“ وہی ایک ہی سانس میں بات پوری کرنے کی عادت۔

”بس کردو صبح۔ آج تمہاری شادی کو پانچواں دن ہے اور تمہارے منہ پر شوہر کا گلہ۔“ اماں تو جیسے جلال میں ہی آگئی تھیں۔ ”تمہیں ہمیشہ ہر کسی سے مسئلہ ہوتا ہے۔ میں سوچتی ہوں کبھی کوئی ایسا بھی ہوگا جس سے تمہیں مسئلہ نہ ہو۔ کبھی تو کسی سے خوش ہو لیا کرو۔ اب شادی کو پانچواں دن ہے اور شوہر جھوٹا اور بد تمیز بھی بن گیا تمہارے لیے۔ خبردار آج کے بعد میرے سامنے شوہر کا گلہ کیا تو۔ اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو کرو۔“

”نہیں اور کوئی بات نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرا شوہر بہت اچھا ہے اور میں اس کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ میں اپنا ہنی مون بہت انجوائے کر رہی ہوں۔ مجھے اور میرے ”شوہر“ کو کشمیر اتنا پسند آیا ہے کہ اب ہم مستقل رہائش یہیں رکھیں گے اور لاہور والے گھر میں نہیں آئیں گے۔ آپ کو میری یاد آئے گی تو نہیں لیکن آ بھی جائے تو مجھ سے رابطہ نہ کیجیے گا کیونکہ میرے شوہر کو پسند نہیں ہے کہ میں اپنے میکے والوں سے زیادہ کانٹیکٹ میں رہوں۔“ یہ بول کر اس نے غصے میں فون ہی آف کر دیا۔ آنسو تھے کہ بہتے ہی جا رہے تھے۔

”میں ہمیشہ دوسروں کے گلے کرتی ہوں۔ مجھے ہمیشہ سب سے شکایت رہتی ہے۔ مجھے تو کبھی کسی سے خوش

ہونا نہیں آتا۔ میں ہی سب سے بری ہوں۔ مجھے کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا اگر ہوتا ہے تو میری ہی وجہ سے ہوتا ہے۔“ وہ روئے جا رہی تھی اور خود کو کو سے جا رہی تھی۔ ”مجھے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی میری بات پر یقین نہیں کرے گا۔“ اس کا دل ہر شے سے خراب ہو چکا تھا۔



اس دن کے بعد سے اس نے میکے میں کسی سے رابطہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی نے وہاں سے اسے فون کیا تھا۔ یہاں گھر میں بھی اس نے لائق اختیار کی ہوئی تھی ہر شے سے۔ جیسے یہاں اجنبی ہو اور چند دن کی مہمان ہو۔ وہ کچن میں آگئی۔ دونوں ملازما ئیں کھانا تیار کر رہی تھیں۔

”آپ کو کچھ چاہیے بیگم صاحبہ۔“

”نہیں، ایسے ہی آگئی ہوں۔“ وہ اب بھی ہوئی تھی۔ کچن میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک کھینچ کر وہ بیٹھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر بیگم صاحبہ کو۔ جس کو آتے ہی اتنے جھٹکے ملے تھے لیکن وہ پھر بھی صاحب سے جھگڑا نہیں کرتی تھی۔ زیادہ تر خاموش رہتی تھی۔ شہرین میڈم تو ذرا سی بات پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھی اور اپنی منوا کر رہتی تھی۔ لیکن ان دونوں میں بہت محبت تھی اور یہاں لائق تھی دونوں کو ہی ایک دوسرے کے وجود کی پرواہ نہیں تھی۔ اس سب میں جو بات معمہ تھی وہ یہ کہ پہلی شادی محبت کی کرنے کے باوجود بھی ہادی نے دوسری شادی کیوں کی تھی۔ وہ اسی طرح سوچوں میں گھری اور گرد سے بے نیاز بیٹھی تھی۔

”بیگم صاحبہ! آپ کے لیے کچھ اچھا سا بنا دوں؟“ نصیبو کو اس سے ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔

”نہیں، جھینک یو۔“

نصیبو نے اس کی شکل دیکھی پھر بولی۔ ”بیگم صاحبہ! آپ سے ایک بات پوچھوں؟“

صبح نے سراٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“

”وہ جی جب صاحب بال بچوں والے تھے تو آپ کے والدین نے آپ کی شادی ان سے کیوں کی؟ میرا مطلب آپ کی عمر بھی کوئی زیادہ نہیں، انیس، بیس کی ہوں گی۔ ایسی کیا مجبوری تھی۔“

شا کرہ نے نصیب کو ٹھوکا دیا۔ وہ جو آگے بولتی چپ کر گئی۔ شا کرہ نے غصہ سے اسے دیکھا بھلا مالکوں سے ایسے سوال کیے جاتے ہیں۔

”پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا۔ شاید نصیب میں یہی لکھا تھا۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔ اماں اپنی بیٹی کا یہ جواب سن کر شاید غش کھا جاتیں۔ کیونکہ اس نے کبھی کسی چیز کو نصیب کے کھاتے میں نہیں ڈالا تھا۔ جو بات مرضی کے خلاف ہوتی اس پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔ بھلے اس کی مرضی پوری ہوتی یا نہیں لیکن خاموشی سے کبھی بھی کچھ نہیں مانتی تھی اور اب بغیر کسی ہنگامے کے وہ اس بات کو مان چکی تھی۔

”ویسے ہادی صاحب کی شہرین میڈم سے محبت کی شادی تھی اور دونوں میں بہت محبت تھی۔ پتہ نہیں انہوں نے دوسری شادی کیوں کی۔“ ایک بار پھر نصیب نے زبان کو زحمت دی تھی۔ جب کے شا کرہ نے اس کا بازو دبوچ ڈالا۔

”کب سے باتیں کیے جارہی ہو۔ اتنا سارا کام رہتا ہے ابھی۔“ صباح نے نصیب کی بات سن کر کوئی رد عمل نہیں دیا تھا۔ بس خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سکون نامی شے تو زندگی سے گم ہی ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی باہر آ گئی۔

”یہ تو نصیب کی بات ہے کہ شہرین میڈم زندہ نہیں رہیں۔ ورنہ اگر وہ ہوتیں تو کیا وہ صاحب کی دوسری بیوی کو گھر میں گھسنے دیتیں؟ اگر وہ ہوتیں تو یقیناً چھوٹی بیگم صاحبہ ہی پستیں کیونکہ وہ صاحب کی بہت لاڈلی تھیں اور کب کسی کو اپنے آگے کھڑا ہونے دیتی تھیں۔“ وہ دونوں سمجھی تھیں کہ وہ چلی گئی ہے۔ جب کہ وہ اتنا اونچا ضرور بول رہی تھیں کہ جاتے ہوئے یہ دونوں جملے وہ سن چکی تھی۔

وہ دل گرفتہ سی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کی باتوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی سوچنے لگی۔ اگر جو واقعی شہرین زندہ ہوتی تو اس کی کیا حیثیت ہوتی۔ وہ کبھی غاصب نہیں رہی تھی تو اس عورت کے ہوتے اس گھر سے چلی جاتی۔ اس نے کب سوچا تھا کہ وہ کسی کی دوسری بیوی بن کر جائے گی۔ زندگی میں ہر شے فرسٹ ہینڈ استعمال کرنے والی۔ شوہر سیکنڈ ہینڈ۔ یا وہ خود سیکنڈ چوائس۔ یہ زندگی کی ایسی چوٹ تھی جو اسے بھلائے نہیں بھولنی تھی۔ جیسا وہ شہرین کو سن کر آئی تھی وہ خود بھی تو ویسی تھی۔ نخرے والی۔ اپنی نہ ماننے پر ہنگامہ کرنے والی۔ لیکن

اب تو ایسی چپ لگی تھی۔ لمحہ لمحہ دل کٹتا تھا۔ کیا ضروری تھا کہ اس کے ساتھ یہ ہوتا۔

دو ہفتے ہونے کو آئے تھے۔ وہ اس کمرے میں اکیلی ہوتی تھی۔ ہادی گھر ہوتا تو دوسرے کمرے میں رہتا یا کبھی بچوں کے پاس نظر آتا۔ وہ تو اس کے لیے کہیں نہیں تھی۔ اس نے بیڈ پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ درمیانے سائز کا کمرہ تھا۔ اس کمرے میں موجود ہر چیز بہت بہترین تھی لیکن یہ یقیناً ہادی اور شہرین کا کمرہ نہیں تھا کیونکہ یہاں کچھ بھی اس سے متعلقہ نہ تھا۔ یہ کمرہ ان کے استعمال میں نہیں تھا۔ اس نے گہری سانس لی وہ اسے کیوں اپنے بیڈروم میں جگہ دیتا۔ وہاں تو اس کی محبوب بیوی کی یادیں ہوں گی۔ اس نے اپنے بندھے بالوں کو کھولنا شروع کیا۔ پھر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ کلاہی ہوئی رنگت۔ الجھے ہوئے بال۔ وہ بہت ٹپ ٹاپ رہتی تھی۔ ایسا حلیہ تو اس نے کبھی نہیں اپنایا تھا۔ اسے اپنی شادی سے پہلے کی ہوئی شاپنگ یاد آئی۔ وہ بہت چھان پھٹک کر ایک ایک چیز لیتی رہی۔ اپنے فیورٹ کلرز کے کپڑے۔ اماں نے اسے کسی بات پر نہیں ٹوکا تھا۔ سب کچھ اس نے مکمل اپنی پسند سے لیا تھا۔ اماں کو پتہ تھا اگر جو اس کا موڈ خراب ہو تو لاڈورانی ہر شے کو ایک طرف کر کے منہ پھلا کر بیٹھ جائیں گی۔ ایسی ہی نازک مزاج تھی وہ۔ ایک بار اماں نے غصہ میں کہا تھا مجھے نہیں لگتا تمہارا گھر خیر سے بس سکے۔ روز جھگڑا کرو گی شوہر سے کبھی کسی بات پہ کبھی کسی بات پہ۔ آگے سے وہ فوراً بولی تھی اماں آپ کی چاروں بیٹیوں میں سب سے اچھا گھر میں بساؤں گی۔ دیکھ لینا۔ میرا شوہر جب بھی آپ کے پاس آئے گا اس کے پاس میری تعریفوں کے ڈھیر ہوں گے۔ وہاں پر بیٹھی اس کی بہنیں اور بھابھی ہنسنے لگ گئی تھیں۔ اسے بہت برا لگا تھا۔ اس نے تب خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی کبھی بات کو پورا کرے گی۔

وہ چونک کر حال میں لوٹی۔ پھر آئینہ دیکھ کر وہ کچھ سوچ کر مڑی۔ وارڈروپ کے آگے کھڑے ہو کر اس نے اپنے جینز کا ایک بہترین سوٹ نکالا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ نہائی دھوئی کھڑی تھی۔ ٹھیک ہے اگر زندگی ایسے ہے تو اس طرح ہی سہی۔ وہ کسی کے لیے روگ نہیں لے گی۔ اگر ہادی صاحب بیوی کے غم میں تھے تو ہوتے رہیں وہ کیوں کسی کے لیے غم پالتی۔ اور جہاں تک رہی موجودہ صورتحال۔ وقت کے ساتھ اس سے بھی نیپٹ لے گی وہ۔ اچھی طرح تیار ہو کر وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔

وہ گھر کے ایک ایک کونے کو دیکھ رہی تھی۔ یہ گھر اس کا ہوتا یا نہیں اس کا فیصلہ بعد میں ہونا تھا۔ گھر بہت بڑا

تھا۔ جانے کتنے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس گھر کا کونا کونا صاف ستھرا اور چمکتا دمکتا تھا۔ وہ بہت خوبصورت گھر تھا۔ اگر صبح اس گھر میں پہلے آتی تو وہ بھی اس گھر کو ایسے ہی سیٹھ کرتی۔ یوں تھا کہ جیسے اس سے پوچھ کے کسی نے اس گھر کو سنوارا ہو۔ ذرا جو کہیں کمی بیشی ہو۔ یعنی اس گھر کی پہلی مالکن اور نئی مالکن کی پسند ایک جیسی تھی۔ یہ سوچ آتے ہی صبح کا منہ کڑوا ہوا۔ یہ سب کسی اور کا تھا اس کا نہیں۔

وہ گھومتے پھرتے بچوں کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ اب بس یہی رہ گیا تھا۔ تبھی ہادی اس کمرے سے باہر آیا۔ اسے وہاں کھڑا دیکھ کر رک گیا۔ اسے یاد آیا کہ وہ اس کی دوسری بیوی تھی۔ وہ اسے سامنے دیکھ کر کنفیوز ہو گئی اور جلدی سے سلام کر ڈالا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ رسما ہی پوچھ رہا تھا وہ۔ ورنہ اگر اس کی خیریت جانتی ہی ہوتی تو اسی گھر میں تھی وہ مجال جو اس کے کمرے میں جھانکا ہو۔ وہ اس کے تیار ہوئے سراپے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنی تیار ہو کر کھڑی تھی۔ کیوں بھلا۔

”ٹھیک ہوں۔“ وہ اس کی خود پر جچی لگا ہوں سے کنفیوز ہو رہی تھی۔

”صبا! آپ کہیں جا رہی ہیں؟“ بالآخر اس نے پوچھ لیا۔

”میرا نام صبح ہے۔ اردو والا صبح۔ جس کو ترکی زبان میں صبح یعنی ص پر زبر پڑھتے ہیں۔ لیکن اردو میں صبح لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب مارنگ صبح یعنی نیا دن۔ صبا کا مطلب یہ نہیں ہوتا۔“ اسے غصہ ہی آ گیا تھا پہلی سے انتہا کی محبت اور دوسری کا صحیح نام بھی نہیں پتہ۔ ہادی گڑبڑا گیا تھا جب کہ وہ بات مکمل کر کے غصے میں پلٹ چکی تھی۔ اماں، ابا سے شکوؤں میں ایک اور اضافہ ہوا تھا۔ ایسا نام کیوں رکھا تھا جو کسی کو بولنا ہی نہ آئے حالانکہ کوئی اتنا مشکل نام بھی نہیں تھا۔ پیچھے ہادی اپنے روم میں جاتے ہوئے پہلی بار اس کے بارے سوچ رہا تھا۔ اتنے دن تو اس نے اپنے وجود کا احساس ہی نہیں دلایا تھا اور اب ایک دم سے اس کی سوچوں میں آ گئی تھی۔

”بہت ہی بچکانہ قسم کا رویہ تھا۔ جذباتی اور غصے کی تیز۔“ ہادی کی صبح فاروق کے بارے میں پہلی رائے تھی۔



آج وہ ایک ماہ کے بعد آفس آیا تھا۔ تقریباً ساف اس سے شہرین کی تعزیت کر کے جا چکا تھا۔

”اتنا پریشان کیوں ہو؟“ وہ جوٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے سوچوں میں گم تھا عزیر کی بات پر چونکا۔

”میری بیوی کو مرے صرف ایک ماہ ہوا ہے۔ میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے بن ماں کے ہیں۔ تم کہتے ہو

پریشان کیوں ہو۔“ وہ عزیر کی بات سن کر برا مان گیا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”یار بچے بہت چھوٹے ہیں۔ ان کے لیے کسی کیئر ٹیکر کا انتظام کرنا ہے۔ لیکن اتنے چھوٹے بچوں کے لیے

دل کسی پر اعتبار نہیں کر پارہا۔“

”شہرین بھابھی کی امی۔“

”چھوڑ دیا، پتہ تو ہے تمہیں۔ شہرین کی ڈیڑھ کا سن کروہ اسے ہاسپٹل سے ہی اپنے گھر لے گئے تھے۔

حالانکہ بے بی بھی وہیں تھی لیکن اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ وہ میری اولاد ہے ان کے دشمنوں کی۔ انہیں ایک دن کی

بچی پر ترس نہیں آیا۔ میری ملازمہ اسے پھر وہاں سے گھر لے آئی تھی۔“

”کیئر ٹیکر کیوں ڈھونڈ رہے ہو۔ دوسری شادی جو کی ہے۔ بیوی سے کہو انہیں کچھ عرصے کے لیے سنبھال

لے۔“

”شٹ اپ یار۔“ وہ مشورہ سن کر تپ اٹھا۔ اسے اپنی اس دن والی ملاقات یاد آئی تھی۔ غلط نام بولنے پر اس

کا غصے سے واک آؤٹ کرنا اور ملازمہ کی زبانی اسے پتہ چلا تھا کہ محترمہ صباح فاروق کو بچے پسند نہیں تھے تو اس

نے اب تک بچوں کو بس دور سے ہی دیکھا تھا۔ اس نے قریب جا کر ان بچوں کو پیار کرنے کی بھی زحمت نہیں کی

تھی۔ پھر وہ اس سے یہ امید رکھتا کہ وہ بچوں کا خیال رکھے گی۔ پھر رشتہ بھی سوتیلی ماں والا تھا اور ان بچوں کے ابا

نے اپنی پہلی شادی چھپائی تھی اس سے یعنی اس کے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔ وہ ایسے شخص کی اولاد کو کیوں دیکھتی بھلے وہ

بچوں کو پسند کرنے والی ہی ہوتی۔ اور یہی بات اس نے مختصر کر کے عزیر کو بتادی تھی۔ وہ حقیقتاً بہت مشکل میں

تھا۔ عزیر کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اسے کیا مشورہ دے۔

”اگر شہرین بھابھی زندہ ہوتیں تم دوسری شادی کا کیا جواز دیتے انہیں؟“

”جو بھی دیتا۔ لیکن وہ ہوتی تو۔ کاش وہ نہ جاتی۔“ اس پر پھر سے وہی اداسی طاری ہونے لگی۔



اس کی اور شہرین کی فیملی کی دشمنی بہت پرانی تھی۔ نئی نسل کو پرانی وجوہات تو نہیں معلوم تھیں لیکن وقتاً فوقتاً نئی وجوہات پیدا ہوتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے یہ خاندانی دشمنی اب ڈیٹ ہوتی رہتی تھی۔ وہ دونوں خاندان کشمیر میں مظفر آباد میں رہتے تھے۔ دونوں ہی شہر کی اعلیٰ فیملیز تھیں۔ ڈھیروں جائیدادیں، سیاسی اثر و رسوخ اور کئی شہروں میں پھلا وسیع بزنس۔ شہرین اور وہ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے لیکن پھر آہستہ آہستہ کب ان کے بیچ محبت آئی انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ پہلے وہ جہاں مل جاتے ایک دوسرے پر طنز کیے جاتے۔ پھر چانک ہی محبت بھری باتیں ہونے لگیں۔ دونوں کو پتہ تھا خاندان کو منانا مشکل کام تھا۔ پہلے ہادی نے گھربات کی تھی اور صرف بات کرنے پر ہی اتنا بڑا ہنگامہ برپا ہوا کہ وہ بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ بابا نے کہا تھا کہ یہ ناممکن ہے اور اماں نے کہا تھا وہ اکلوتے بیٹے کو بھول جائیں گی لیکن دشمنوں کی بیٹی کبھی بیاہ کر نہیں لائیں گی۔

”ابھی تمہاری عمر صرف بائیس سال ہے۔ اتنی کم عمری میں تو تمہاری شادی ویسے بھی نہیں کریں گے۔ لیکن اگر تمہاری ضد برقرار رہی تو پھر کسی بھی اچھی لڑکی کو دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں گے لیکن وہاں کسی صورت نہیں۔“ یہ اماں کا جواب تھا اور بابا کا اس سے بھی خوبصورت جواب تھا۔

”اگر جو تم یہ سوچ رہے ہو کہ اکلوتے بیٹے ہونے کے ناطے تم اپنی بات منوالو گے تو تم غلط ہو۔ لہذا خود کشی کی دھمکی تو دینا بھی مت۔ کیونکہ تم نے دھمکی دی تو اسے انجام میں اپنے ہاتھوں سے خود دوں گا اور اگر اس لڑکی کے لیے اپنی دولت جائیداد چھوڑنے کا سوچ چکے ہو تو بتا دو، میں آج ہی وکیل کو بلوا کر جائیداد تمہاری ماں، بہن اور اپنے بھتیجوں میں تقسیم کر دیتا ہوں تاکہ کل کو جائیداد کا جھگڑا نہ ہو اور تمہارا ہم سے ہر رشتہ ختم ہوگا۔ میرے مرنے پر میرے جنازے کو کندھا دینے سے بھی محروم رہو گے۔ تو بیٹا اب تمہارا کیا فیصلہ ہے۔“ وہ ان کی آخری بات سن کر تڑپ اٹھا تھا۔ اب اتنا کچھ سن کر وہ کیا فیصلہ کرتا، بس خاموش ہو گیا تھا اور پھر گھر میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔

ہادی کے گھر والوں کی باتیں سن کر شہرین کی رہی سہی ہمت بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اپنے گھر میں بات

نہیں کر پائی تھی۔ پھر چھ ماہ بعد بابا کی ڈیڑھ کے بعد بزنس کی ساری ذمہ داری اس کے سر آ گئی تھی۔ اماں بھی بیمار رہنے لگی تھیں۔ پھر آپنی بہت اصرار کر کے انہیں اپنے ساتھ جرمنی لے گئیں اور وہ بزنس کی وجہ سے یہاں اکیلا رہ گیا تھا۔ اماں اور آپنی کہتی رہیں وہ بھی وہیں ان کے پاس آ جائے لیکن اس قدر وسیع بزنس کو سمیٹنا اور پھر نئی جگہ پر دوبارہ زیرو سے سٹارٹ کرنا۔ اس نے وہیں رہنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مہینے میں ایک بار اماں سے ملنے لازمی جاتا۔ پھر تبھی شہرین نے بتایا کہ اس کے گھر والے اس کی شادی کہیں اور کر رہے ہیں۔ وہ اکیلا ہی اپنا رشتہ لے کر اس کے گھر گیا اور حسب توقع بہت بے عزت کر کے اسے نکال دیا گیا تھا۔ اب آخری راستہ ان کے نزدیک کورٹ میرج تھی۔

کورٹ میرج کر کے شہرین نے گھر والوں کو بتا کر گویا ان کے پیروں تلے زمین کھینچ لی تھی۔ اس کے بھائی تو مارنے پر تل گئے تھے لیکن اس کے ابا نے اسی وقت فون کر کے ہادی کو بلا کر بیٹی اس کے ساتھ رخصت کر دی تھی اور اس سے سارے رشتے ناٹے بھی توڑ دیئے تھے۔ وہ اسے ہوٹل لے کر آیا تھا۔ اپنے گھر لے جاتا تو ملازمین اماں کو فون کر کے بتا دیتے۔ نیا گھر لے کے اسے فرنشڈ کرا کے شہرین کو وہاں لے گیا تھا۔ اماں کو کب بتاتا اس کا اس نے نہیں سوچا تھا۔ اسی دوران اماں نے دو چکر پاکستان کے لگائے تھے اور وہ شکر کرتا تھا کہ شہرین الگ گھر میں رہتی تھی۔

وہ بچپس کا ہو چکا تھا اور اماں اب اس کے لیے لڑکیاں ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر شہرین کا نام لیا تھا اور اماں نے کہا تھا باپ مر چکا ہے ماں کو بھی مرا ہوا سمجھ لو پھر جاؤ اس لڑکی سے شادی رچاؤ۔ تب شہرین ماں بننے والی تھی اور وہ چاہ کر بھی اماں سے یہ بات شیر نہیں کر پایا تھا۔ بس یہ چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد جرمنی چلی جائیں تاکہ کسی جاننے والے سے اس کی شادی کی خبر ان تک نہ پہنچے۔ اماں چند دن ہی رہیں۔ پھر اس کا دوسرا بچہ پیدا ہونے والا تھا جب اماں اور آپنی لاہور آئی تھیں اور اسے بھی وہیں بلایا تھا جب وہاں پہنچا تو پتہ چلا وہاں آپنی کی کسی دوست کے جاننے والوں میں اس کا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ اب اسے لڑکی والوں سے ملوانا تھا۔ وہ احتجاج کرتا رہ گیا اماں اور آپنی نے ایک نہ سنی۔ بلکہ شادی کے لیے قریبی ڈیس رکھ دی گئیں۔ وہاں شہرین بار بار بلاتی کہ اس کی طبیعت خراب ہے وہ کبھی لاہور تو کبھی مظفر آباد میں ہوتا۔ وہ اپنے گھر والوں کے درمیان گھن چکر بن کر رہ

گیا تھا۔

اماں اور آپنی نے اس کے احتجاج کو دیکھ کر ہی جلدی کی تھی کہ وہ ابھی تک دشمنوں کی بیٹی کا دم بھرتا تھا تو وہ اپنی طرف سے سدباب کر رہی تھیں۔ اس کے سارے رشتے دار لاہور آچکے تھے۔ شادی سے چند دن پہلے آپنی کی ساس کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی تو انہیں اس کی شادی والے دن کی فلائٹ ملی تھی جبکہ پھر ہفتے بعد کی تھی۔ اماں اور آپنی نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے شادی والے دن کی ٹکٹس ریزو کروائی تھیں۔ مہندی والی رات اس کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا تھا۔ اماں اور آپنی کو اس نے اپنی شادی اور بچوں کا بتایا تھا۔ یہ سن کر ہی اماں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ انہیں ہاسپٹل لے کر جانا پڑ گیا۔ وہ شرمندہ اور سر جھکائے ہوا تھا۔ سب رشتے داروں سے یہی کہا تھا آپنی نے کہ اکلوتے بیٹے کی شادی کے وقت انہیں شوہر کی یاد آ رہی تھی جس کی وجہ سے ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ حالت سنبھلنے پر وہ انہیں گھر لے آئے تھے۔ اماں گھر آ کر پھر رونے لگ گئیں۔ وہ بار بار ان کے ہاتھ پکڑ کر ان سے معافیاں مانگتا رہا۔ وہ ہر بار لاڈ لے کا ہاتھ جھٹک دیتیں۔

”پورا خاندان اکٹھا ہے۔ میرے بیٹے کی شادی رک جائے گی۔ کیسی کیسی باتیں نہیں ہوں گی۔ دشمنوں کی بیٹی کو بیاہ لایا ہے۔“

پھر اماں اسی شرط پر مانیں تھیں کہ وہ کسی کو بھی پہلی شادی کا نہ بتائے اور چپ کر کے یہ شادی کرے باقی معاملات بعد میں نمٹائیں گی وہ۔ اور اس نے آپنی سے کہا تھا کہ وہ لڑکی والوں کو اس کی پہلی شادی کا بتا دیں لیکن عین موقع پر یہ بتانا صرف ان کے خاندان کے لیے نہیں لڑکی والوں کے لیے بھی مشکل کا باعث بنتا۔ شاید شادی نہ ہوتی۔ ہادی کا تو کوئی خاص نقصان نہ ہوتا مگر شادی سے ایک دن پہلے شادی کا کینسل ہونا لڑکی کے لیے بہت مشکلات کا باعث بنتا۔ آپنی نے یہی سوچ کر کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

شادی دن کی رکھی گئی تھی۔ رخصتی کے بعد اماں اور آپنی جانے کی تیاری کرنے لگیں۔ اس نے گھر فون کیا تو پتہ چلا شہرین کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اسے ہاسپٹل لے گئے تھے وہ ولیمے کو کینسل کر کے صبح کو لے کر بھاگ بھاگ مظفر آباد پہنچا۔ یہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ بچے کی پیدائش کے وقت وہ جانبر نہ ہو سکی۔ یہ صدمہ کم نہ تھا کہ شہرین کو اس کے گھر والے لے گئے تھے۔ بمشکل اسے شہرین کو دیکھنے دیا گیا تھا۔ اس کے لیے جیسے مصیبت در مصیبت

آگئی تھی۔ اس سب میں جوا چھتا تھا وہ یہ کہ صبح کے گھر والوں نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا۔ اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ لاعلم بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ کیسے سوچ سکتا تھا کیونکہ آپنی نے نہیں بتایا ہوگا تو صبح نے تو گھر بتا ہی دیا ہوگا۔ وہ بھلا کیوں چھپاتی لیکن اس کے گھر والوں نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی اور یہی بات اس کے لیے باعث اطمینان تھی۔



دونوں بچوں نے رورو کر گھر سر پہ اٹھا لیا تھا۔ پہلے تو وہ ضبط کر کے بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر بچوں کے کمرے کی طرف آگئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی نگاہ سامنے دیوار پر لگی تصویروں پر گئی۔ احد کی اکیلی اور اماں، ابا کے ساتھ ڈھیروں تصویریں لگی تھیں۔ وہ ان سے نظر ہٹا کر بچوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ بچی کی مسلسل رونے کی وجہ سے رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ اسے دونوں ملازماؤں پر غصہ آیا۔

”کیا مسئلہ ہے، کیوں رورہے ہیں دونوں؟“

اسے دیکھ کر وہ دونوں ہی تھکے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

”پتہ نہیں جی۔ دودھ بھی نہیں پل رہے۔ شاید ماں کی یاد آرہی ہوگی۔“ نصیبو نے اسے بچوں سے ہمدردی کروانی چاہی۔

”تو آپ دونوں کل کی لڑکیاں تو نہیں ہیں کہ چھوٹے بچے نہیں سنبھالے جا رہے۔ بال بچوں والی ہیں۔ آپ کو نہیں پتہ بچہ روئے تو کیسے چپ کراتے ہیں۔ اب ان کی ماں تو نہیں رہی آپ ہی ذرا ممتا کی گرمی دے دیں بچوں کو۔“

نصیبو اور شا کرہ یہ سن کر شرمندہ ہی ہو گئیں۔ انہیں اپنی بیگم صاحبہ سے ایسی تواضع کی امید نہیں تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر احد کو شا کرہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اس کے پاس آتے ہی مزید رونے لگا۔ وہ اسے لے کے سامنے بیڈ پر لٹا کر اسے چیک کر رہی تھی۔

”اس کا پیپر چیک کیا تھا؟“

”جی۔ گھنٹہ پہلے تبدیل کیا تھا۔“

”تو آئیں لارڈ صاحب اس وقت بھی اسی وجہ سے رو رہے ہیں۔ میمر چینیج کریں۔ اس کا پیٹ خراب ہوگا تبھی اتنا جلدی میمر خراب کر دیا۔“ شاکرہ نے آگے بڑھ کر احد کو اٹھایا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ بچی جو چند لمحوں کے لیے چپ ہوئی تھی دوبارہ اسی طرح رو رہی تھی۔ صبح نے لگا ہیں ہٹالیں اتنے چھوٹے بچے اٹھانے سے اسے ڈر لگتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد احد پرسکون ہو چکا تھا۔ بچی روئے جا رہی تھی۔ نصیبو یہاں سے وہاں ٹہلتی اسے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اس کا بھی میمر چیک کیا؟“

”جی۔ ابھی کیا۔ میمر خراب نہیں ہے اس کا۔“

”اچھا لاؤ مجھے دو۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر بچی کو بازوؤں میں لے لیا۔ پھر اسے بھی بیڈ پر لٹا کر میمر چیک کیا۔ وہ خشک تھا۔ اس کے گھر میں بھی بچے تھے اور اماں منٹوں میں روتے بچوں کے رونے کی وجہ معلوم کر کے ان کے رونے کا سد باب کرتی تھیں۔ اس نے بھی اماں کے انداز میں اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھا کہ کہیں پیٹ میں تو درد نہیں ہے۔ جیسے ہی اس نے اس کے پیٹ کو ہلکا سا دبایا بچی کا رونا شدید ہوا۔

”اس کے پیٹ میں درد ہے۔ دیکھو پیٹ درد کی کوئی دوائی رکھی ہے؟“ وہ مڑے بغیر بولی۔

”نہیں جی۔“

”عجیب ہی گھر ہے۔ چھوٹے بچے تو ہیں لیکن ان کی چھوٹی موٹی دوائیاں نہیں ہیں۔ کسی کو بھیج کر منگوا لو۔ ابھی تو چالیس دن کی بھی نہیں ہوئی اور اس کے ساتھ ایسا سلوک۔“ پھر اس نے نصیبو کو کاغذ پین لے کر آنے کا کہا اور اس پر دوائی کا نام لکھ دیا۔ اب بچی پھر سے اس کے بازوؤں میں تھی۔ وہ اسے اس زاویے سے اٹھا کر کھڑی تھی کہ زیادہ نہ ہلے تا کہ اسے ہلنے سے محسوس ہونے والا درد نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں وہ چپ کر گئی تھی۔

”اس کا نام کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جی ابھی تک تو کچھ نہیں رکھا۔ صاحب بھی گڑیا بلاتے ہیں۔“

”اسے بیوی کے سوگ سے فرصت ملے تو دیکھے کہ بچی ایک ماہ کی ہو گئی ہے اور بے نام ہے۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ دونوں کو اس کی بات سمجھ نہ آئی۔

”جی بیگم صاحبہ کیا کہا آپ نے؟“

”کچھ نہیں۔ دوائی کا پتہ کریں۔“

”دیکھ لو باپ کی حرکتیں۔ اسے صرف میں ہی نہیں بھولی تم بھی بھول گئی۔ اب ایسا بھی کیا عشق کہ موصوف دنیا بھلا بیٹھے۔ سچ کہوں تو تمہارا دودھیال نمونہ ہی ہے۔ ابھی جب بیوی سے ایسا عشق تھا تو میری زندگی کیوں خراب کی۔ عشق نہ بھی ہوتا تو بھی کیا ضروری تھا دوسری شادی کرتا۔ تمہاری اماں سے بنا کے رکھتا نا۔ اور وہ تمہاری دادی اور بھولی چھتی..... مجھے فون کر کے پوچھتی ہیں خوش ہوں میں۔ نہ جن لڑکیوں کے شوہر کسی اور کے مجنوں ہوں کیا وہ خوش ہوتی ہیں۔ اوپر سے نیکی کی دیویاں معافی مانگنے لگیں۔ کیا ان کی معافی سے میری زندگی کا سکون لوٹ آئے گا۔ اس سے بس وہ خود چین کی نیند سوتیں ان کو تب بھی اپنی فکر تھی۔ کیا دیکھ رہی ہو؟“ بچی ٹکڑ ٹکڑ سے دیکھ رہی تھی۔

”کیا یار۔ جتنی بد تمیز دکھتی ہوں اتنی ہوں نہیں۔ تمہارے رشتے داروں سے بھی تمیز سے بات کی تھی آخر اماں کی بیٹی ہوں۔ ساس مند کے سامنے ایسے کیسے بول سکتی تھی۔ بس ان سے یہی کہا ہاں خوش ہوں تاکہ میری جان چھوڑ دیں میں ان کو سننا بھی نہیں چاہتی کیونکہ وہ انہی لوگوں جیسی ہیں خود غرض۔ اپنا خاندان۔ اپنے خاندان کی خوشیاں اور معافی بھی اس لیے کہ سکون سے رہ سکیں ورنہ میرے ساتھ ہوئی زیادتی سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

تبھی نصیبو دوائی لے کر اندر آئی۔

”ارے یہ تو آپ کے پاس چپ کر گئی۔“

”ہاں، میں نے اسے بتایا کہ یہاں فلم کی شوٹنگ چل رہی ہے اور جب ہیروئن اٹھاتی ہے تو روتے بچے چپ کر جاتے ہیں۔ اور کیونکہ یہاں میں یعنی اس کی سوتیلی ماں ہیروئن ہوں اس لیے یہ میرے پاس آتے ہی چپ کر گئی۔“ اس نے اتنی سنجیدگی سے جواب دیا تھا کہ نصیبو گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا بیگم صاحبہ سنجیدہ ہے یا مذاق کر رہی ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ یہ مذاق تھا تو وہ ہنسنے لگی۔

”بیگم صاحبہ! آپ تو بہت مزاحیہ (مزاحیہ) ہو۔“

اس کے ہاتھ سے دوائی لے کر وہ بچی کو دینے لگی۔

”اب میرے طنز بھی مذاق میں شامل ہوں گے۔ چلو اچھا ہی ہے۔ ان کے ہنسنے کا سامان ہو جائے گا۔“ وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔



اب وہ اکثر بچوں کے پاس آنے لگی تھی۔ اسے بچوں سے بہت ہمدردی تھی کیونکہ اس کے خیال میں وہ بھی اس کی طرح تھے۔ یعنی کسی کے لیے ان کا ہونا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ شہرین کے گھر والوں کا رویہ اسے نصیبو بتا چکی تھی اور اس کی ساس اور نند نے ایک بار بھی بچوں کے متعلق کوئی بات نہیں کی تھی۔ شاید ہادی سے پوچھتی ہوں۔ رہا خود ہادی۔ تو وہ صبح آفس جاتا اور واپس آ کر ان بچوں کے کمرے میں کچھ دیر گزار کر پھر اپنے کمرے میں ہی رہتا۔ وہ کئی دن نوٹ کرتی رہی بچوں کے لیے کوئی بھی نہیں تھا۔ ملازمائیں بھی وقتاً فوقتاً وہاں جھانکتی رہتی تھیں لیکن مستقل ان کے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا۔

جب ملازمائیں کام سے فارغ ہوتیں تب جاتیں۔ اکثر تو کام کر کے اپنے کوارٹرز میں چلی جاتیں کہ ان کے اپنے بھی بچے تھے۔ ہاں اسی دوران وہ بچوں کے کمرے میں جھانکی مار لیتیں۔ ویسے وہ اس گھر میں بچوں کے لیے نہیں آئی تھیں یہ بھی وہ ان کے منہ سے سن چکی تھی۔ ایسے میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خود بچوں کے پاس آنے لگی تھی۔ ابھی بھی اس نے گڑیا کو اٹھایا ہوا تھا جب کہ ہادی بیڈ کے ایک جانب بیٹھا کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔

دونوں بچے کمزور ہو رہے تھے۔ احد کی تو تصویریں دیکھی تھیں لیکن گڑیا کو تو اس نے جب دیکھا تھا وہ صحت مند تھی لیکن اب کمزور تھی۔ وہ معصوم بچے رات کو بھی اکیلے سوتے تھے۔ نصیبو اور شا کرہ میں سے کوئی رات کو ایک آدھ چکر لگالیا کرتا تھا۔ باقی رات بھلے بچے کسی بھی وجہ سے اٹھ کر روتے رہیں۔ ملازموں کے کوارٹرز تو ذرا دور تھے۔ شاید ہادی اٹھ کے آتا ہو یہ پہلے اس کا خیال تھا لیکن ایک رات احد کے رونے کی آواز کافی دیر آتی رہی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا وہ خود اٹھ کے آ گئی۔

احد بیڈ سے نیچے گرا رو کر بے حال ہو رہا تھا۔ وہ لپک کر اس کے پاس گئی۔ وہ شاید نیند میں ہی نیچے گرا تھا۔ اس نے اٹھا کر فوراً اس کے آنسو صاف کیے اور خود سے لگالیا۔

”پیارا بچہ ڈر گیا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ میں آگئی ہوں۔“ اسے خود سے لگائے اس کا سر چومے جا رہی تھی۔ اور احد سکتے ہوئے ماما کی رٹ لگائے جا رہا تھا۔ پہلی بار صبح کو صبح معنوں میں ان بچوں کے نقصان کا اندازہ ہوا تھا۔ اس کے اندر مزید نرمی آئی۔ ٹہلتے ہوئے ڈیڑھ سال سے چھوٹے احد کو وہ بار بار خود میں بھینچے جا رہی تھی اور وہ ماما کی گردان کرتے اس سے چپکا ہوا تھا۔

صبح اس پر آیت الکرسی اور قل پڑھ کر پھونک رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ سو گیا تھا۔ اس نے احتیاط سے اسے بیڈ پر لٹایا۔ ایک نگاہ بیڈ کے دوسری جانب رکھے کاٹ پر ڈالی۔ ننھی گڑیا ہر شے سے بے نیاز مزے سے سو رہی تھی۔ صبح نے اس پر بھی آیت الکرسی پڑھ کر پھونک ماری۔ پھر احتیاط سے دروازہ بند کرتی باہر آگئی۔ اسے ہادی پر غصہ آ رہا تھا۔ انتہائی لا پرواہ انسان تھا۔ اتنے چھوٹے بچوں کو اکیلا کون چھوڑتا ہے۔ خود نہیں سو سکتا تھا تو کسی ملازمہ سے کہتا۔ ورنہ بچوں کے لیے کسی نئی ملازمہ کا انتظام کرتا۔

وہ غصہ سے بھری ہادی کے کمرے کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ دستک دی لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ پھر اس نے ناب گھمائی۔ دروازہ لاکڈ نہیں تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ وہ سامنے بیڈ پر سو رہا تھا۔ وہ اس کے سر پر جا پہنچی۔

”مسٹر ہادی۔“

لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے آواز مزید بلند کی۔

”ہادی.....“

اب بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

”بد تمیز انسان گدھے گھوڑے بیچ کے سوئے ہو کیا؟“ وہ غصہ سے چبا کر بولی۔ مجال جو ہادی ہلا بھی ہو۔ صبح نے ارد گرد دیکھا۔ اس کے سر میں کیا مار کر اسے اٹھائے۔ مارنے کی تو کوئی چیز نظر نہ آئی۔ البتہ ہر دیوار پر اس کی اور شہرین کی ڈھیروں تصویروں نے پارہ اور چڑھا دیا تھا۔ اور وہ کوئی عام تصویریں نہیں تھیں بلکہ محبت بھرے مظاہرے تھے۔ ایک تو کمرہ اتنا شاندار جیسے کسی بادشاہ کا کمرہ ہو، اوپر سے ہر طرف بادشاہ اور ملکہ کی محبت کی داستان سناتی تصویریں۔ صبح کو بیک وقت غصہ اور رونا آیا۔

”چھچھورے لوگ۔ پورا کمرہ تصویروں سے بھر دیا جیسے سٹوڈیو ہو۔“

پھر مڑ کر ہادی کی طرف آئی اور اس کا کندھا زور سے جھنجھوڑ ڈالا۔

”اٹھو بے حس انسان! وہاں بچے خوف سے رو رہے ہیں اور یہاں تمہاری نیندیں ختم نہیں ہو رہیں۔“

وہ جو بہت مشکل سے سویا تھا بڑا کر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ صبح جو اس پر جھکی ہوئی تھی اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر پیچھے ہٹی۔ وہ صبح کو دیکھ کر حیران ہوا۔ پھر ایک دم اٹھ بیٹھا۔

”کیا ہوا سب خیریت ہے۔“ اب کے وہ پریشان ہوا تھا۔ اس نے سامنے لگی گھڑی میں وقت دیکھا تھا رات کے دو بج رہے تھے۔

”اگر نیند سے مکمل جاگ گئے ہوں تو بتاؤں کیا مسئلہ ہے۔“ وہ اسے گھورتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا طنز سن کر ہادی جو ذرا سی بھی نیند محسوس کر رہا تھا وہ اڑ گئی تھی۔ اس کے دماغ میں پھر سے وہ دن جاگا جب غلط نام لینے پر وہ اس کی کلاس لے کر گئی تھی۔

”بتائیے محترمہ! اس وقت آپ کو کون سا مسئلہ درپیش ہے؟“ وہ بھی جواباً طنزیہ انداز میں بولا۔

”وہاں معصوم بچے ڈر کے مارے رو رو کر ٹڈال ہو رہے ہیں اور یہاں ان کے والد محترم استراحت فرما رہے ہیں۔“

وہ اس کی بات سن کر جلدی سے بستر سے اٹھنے لگا۔

”کوئی اتنے چھوٹے بچوں کو اکیلا سلاتا ہے۔ انہیں ڈر لگے یا بھوک لگے وہ وہیں رو رو کر ٹڈال ہو جائیں۔ کیونکہ ماں تو خدا کے پاس چلی گئی اور والد محترم کو نیندوں سے فرصت ملے تو وہ ان کو دیکھیں۔“

ہادی نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

”اگر آپ کی پھٹکار ختم ہو تو میں اپنے بچوں کے پاس جاؤں جو رو رو کر ٹڈال ہو رہے ہیں۔“

دونوں ہی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہے تھے بلکہ میزائل چھوڑ رہے تھے۔

”اب نہیں رو رہے۔ میں ان کو سلا کر آئی ہوں۔“

”جب اتنی نیکی کر آئی ہیں تو مجھے اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ یا پھر نیکی کا اشتہار کیے بغیر سکون نہیں مل رہا

تھا۔“ ہادی کو تو لگ گئی تھی۔ اتنی مشکل سے آنکھ لگی تھی۔

”ابھی سلا کر آئی ہوں لیکن بچے ہیں کسی وقت بھی اٹھ سکتے ہیں۔ کسی کا ہونا ضروری ہے ان کے ساتھ۔ یا تو ان کے کمرے میں سو جائیں یا انہیں اپنے ساتھ سلائیں۔ ابھی تو چپ کر دیا ہے اب ہر وقت آپ کی اولاد کے لیے میں اپنی خدمات فراہم نہیں کر سکتی۔“ اس نے اینٹ کی جگہ پتھر اٹھا کر مارا تھا۔ ہادی کراہ اٹھا۔

”اوہ میرے اللہ!“ جب کہ وہ پتھر برساتی جا چکی تھی۔ ہادی اس رات بچوں کو اپنے پاس لے آیا تھا لیکن گڑیا جو اپنے کمرے میں تو مزے سے سوتی رہی اس کے کمرے میں آ کر تو بار بار اٹھتی رہی۔ اور ہادی نے اس صبح اٹھ کر انتہائی سنجیدگی سے گورنس کے لیے نہ صرف سوچا بلکہ اخبار میں اشتہار بھی دے دیا۔



آج اتوار تھا اور ہادی نے گورنس کے لیے انٹرویو لینا تھا۔ صبح بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جب ہادی وہیں آ گیا۔ نصیبو بھی اس کے پیچھے تھی۔

”بچے لے کر لان میں آ جاؤ۔“ اس نے نصیبو کو آڑ کر کیا۔ صبح نے سوالیہ نصیبو کو دیکھا۔ ہادی کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

”وہ جی بیگم صاحبہ! بچوں کے لیے آیا کا انٹرویو کر رہے ہیں ہادی صاحب۔ وہاں لان میں ساری لڑکیاں آئی ہوئی ہیں۔“

صبح نے سن کر کوئی رسپانس نہیں دیا۔

”اچھا ہے نا کوئی آیا ہی رکھ لے، میں کیا اس کے بچوں کو سنبھالنے آئی ہوں۔“ وہ اٹھ کر جانے لگی۔ جب ہادی نے اسے مخاطب کیا۔

”اگر آپ بھی میرے ساتھ چل کر انٹرویو کرالیں.....“ اچانک ہی ہادی نے اسے آفر کی تھی اور اسے حیرت ہوئی کہ کیوں کی تھی لیکن وہ اثبات میں سر ہلا گئی اور لان میں اس جاب کے لیے آئی لڑکیوں کو دیکھ کر وہ حیران ہو رہی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی مجبور نہیں لگ رہی تھی اور انٹرویو کے دوران اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ بچوں کے لیے نہیں جیسے ہادی کے کیئر ٹیکر بننے کے لیے آئی تھیں۔

”بڑا کوئی کوہ قاف کا شہزادہ ہے جس کے لیے مر رہی ہیں۔“ وہ بے زار ہوئی۔ ہادی بھی اب اس سب سے

بے زار ہو رہا تھا۔ کئی لڑکیاں جا چکی تھیں۔ بالآخر ان میں سے ذرا بہتر کو ہادی نے سلیکٹ کر لیا تھا۔ صبح کو تو وہ بھی پسند نہیں آئی تھی لیکن چپ رہی۔ اس کا خیال تھا کسی لڑکی کی بجائے مناسب عمر کی عورت کو بچوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا جاتا لیکن ہادی کی مرضی۔ وہ وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ جبکہ ہادی اس لڑکی سے سیلری اور رہائش کے متعلق بات کر رہا تھا۔



گورنس دونوں بچوں سے مل رہی تھی۔ ملنا بھی کیا احد اس کے پاس جاتے ہی رونے لگا تو اس نے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن وہ ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا۔ پھر صبح نے آگے بڑھ کر احد کو اس سے لے لیا۔

”بہت پیارا بچہ ہے بس تھوڑا سا ضدی ہے۔“ گورنس بے چاری اس کے رونے سے شرمندہ ہو رہی تھی۔ وہ صبح کے پاس جاتے ہی چپ کر گیا تھا۔

”نہیں، احد ضدی نہیں ہے بس انجان لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔ آپ خود سے مانوس کریں گی تو آپ کے ساتھ بھی بہت خوش رہے گا۔“ صبح نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔ ہادی بھی وہیں کھڑا تھا لیکن بچوں کے معاملے میں صبح ہی زیادہ بات کیے جا رہی تھی اور ہادی سوچ رہا تھا کہ جو بچوں کی ناپسندیدگی والی بات سنی تھی وہ سچ بھی تھی؟

”اس چھوٹی سی گڑیا کا نام کیا ہے؟“ اب کے گورنس کاٹ میں لیٹی گڑیا کی طرف متوجہ ہوئی۔ ہادی کو یاد آیا ابھی تک وہ اپنی بیٹی کو گڑیا ہی بلاتا رہا کوئی صحیح نام تو رکھا ہی نہیں تھا۔ چند لمحے صبح طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بول اٹھی۔

”اس کا نام نور عین ہے۔“

ہادی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اسے واقعی یہ امید نہیں تھی کہ وہ اس کی لاپرواہی کو یوں کور کرے گی لیکن اتنے ٹینشن بھرے دنوں میں یہ ایسی بات ہوئی تھی کہ ہلکا سا خوشی کا احساس اسے چھو گیا تھا۔ پھر ہادی خاموش ہی رہا اور وہ بچوں کو ناپسند رکھنے والی ان بچوں کے بارے میں مسلسل گورنس کو ہدایات دیتی رہی۔

صبح کا خیال تھا کہ اسے صرف ہمدردی ہی تھی ان بچوں سے۔ اسے اگر ذرا بھی احساس ہوتا کہ وہ ان

بچوں سے اٹھ جاتی جارہی ہے اور بچے اس سے تودو وہیں رک جاتی لیکن کیونکہ اس کے نزدیک یہ ہمدردی تھی تو ٹھیک تھا۔ صبح کی بری عادتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ جن لوگوں یا چیزوں سے اٹھ ہو جاتی پھر اس کے لیے اسے چھوڑنا موت کے جیسا ہو جاتا تھا۔ اور مسئلہ تھا بھی یہی اسے وہ چیزیں کسی نہ کسی وجہ سے چھوڑنی ہی پڑ جاتی تھیں اور پھر بھلے بعد میں اسے وہ دے دی جاتیں پھر اس کی انا کا سوال بن جاتا تھا وہ مڑ کے بھی نہیں دیکھتی تھی۔ اماں اور صبح کے اختلافات بھی تبھی شروع ہوتے تھے۔ اماں کو اس کی یہ اجارہ داری والی عادت پسند نہیں تھی اور جو چیز ایک بار صبح کے نام لگ گئی اور پھر وہ کسی اور کو دی جاتی وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔ کئی دن رونا دھونا چلتا لیکن اماں ترس نہ کھاتیں جب ابا تک بات پہنچتی تب تو صبح کی مان لی جاتی ورنہ صبح کو ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ اماں کوئی ظالم سی ماں نہیں تھیں۔ بس یہ چاہتی تھیں ان کے بچوں میں مل بانٹ کے کھانے کی عادت ہو۔ اسے کھانے کو تو مل کے کھانے کی عادت تھی۔ لیکن کپڑے، جوتی اور اسی طرح دوسری چیزیں کسی کو دینے کی عادت نہیں تھی۔ اس سے بڑی دو بہنیں اور تین بھائی تھے۔ اس کے بعد ایک چھوٹی بہن۔ تو ایسے نمبر پر پیدا ہونے والی بیٹی کے ایسے نخرے اماں کو جلال دلا دیا کرتے تھے۔ یہ تو شکر تھا کہ ان کے گھر کبھی کسی چیز کی تنگی نہیں رہی تھی۔ اچھا خاصا کھانا پیتا گھر انہیں تھا لیکن اماں ٹھہریں پرانے زمانے کے خیالات والی جن کے نزدیک بیٹیوں پر ایسے نخرے نہیں جچتے۔

اس کا کمرہ اس کی راجدھانی تھی اور اس کی شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد بڑی بھابھی نے اماں سے کہا تھا کہ وہ کمرہ انہیں بچوں کے لیے پسند ہے اماں کو کیا اعتراض ہونا تھا۔ اس کی شادی شدہ بہنیں جب میکے رہنے کے لیے آتیں تو ان کے لیے ایک ہی کمرہ تھا ہال جتنا بڑا کمرہ۔ اماں کے نزدیک چاروں بیٹیوں کے لیے وہ کافی تھا۔ جب بھتیجے خوشی سے اس کے کمرے میں اپنے استعمال کا سامان رکھنے پہنچے تو صبح کو دھچکا لگا۔ وہ فوراً اماں کے پاس گئی اور اماں نے جب کہا کہ تم تو ویسے بھی جانے والی ہو اب اسی گھر کو اپنا سمجھنا۔ یہاں تو ویسے بھی کبھی آؤ گی۔ صبح روتے ہوئے کمرے میں بند ہو گئی اور پھر اماں سے ایسی ناراض ہوئی کہ وہاں واپس نہ جانے کا قصد کر کے ہی نکلی تھی۔ شادی کر کے جارہی تھی مگر تو نہیں جارہی تھی۔ اماں کی ہر بات کے جواب میں وہ یہی دہراتی رہی۔

بھابھی اس کے رونے دھونے کو بے زاری سے دیکھتی رہیں اور جو جو بولتی رہیں صبح تو بس اماں کو ہی دیکھتی رہی۔ اب تک یہ بات نہیں گئی تھی اور غصے میں وہ شادی سے چند دن پہلے ہی بہنوں والے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی۔ اور اپنی سب پیاری چیزوں کو یہاں وہاں کرتی رہی۔ جب راجدھانی نہیں رہی تھی تو اس سے جڑا کچھ بھی نہیں چاہیے تھا۔ اماں تو سرپیٹ کر رہ گئی تھیں۔ بہنوں کو پتہ چلا تو وہ سمجھاتی رہیں۔ وہ روئی آنکھوں سے سب سنتی رہی لیکن کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔ ابا اور بھائیوں نے ہر وقت روئی روئی آنکھوں کو نزدیک ہوتی شادی سمجھا۔ اماں یا کسی نے بھی ان کی غلط فہمی دور نہ کی۔

وہ اسی ناراضگی میں رخصت ہوئی تھی اور آگے یہ سب۔ تو یہ بچے بھی اس کے نہیں تھے اس لیے اسے ان سے اُلج نہیں ہونا تھا کیونکہ اگر آنے والے وقت وہ ہادی سے رشتہ نہ رکھتی تو بچوں سے محبت اس کے لیے بہت بڑی مشکل بن جاتی۔ تو ان بچوں سے دن بدن بڑھتی محبت صبح کے نزدیک محض انسانی ہمدردی تھی کیونکہ وہ بن ماں کے بچے تھے۔ اور ہمدردی کی ایک وجہ کسی کو بھی ان کی پرواہ نہ ہونا بھی تھی۔ دادی اور پھوپھو کے لیے بس ٹھیک ہے وہ اچانک سے آگئے تھے کوئی خاص محبت نہیں جاگی تھی۔ ان کے ننھیال کا بھی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی دشمن کی اولاد تھے۔ اور رہا ان کا باپ اپنی طرف سے تو وہ خیال رکھنے کی کوشش کرتا تھا لیکن صبح کے نزدیک اسے مجنوں بننے سے فرصت ملتی تو وہ مکمل توجہ بچوں کو دیتا۔ اب اتنے سارے رشتوں کا ہونا ان کے لیے نہ ہونے جیسا تھا تو وہ سوتیلی ماں ہی بچتی تھی جو ہر گز رتے دن کے ساتھ سوتیلی کم اور ماں زیادہ بنتی جا رہی تھی۔

ان بچوں کے حق میں سب سے اچھی بات یہ رہی تھی کہ کسی ایک فرد نے بھی اسے نہیں کہا تھا کہ بچوں کا خیال رکھو۔ وہ شادی کے شروع دنوں میں غصے میں اتنی بھری رہتی تھی کہ اگر ہادی یا اس کی ساس کوئی بھی یہ کہتا کہ بن ماں کے بچے ہیں ترس کھا کر ہی سہی ان کا خیال رکھا کرو تو صبح فاروق جیسی الٹی کھوپڑی کی بندی بھولے سے بھی ان بچوں کو نہ دیکھتی کیونکہ جن لوگوں نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا وہ ان کے ساتھ ضد باندھ لیتی۔ بچوں کے خیال رکھنے کا مطلب ان کی بات مان لینا جن کی وجہ سے اسے تکلیف ملی تھی۔ لیکن جب بچوں کے ابا نے بھی نہیں کہا تو اسے ہی ان پر غصہ آیا۔

”بے حس لوگ۔ جو سلوک میرے ساتھ کیا وہی ان معصوموں کے ساتھ کر رہے ہیں۔“ جلتے کڑھتے وہ خود

ہی بچوں کے پاس جانے لگی تھی۔



”بولو آنٹی۔“ وہ احد کے ساتھ بیٹھی تھی اس کے ارد گرد کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اسے خود کو آنٹی بلانا سکھا رہی تھی۔ وہ بار بار اسے دیکھتے ہی ماما کی رٹ لگاتا تھا اور بھلے بچوں سے ڈھیروں ہمدردی سہی لیکن کسی اور کے بچوں کی اماں بننا اور کھلوانا اسے منظور نہیں تھا۔ وہ بس ان کے لیے ایک آنٹی تھی۔ احد کو ہر بار جب وہ یہ سکھاتی وہ ہر وقت عاصمہ (گورنس) کی طرف اشارہ کر دیتا اور اسے ماما کہہ کر کھلکھلا اٹھتا۔ جیسے اسے ماما کہہ کر چڑا رہا ہو وہ جیسے زچ ہوا ٹھی تھی۔

”بولو، آ آ آن ٹی ی.....“ اس نے ایک ایک لفظ توڑ کر بولا۔

”مم.....“ احد بھی اسی کے انداز میں بول کر داد لینے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

”انتہائی کمینے باپ کی اولاد ہو۔ بس اپنی کرنا۔ میں ماما نہیں آنٹی ہوں۔“ اس نے احد کو گھورنا چاہا وہ اس کی گھوری سے بچنے کے لیے اسی کی گود میں گھسنے لگا۔ صبح کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔ یہ اس کا اور احد کا سیکرٹ جوک تھا۔ وہ اسے آنٹی سکھاتی رہتی اور وہ کھلکھلاتا اسے ماما کہہ کر اسے جیسے چڑاتا رہتا۔ پھر کتنی ہی دیر وہ دونوں ہنستے رہتے۔ ابھی بھی دونوں ہنس رہے تھے کہ کاٹ میں لیٹی نور عین نے بھی ان کی ہنسی میں اپنی آواز شامل کی۔ صبح ہنستے ہوئے اس کے کاٹ تک گئی اور عاصمہ ایک جانب کرسی پر بیٹھی موبائل میں گم ایک آدھ نظر ان پر بھی ڈال لیتی تھی۔

عاصمہ کے تو مزے تھے۔ بچے بہت کم وقت اس کے پاس رہتے ہر وقت صبح ان کے ارد گرد رہتی۔ چند منٹوں کے لیے اٹھ کے جاتی پھر اسے بچوں کی یاد ستانے لگتی۔ بس جب بچے سو رہے ہوتے تھے تب وہ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ وہ نور عین کو اٹھا کر بیڈ پر ہی لے آئی تھی۔ وہ اس کی گدگدی کرتی تھی تو وہ کھلکھلانے لگ جاتی تھی۔ اس کے فون کی بجٹی گھنٹی نے اسے متوجہ کیا۔ اماں کی کال تھی۔ اتنے ماہ بعد اس کی یاد آئی تھی۔ وہ عاصمہ کو بچوں کے ساتھ بیٹھنے کا کہہ کر باہر آ گئی تھی۔

”السلام علیکم اماں۔“

”وعلیکم السلام۔ کیسی ہے میری بیٹی۔“ محبت بھرے لہجے میں انہوں نے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ وہ مختصر بولی۔ ان کی خیریت بھی نہیں پوچھی۔ اماں کو اس کی ناراضگی کا شدت سے احساس ہوا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں۔“ وہ خود ہی بتانے لگیں۔ ”تمہارے ابا بھی ٹھیک ہیں۔ بہن بھائی بھی سب ٹھیک ہیں۔“

صبح کی آنکھیں نم ہونے لگیں لیکن وہ خاموش رہی۔

”ہادی کیسا ہے؟“

”وہ بھی ٹھیک ہیں۔“

”تم خوش ہو؟ پتہ نہیں کیوں دل کو تمہاری طرف سے دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ اتنے ماہ ناراض رہی ہو۔ شادی کے بعد ایک چکر بھی نہیں لگایا۔“

”خوش ہوں اماں۔ بہت خوش۔“ اس نے دوسری بات کو ان سنا کیا۔

”تم تو آتی نہیں ہو۔ میں نے سوچا میں اور تمہارے ابا ہی تمہارے گھر چکر لگالیں۔“

”اماں! میں اور ہادی تین ماہ کے لیے جرمنی جا رہے ہیں میری ساس کب سے بلا رہی ہیں لیکن ہادی کو فرصت نہیں مل رہی تھی اب جا کے پروگرام بننا ہے۔ پھر وہاں سے کہیں اور بھی گھومنے کا ارادہ ہے۔“ اماں خاموش ہو گئیں۔

”تم کچھ دنوں کے لیے آ جاؤ۔“

”اماں! آپ نے مجھے آنے جوگا رکھا ہے؟“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”صبح بچے، بلا وجہ کی ضدیں نہ لگایا کرو۔“ اماں جو اچھی خاصی جذباتی ہو رہی تھیں یہ بات ان کو غصہ دلا گئی لیکن پہلے سے ناراض بیٹی کو وہ مزید ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لیے لہجہ نرم ہی رکھا۔

”بلا وجہ؟ میرا کمرہ اٹھا کر کسی اور کو دے دیا۔“

”صبح بچہ، وہ تمہارے بھتیجے ہیں۔“ اماں تحمل سے بولیں۔

”اماں مجھے ایموٹنل بلیک میل نہ کریں۔ ہمارا کوئی چھوٹا سا گھر نہیں ہے اتنے بڑے گھر میں میرا ہی کمرہ نظر آیا۔“

”اب اپنے شوہر کے گھر کو ہی اپنا سمجھو۔“ اماں کو غصہ آ گیا۔ ”جب تک تم رہیں کسی نے کمرہ نہیں لیا تھا تم سے۔ وہ گھر میرے بیٹوں کا ہے۔ اور پھر ان کی اولادوں کا۔ اس طرح کی احمقانہ باتیں کر کے مجھے غصہ نہ دلایا کرو۔“

”آپ جانتی ہیں مجھے دوسروں کے گھر جا کر رہنا پسند نہیں ہے۔ میں اپنے شوہر کے گھر میں ٹھیک ہوں۔ دوبارہ مجھے اپنے بیٹوں کے گھر کی دعوت نہ دیجیے گا۔“

ٹھک سے اس نے فون بند کیا۔ اور غصہ سے گالوں پہ بہتے آنسو صاف کیے۔

”بیٹوں کا اور اس کی اولادوں کا..... ہونہہ..... ہمیں تو جیسے یتیم خانے سے اٹھایا تھا۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ رگڑتی کمرے میں آ گئی۔



ہادی بیڈ پر بیٹھا تھا۔ سامنے لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ وہ جھکا ہوا مسلسل ٹائپنگ کیے جا رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر دروازے کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ آنے کی اجازت دیتا دروازہ کھلا اور صبح اندر آئی۔ ہادی کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

”عجیب لڑکی ہے جب اجازت نہیں لیتی تھی تو دستک کیوں دی۔“

وہ پراعتاد سی چلتی ہوئی بیڈ کے نزدیک آئی۔

”جی؟“ ہادی نے سوالیہ پوچھا۔

”شاید آپ کو یاد ہو آپ کی مجھ سے شادی ہوئی تھی۔“ ہادی کو دیکھتے ہی خود بخود اس کا لہجہ طنزیہ ہو جاتا تھا اور یہ اس کے غصہ کے اظہار کا ایک طریقہ بھی تھا۔

”جی بالکل مجھے یاد ہے۔“ وہ تھل سے بولا۔

”تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں ہمارے ہاں شادی شدہ بیٹیوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری ان کے

میکے والے نہیں اٹھایا کرتے۔“

ہادی ایک دم سیدھا ہوا۔

”کیا مطلب؟“ اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ صبح نے اس کی نا سمجھی پر دایاں ابرو اچکایا۔

”اتنی معصومیت؟“

ہادی کو پتہ تھا یہ ایک اور طنز تھا لیکن اتنی دیر میں اسے اس کی بات سمجھ آ چکی تھی۔ وہ ایک دم بیڈ سے نیچے اتر ا۔ صبح پیچھے کو ہوئی۔ وہ وارڈروب کی طرف بڑھا اور چند لمحوں کے بعد اس کے سامنے کھڑے ہو کر ایک چیک اس کی طرف بڑھایا۔ صبح نے پکڑ کر ماؤنٹ چیک کی۔ پانچ لاکھ کا چیک تھا۔

”آئی ایم سوری۔ مجھے اس بات کا خیال کرنا چاہیے تھا۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”اب ہر بار خود ہی خیال کر کے دیجیے گا۔ مجھے بار بار مانگنا پسند نہیں اور نہ ہی مجھے عادت ہے۔“ وہ شاہانہ انداز میں کہتی پلٹ گئی تھی۔ ہادی بند ہوئے دروازے کو گھورتا رہا۔ کیا لڑکی تھی۔ ہادی کی سنجیدہ اور بارعب شخصیت کی وجہ سے کوئی بھی اس سے فری نہیں ہوتا تھا اور صبح نہ صرف اعتماد سے اس کے سامنے کھڑی ہوتی تھی بلکہ طنز کے تیر چلاتی تھی۔

”پر اعتماد اور باہمت۔“ ہادی کی اس کے بارے میں دوسری رائے۔

صبح نے کمرے میں آ کر چیک بیڈ کی سائیڈ درواز پر رکھا۔ اسے ہادی کا کہا جملہ یاد آیا۔

”آئی ایم سوری مجھے خیال کرنا چاہیے تھا۔“ میرے ہی کہنے پر یاد آیا۔ تمہیں تو کسی بات کا خیال نہیں رہا سوائے اس کے کہ محبوب بیوی مری ہے اور اس کے دو بچے ہیں۔ آج پورے چار ماہ ہو گئے ہیں ہماری شادی کو۔ کاش میری شادی نہ ہوئی ہوتی اس سے۔ میں کسی کی فرسٹ چوائس ہوتی۔ پہلی محبت ہوتی۔ اس کے دل میں کسی کی محبت کا داغ ہے۔ اور یہی میرے دل کا داغ۔ پتہ نہیں کبھی زندگی میں اسے قبول بھی کر پاؤں گی۔ برتے ہوئے جذبات۔ عشق بلا خیز۔ وہ تو پلٹے یا نہیں مجھے تو اپنی فکر ہے کیا میرے دل میں کبھی اس کے لیے گنجائش نکلے گی۔ ہادی اور اپنے تعلق کے بارے میں وہ رات گئے سوچتی رہی جانے کب آنکھ لگی۔ وہ جو نیند کی دیوانی تھی شادی کے بعد اس قدر الجھی الجھی رہتی تھی کہ نیندیں جیسے ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ اور پرسکون نیند کے لیے اس کی

زندگی کا پرسکون ہونا ضروری نہیں تھا بلکہ خود اس کا ہمیشہ کی طرح لا پرواہ ہونا ضروری تھا کہ جب اماں یا کسی سے اس کے مسئلے چلتے تو وہ پرواہ نہیں کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے نیندیں بھی سلامت تھیں۔ اب تو وہ دن رات بس انہی باتوں کو دماغ پر سوار کیے رکھتی تھی۔ نیندیں تو اڑنی تھیں۔



زندگی اس طور نہیں گزر سکتی تھی نہ ہی صبح اس طور زندگی جینا چاہتی تھی۔ اس نے سنجیدگی سے آگے پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ مظفر آباد کی یونیورسٹیز کو سرچ کر کے ایک یونی میں ایڈمیشن کا فیصلہ لیا اس نے۔ اور زولوجی میں ایڈمیشن لے لیا۔ پھر اگلے دن جب ہادی ناشتہ کر کے ٹیبل سے اٹھنے لگا تو صبح نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اطلاع دی۔

”میں نے ماسٹرز میں ایڈمیشن لیا ہے۔“

وہ رکا اور پھر مڑ کر اسے دیکھا وہ چائے پیتے ہوئے اخبار کی طرف متوجہ تھی۔ ہادی نے لب بھینچ لیے۔ بلا کا ایٹی ٹیوڈ دکھاتی تھی وہ۔ اب بھی جیسے بتانا نہ چاہتی ہو پھر بھی اطلاع دے دی۔ خیر وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس سے اجازت لیتی یا اس سے پوچھتی۔ اس کا بتانا بھی غنیمت تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ ہادی نے بھی پلٹ کر نہ پوچھا کس سبجیکٹ میں کون سی یونیورسٹی میں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے ہونہر کرتے آگے بڑھ جاتے تھے۔ صبح کو اس کی ناراضگی محسوس ہوئی تھی لیکن لا پرواہ بنی بیٹھی رہی۔ وہ کون سا اس کا خیال رکھتا تھا کہ وہ اس کی ناراضگی کی پرواہ کرتی۔ ہوتا ہے ناراض تو ہوتا رہے۔ ہونہر..... وہ آرام سے ناشتہ کرتی رہی۔



یونیورسٹی میں اس کے حسن کے چرچے ہونے لگے جبکہ وہ ان باتوں سے بے نیاز تھی۔ اور اب تو بس تنگ آ گئی تھی۔ کلاس ختم ہونے کے بعد وہ باہر نکل رہی تھی کہ کچھ کلاس فیلوز بھی اس کے ساتھ آ گئیں۔

”یار صبح! تمہارے حسن کے چرچے تو عام ہونے لگے ہیں۔ مجھے ڈر ہے ایک دن یونی ڈین ہی اس کے حسن کا راز نہ پوچھنے آ جائیں۔“

سب ہنسنے لگ گئیں۔

”حالانکہ میں کوئی ایسی بھی قلو پطرہ نہیں ہوں۔ بس لوگ بھی عجیب ہی ہوتے ہیں کوئی پسند آجائے تو اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک۔“ صباح بے زاری سے بولی۔ وہ کینٹین کی طرف جا رہی تھیں۔

”کیسی لڑکی ہو، اس قدر تعریفیں ہو رہی ہیں بجائے خوش ہونے کے بے زار ہو رہی ہو۔“ سعدیہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

”اس قدر مبالغہ آرائی سے اور تو خوش ہو سکتی ہیں میں نہیں۔ ایک عام سی لڑکی ہوں خوا مخواہ پوری یونی میں مشہور کر دیا۔“

”دفع ہو جاؤ۔ خوا مخواہ کیوں۔ کیا پیاری نہیں ہو؟ لمبا قد، خوبصورت نقوش، دودھ ملائی جیسی سفید رنگت..... اور بڑی بات شاہانہ انداز تمہارے کسی کو بھی دیوانہ کر دیں۔“

”یہ کوئی ایسی بھی ناپید خوبیاں نہیں ہیں کہ مجھ میں ہونے پر اس کے ڈنگے بجائے جائیں۔“ وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

”ناشکری لڑکی۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ تم میں ایک عجیب سی کشش ہے۔ بندہ ایک بار غور سے دیکھ لے پھر نگاہ ہٹانا مشکل ہے۔ دل خود بخود تمہاری طرف کھینچتا ہے۔“

”تمہارا مطلب میرے اندر مقناطیس فٹ ہیں۔“ صباح نے اس کی بات کو مذاق میں اڑایا۔

”بی بی میرے نزدیک تو تم جس طرح کسی ملکہ کے انداز میں چلتی ہو، بات کرتی ہو۔ پھر اس قدر خوبصورت انداز میں بولتی ہو کہ بس دل میں سامنے لگتی ہو۔“

صبح نے ہانسیہ کی بات پر قہقہہ لگایا کہ وہ بولتے ہوئے رک گئی پھر ناراضگی سے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ صباح نے اس کے انداز کو دیکھا۔

”اچھا سوری۔ لیکن سچ میں یا یہ مبالغہ آرائی ہے میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں۔ اور رہی بات ملکہ کے جیسے انداز کی تو مجھے تو کبھی محسوس نہیں ہوا۔ لیکن تم کہہ رہی ہو تو بتا دوں کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی بے حد خوبصورتی کی وجہ سے مغرور ہوں حالانکہ نہیں ہوں۔ میں اگر عام سی شکل و صورت کی ہوتی تب بھی لوگوں کو مغرور

لگتی۔ میرے اندر کا شاہانہ پن میرے عورت ہونے کی وجہ سے ہے۔ حسین ہونے کی وجہ سے نہیں۔ میری اماں نے ہم بہنوں کو یہی سکھایا ہے کہ ظاہری حسن ڈھلنے والا ہوتا ہے باطنی نہیں۔ اور عورت ہونے کی وجہ سے خود کو کبھی کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ نہ کبھی اپنے وقار میں کمی آنے دو۔ خود اپنی عزت کو تبھی دوسرے کریں گے۔ میرے خیال سے عورت خدا کی ایک بہت خوبصورت تخلیق ہے۔ جس پر کسی بھی طور احساس کمتری نہیں چٹتا۔“ اس نے اپنے خیالات دوستوں تک پہنچائے۔

”واؤ بہت خوبصورت خیالات ہیں۔“



اب ایک نئی روٹین بن گئی تھی۔ وہ صبح جانے سے پہلے بچوں کے پاس جاتی پھر واپسی پر کچھ وقت ان کے ساتھ گزارتی۔ کچھ وقت نوٹس اسائنمنٹس میں گزر جاتا۔ لیکن بچے جو اس کے ہر وقت کے ساتھ کے عادی ہو گئے تھے ڈسٹرب ہونے لگے اور صبح کو ترس آتا کہ ماں کے وجود کے عادی بچوں کے پاس ماں نہیں رہی تھی اور جب اس کے عادی ہونے لگے تو وہ بھی کم وقت دینے لگی۔

احد تو ذرا بڑا تھا لیکن نور عین تو شروع سے ہی اس کے وجود کی عادی ہوئی تھی۔ اب ہر وقت رونا اس کا مشغلہ بن گیا تھا اور جب صبح اٹھاتی تو اس کے ساتھ چپک کے رونے کا ایک اور سیشن مکمل کرتی تھی۔ اور پھر اس میں اور احد میں بس یہی مقابلہ ہوتا کہ صبح اسے ہی اٹھا کہ بیٹھے۔ صبح اگر ان سے کھیل کے دوران کبھی نور عین کو پیار کر لیتی تو ذرا دور بیٹھا احد بھاگ کر اس تک پہنچتا اور اپنی گال آگے کر لیتا۔ پھر دوسری۔ صبح ان معصوم حرکتوں پر جی بھر کر ہنستی تھی۔ دونوں بچے اس کے لیے ایک دوسرے سے جیلس ہوتے تھے۔

ابھی بھی وہ ان کے کمرے میں تھی۔ احد کے بیڈ پر بیٹھی وہ نور عین کو اپنی ٹانگوں پر جھلا رہی تھی اور احد جو قریب ہی کھلونوں میں مگن تھا یہ نظارہ دیکھ کر رونے لگا۔ یعنی ناراضگی اور غصہ کا اظہار۔ اب مانوں گا ایسے کہ خود اٹھانے آؤ۔ صبح نے ہنستے ہوئے اپنے پاس بلایا لیکن وہ اور رونے لگا۔ اس سے پہلے کہ کونے میں کرسی پر بیٹھ کر یہ سب دیکھتی عاصمہ اٹھتی یا صبح اسے منانے کے لیے اٹھتی، ہادی کمرے میں داخل ہوا اور تیزی سے روتے ہوئے احد کو اٹھایا۔ وہ غصہ میں روتے ہوئے باپ کو مارنے لگا۔

”کیا مسئلہ ہو گیا ہے یار، کیوں اتنا منہ پھاڑ کے رو رہے ہو۔ اور خالوں کی طرح بابا کو مار رہے ہو۔“ وہ ہنستے ہوئے اس سے بولتا اسے اٹھائے بیڈ کی جانب آیا اور بالکل صبح کے قریب بیٹھا۔ کمرے میں بیٹھنے کو یا تو عاصمہ کی کرسی تھی یا یہ بیڈ۔ اور ہادی کو ”یقین“ تھا کہ اس کے بیٹھے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوگی۔ غصے سے یا شرم سے۔ صبح اس کے قریب بیٹھنے سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی اندھا تو نہیں کہ نظر نہ آئے۔ اور اس کے آنے پہ میں اپنی جگہ کیوں چھوڑ دوں۔ وہ یہ سوچ کر ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور نور عین کو ایک طرف کرتی ہادی کی گود میں موجود احد کی طرف متوجہ ہوئی اور اپنا بازو پھیلا کے اسے لینا چاہا۔ احد نے احتجاجاً منہ دوسری طرف کیا۔ صبح کو زور کی ہنسی آئی۔ جبکہ ہادی نے اس کے پر اعتماد انداز۔ ارے نہیں بلکہ تم کہاں ہو؟ کیا یہاں موجود ہو؟ اچھا مجھے نظر نہیں آرہے والے انداز کو حیرت اور کسی قدر غصہ سے ملاحظہ کیا۔ یعنی ایک مرد (شوہر) اس کے اتنے قریب بیٹھا ہے اور اسے پرواہ نہیں۔ ہاؤ انسلیٹنگ..... وہ اس کے اس قدر قریب بیٹھی تھی کہ..... اور نور عین کو جس بازو پر اٹھایا ہوا تھا وہ مڑ کر ہادی کو چھو رہی تھی۔

احد کی ناراضگی پر صبح اسے پیار کرنے کو اس کی طرف جھکی اور ہادی کا سانس رک سا گیا۔ اور صرف ہادی کا نہیں عاصمہ کا بھی وہ صدمے بھرے انداز میں یہ سب دیکھ رہی تھی۔ احد کو پیار کر کے اس نے احد کو وہاں سے اٹھا لیا اور اسے ہنستے ہوئے منارہی تھی۔ ہادی نے گردن موڑ کر اسے اور بچوں کو دیکھا۔ تم ہو۔ پھر بھی نہیں والا انداز تھا۔ اور اس کے بچے..... انہوں نے بھی اسے کچھ خاص لفٹ نہیں کرائی تھی۔ وہ ایک دم سے اٹھا اور بغیر کچھ کہے باہر کی جانب گیا۔ عاصمہ اس کے پیچھے گئی اور اسے پکارا۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے نزدیک پہنچتے ہی وہ شروع ہو گئی۔

”مجھے تو یقین نہیں آرہا تھا۔ آپ کی کزن تو بہت ادور ہے۔ آپ اس کے اتنے قریب تھے اور وہ.....“

ہادی جو ماتھے پر بل ڈالے اس کی بات سن رہا تھا بات سمجھ میں آتے ہی وہ دھاڑا۔

”شٹ اپ۔ اپنی حد میں رہو۔“

عاصمہ اس کا غصہ دیکھ کر تھوک نگلتے ہوئے منمنائی۔ ”میرا مطلب بچوں پہ برا اثر پڑتا ہے.....“

”وہ بیوی ہے میری۔“ ہادی کا غصہ ساتویں آسمان کو چھونے لگا۔ یعنی حد ہو گئی اب گھر کے نوکران کے

معاملات میں بولیں گے۔ اور عاصمہ کو اب کی بار لگنے والا صدمہ پہلے سے شدید تھا۔

”سگی.....؟“ اس کے منہ سے یہی نکل سکا۔ ہادی نے اس بار صرف گھورا اور عاصمہ کی سانسیں اٹکنے لگیں۔ ہادی تو جا چکا تھا لیکن عاصمہ کا تو غم سے برا حال تھا۔ وہ بھی اس گھر میں ہادی کے لیے ہی آئی تھی۔ اسے یہ پتہ تھا اس کی بیوی مر گئی ہے۔ اور اسے بھلا کیسے اندازہ ہوتا کہ ایک دوسرے کو لفٹ نہ کرانے والے اور الگ کمروں میں رہنے والے وہ میاں بیوی ہو سکتے ہیں۔ وہ تو اسے ہادی کی کزن سمجھتی رہی تھی کہ اسی وجہ سے بیگم صاحبہ کہا جاتا ہے۔ بھئی عاصمہ کا غم بہت بڑا تھا اسے ہم تم نہیں سمجھ سکتے تو پھر اس کا ذکر رہنے دیتے ہیں۔



وہ کچن کے اندر جاتے جاتے رک گئی۔ وجہ اندر سے آتی عاصمہ کی آواز اور اس کا ذکر تھا۔
”ویسے تمہاری بیگم صاحبہ کی اپنے شوہر سے کچھ خاص نہیں بنتی۔ رہتی تو الگ کمرے میں ہیں۔ کبھی بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔“
صبح کا منہ کھلا۔ یعنی اب یہ نوبت آ گئی تھی کہ اس کے اور اس کے شوہر کے تعلقات کو نوکریوں ڈسکس کرتے۔ وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرتی اندر داخل ہوئی۔ نصیبو جو عاصمہ کی بات کا جواب دینے ہی لگی تھی صبح کو دیکھ کر چپ کر گئی۔ عاصمہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ صبح نے مسکراہٹ سے جواب دیا اور ایک کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھی۔

”جی تو کیا چل رہا ہے آج کل؟“

”ہماری بیگم صاحبہ کتنی خوش اخلاق ہیں۔ دیکھو عاصمہ کی باتیں سن لی ہوں گی پھر بھی مسکرا کر اس سے بات کر رہی ہیں۔“ نصیبو تو اس کی گرویدہ تھی۔ شا کرہ نے اس کی سرگوشی پر ڈانٹنگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھی دونوں خواتین کو دیکھا۔

”بیگم صاحبہ راج کے سوہنی ہیں۔“ شا کرہ بھی اس پر ثار ہوئی۔ ادھر وہ عاصمہ سے حال چال پوچھ کر اصل موضوع کی طرف آئی۔

”عاصمہ! آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنے ماہ ہو چکے ہیں لیکن بچے ابھی تک آپ سے مانوس نہیں ہو

پائے۔“

”کیونکہ آپ ہر وقت بچوں کے پاس رہتی ہیں۔ صبح اٹھتے ہی آپ کو دیکھتے ہیں اور جب تک وہ سوتے نہیں آپ ان کے پاس رہتی ہیں پھر کب وہ مجھ سے مانوس ہوں گے؟“ وہ بے زاری سے بولی۔

”مس عاصمہ بتول! اگر آپ یہاں وہاں کے معاملات کو چھوڑ کر صرف اسی بات کی طرف توجہ کرتیں تو بچے آپ سے مانوس ہو چکے ہوتے۔ میرے بچے اتنے بھی بد اخلاق اور خریلے نہیں ہیں کہ کوئی مسلسل اینیشن دکھائے اور وہ اسے لفٹ نہ کرائیں۔“ صباح نے ٹھنڈا کر کے مارا۔ عاصمہ کی سمجھ نہیں آیا وہ اس پر کیا رد عمل دے۔ اس بے عزتی پر واک آؤٹ کرے یا کوئی جواب دے۔ اسے یاد آیا وہ صباح کو اس پر کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی کیونکہ صباح اس گھر کی مالکن تھی۔ آہ عاصمہ کا دکھ تازہ ہوا۔ شاکرہ اور نصیبو ایسی عزت افزائی پر ہنسی چھپاتے رخ موڑ گئیں۔ عاصمہ نے سخت بے بسی محسوس کی۔

”امید کرتی ہوں اب آپ مکمل توجہ سے وہ کام کریں گی جس کے لیے آپ کو پائینٹ کیا گیا ہے۔“ وہ مسکرا کر کرسی سے کھڑی ہوئی اور اٹھ کر اپنی آج کی ڈش کا مطلوبہ سامان نکالتے ہوئے کاؤنٹر پر رکھتی گئی۔ پھر رک کر مڑ کر دیکھا۔ عاصمہ اسے ہی دیکھ رہی تھی صباح اس کی نگاہوں کو پڑھ نہ سکی۔ لیکن دایاں ابرو اچکا کر اسے یوں دیکھا کہ ابھی تک یہیں بیٹھی ہو؟ عاصمہ گڑبڑا کر اٹھی۔

”میں بس بچوں کے پاس جا رہی تھی۔“ صباح نے سر ہلایا لیکن گردن نہ موڑی جب تک کہ عاصمہ اٹھ کر چلی نہ گئی۔

”اسٹریج۔ میری شادی کا مجھ سے زیادہ اسے صدمہ ہے۔“ وہ بڑبڑائی۔ پھر وہ مگن سی اپنا کام کرتی رہی۔ شاکرہ اور نصیبو کو پتہ تھا اب جتنی دیر وہ کچن میں کام کرتی رہے گی اس کا موڈ اچھا رہے گا۔

چند دن بعد کی بات تھی۔ ہادی رات کو پانی کا جگ لیے کچن میں میں آیا۔ کوئی زیادہ رات بھی نہ ہوئی تھی۔ بس نو بجے تھے ابھی۔ کچن سے کھٹ پٹ کے ساتھ گنگنانے کی آواز آرہی تھی وہ حیران ہوا۔ کون ہو سکتا ہے بھلا۔ اور جب اندر داخل ہوا تو سامنے پیٹھ موڑے صباح نظر آئی۔ کاؤنٹر پر کچھ سامان رکھا تھا۔ اس نے ایپرن باندھا ہوا تھا اور بال ڈھیلے سے جوڑے میں تھے جو گردن سے ڈھلکتا کندھوں تک آ رہا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے کوئی

کام کر رہی تھی اور ساتھ ہلتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ ہادی اس کو دیکھتا رہا کہ وہ اچانک مڑی اور ہادی کو خود کو تکتا پایا۔ پھر مڑ کر اپنے کام میں لگ گئی اور اسی طرح گنگنا تی رہی۔ ہادی ایک دم سے ہوش میں آیا۔

”اف کیا کر رہا تھا میں۔“ اس نے خود کو ڈپٹا۔ پھر ایک طرف لگے کولر سے پانی بھرنے لگا۔ جب غور کیا تو پتہ چلا صبح آج بھی اس کی موجودگی کو یوں فراموش کر چکی تھی جیسے اسے ہادی کے ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ ہادی کا منہ کڑوا ہوا۔ اس نے ہمیشہ لڑکیوں کو اجنبیوں کے درمیان کانٹھیں ہوتے دیکھا تھا لیکن یہ تو کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ اس نے ایک بار پھر اسی جانب دیکھا۔ شاید یک بنا نے کی تیاری ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے کام کر رہی تھی اور اسے خوشگوار حیرت ہوئی جب ایک برتن فارغ ہونے پر وہ اسے دھو کر واپس اس کی جگہ رکھ کر دوبارہ کام کرنے لگتی اور یہ سب وہ لمحوں میں کر رہی تھی۔ اس قدر صفائی، نفاست اور تیز رفتاری سے۔ وہ حقیقتاً متاثر ہوا۔ حالانکہ جگ کب کا بھر چکا تھا لیکن وہ وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ جبکہ صبح اس کی خود پر جچی نگاہوں کو مسلسل اگنور کیے جا رہی تھی۔

”شہرین کے ہاتھ میں ذائقہ تھا لیکن اسے کوئنگ کا شوق نہیں تھا۔ بس میرے بہت کہنے پر کبھی کچن میں آ جاتی تھی۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے دھیمے انداز میں بولا۔ صبح چند لمحوں کے لیے رک گئی۔ کیا وہ اسی سے مخاطب تھا؟ اس نے ہلکی سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اب وہ ہاتھ میں پکڑے جگ کو دیکھ رہا تھا۔

”آپ کے خیال سے میں اس گھر میں، آپ کے اور آپ کی سابقہ بیوی کے محبت نامہ سننے کے لیے آئی تھی۔“ ہادی نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور ایک دم سے اس کے انداز میں سختی آئی۔

”صبح فاروق! میں آپ کو اپنے محبت نامے نہیں سنارہا تھا۔ بس آپ کو کچن میں کام کرتے دیکھ کر مجھے شہرین یاد آئی۔“

صبح اپنے آنسو روکتی دوبارہ مڑ گئی اور اپنا کام کرنے لگی۔ ہادی ایک دم چپ ہوا۔ صبح کا انداز انسلٹنگ تھا۔ بولتے رہو میں تو نہیں سن رہی۔ وہ لب بھینچے کچن سے باہر آ گیا۔ صبح نے سسکی روکنے کو منہ پر ہاتھ رکھا اور پھر بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

”میں کیسے اس کے ساتھ رہوں گی۔ پتہ نہیں کن کن باتوں پر اسے شہرین یاد آئے گی اور پھر اس کے ساتھ

کے محبت بھرے قصے مجھے سنائے گا۔“ اس کی دلچسپی کام میں ختم ہو گئی۔ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور روتی رہی۔

ہادی لان میں چلا آیا۔ سختی سے لب بھینچے۔ چہرے پر تناؤ تھا۔ جب بھی صبح سے بات ہوتی ایسا ہی ہوتا تھا۔ کتنی دیر وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہتا اور آج ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا کہ وہ اس طرح سے بات کرتی۔ اسے غصہ آیا۔

ایک تو خواخواہ اس کی زندگی میں آ شامل ہوئی تھی اور پھر جب بات ہوتی مشکل بڑھادیتی۔ وہ واک کرتے ہوئے رکا۔ لان کی روش پر کوئی دکھائی دیا۔ شاید شا کرہ تھی۔ اس نے آواز دی۔ شا کرہ ہی تھی۔ وہ قریب آئی۔ ”صبح اس وقت کچن میں کیا کر رہی ہے؟“ اس نے شا کرہ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔ حالانکہ اس کی بیوی تھی اسے پتہ ہونا چاہیے تھا خیر۔

”وہ صاحب جی۔ بیگم صاحبہ تو روز کچھ نہ کچھ بناتی رہتی ہیں۔ صبح کا اپنا ناشتہ بھی خود بناتی ہیں اور شام کو بھی روز کھانا بناتی ہیں۔“

”تو مجھے بھی اسی کے ہاتھ کا بنا کھانا ملتا ہے؟“

شا کرہ کو اس سوال پر ہنسی آئی۔

”نہ صاحب جی۔ ناشتہ وہ صرف اپنا بناتی ہیں اور جو باقی چیزیں بناتی ہیں اپنا حصہ بچا کر باقی ہمیں دیتی ہیں۔ اکثر تو ایسی چیزیں بناتی ہیں جو ہم نے کبھی کھائی بھی نہیں ہیں۔ لیکن سچ میں ان کے ہاتھ میں بہت لذت ہے۔“

ہادی مزید اس کی تعریفیں نہیں سن سکتا تھا تو ہاتھ سے شا کرہ کو جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ سر ہلاتی چلی گئی۔ ”یعنی محترمہ کو کنگ کی شوقین ہیں اور تقریباً روز ہی اپنا شوق پورا کرتی ہیں۔ لیکن اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ شوہر کو بھی کبھی پوچھ لیں۔“ وہ مزید کڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔



اگلا دن معجزے بھرا تھا۔ کم از کم ہادی کو تو ایسا ہی لگا۔ جب ناشتے پر اسے صبح نے اپنے ہاتھ سے بنے

پراٹھے سرو کیے۔ ہادی شکریہ کہہ کر انکار کرنا چاہتا تھا لیکن وہ پراٹھے تھے ان کے لیے انکار کیسے کیا جاتا ہے اسے نہیں پتہ تھا۔ اس کے خیال میں شاید وہ رات والے برے رویے کی تلافی اتنے اچھے انداز میں کر رہی تھی۔ آہ کیا مزیدار اور خستہ پراٹھے تھے۔ اس کا موڈ خوشگوار ہوا۔ جبکہ صبح نے یہ نیکی اس لیے کی تھی کہ صبح کچن میں عاصمہ ہادی کے لیے ناشتہ بنانے آئی۔ پہلے تو صبح ہکا بکارہ گئی۔ یعنی اس کی اتنی ہمت۔

”آپ میرے شوہر کے لیے ناشتہ بنائیں گی؟ کیوں؟ ہم نے آپ کو شیف اپائنٹ نہیں کیا۔“ صبح اس قدر شاکڈ تھی کہ اسے سمجھ نہیں آیا وہ عاصمہ کی کن الفاظ میں مذمت کرے۔

”ایسے ہی میں نے سوچا کہ وہ روز نوکروں کے ہاتھ کا بنا کھاتے ہیں تو.....“ عاصمہ دلیری سے مسکرا کر بولی۔

”تو آپ بھی نوکر ہی ہیں بس نوکری کی نوعیت مختلف ہے۔“ صبح اس قدر سخت الفاظ استعمال نہیں کرتی تھی لیکن عاصمہ نے جیسے مجبور کر دیا تھا۔ عاصمہ کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔

”عاصمہ! دوبارہ میں آپ کو کچن میں نہ دیکھوں۔ آپ کے کھانے پینے کا سامان آپ کو مل جایا کرے گا۔ اور آخری بات، ہادی میرے شوہر ہیں۔ میرے شوہر سے سوفٹ کے فاصلے پر رہیں ورنہ نتائج آپ کی سوچ سے بھی زیادہ خطرناک ہوں گے۔“ وہ بمشکل ضبط کیے کھڑی تھی ورنہ دل چاہ رہا تھا ابھی عاصمہ کو ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کرے۔

یہ صبح کا وقت تھا۔ ابھی نصیبو اور شا کرہ نہیں آئی تھیں۔ صبح کاؤنٹر کو پکڑے کتنی دیر گہری سانسیں لیتی رہی۔ غصہ تھا کہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر اپنے ساتھ ہادی کا بھی ناشتہ بنایا جب نصیبو اور شا کرہ آئیں وہ فارغ ہو چکی تھی۔ عموماً وہ اس وقت تک اپنا ناشتہ بنا کر کھا رہی ہوتی تھی۔ پھر اس نے ان دونوں کو کھانا بنانے سے منع کر دیا۔

”اب آپ لوگ گھر کے دوسرے کام دیکھئے گا۔ کھانا پکانا آج سے میں خود کروں گی۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ روز تو صبح وہ مسکراتی ہوئی ملتی تھی آج انتہائی سنجیدہ۔ دونوں ہی اس کی سنجیدگی کو دیکھتے چپ چاپ باہر آ گئیں اور پھر ہادی کو سرو بھی اس نے خود کیا۔ ہادی گا ہے بے گاہے اس کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ وہ اپنے ناشتے کی طرف

متوجہ تھی۔ جب ہادی ناشتہ کر کے اٹھا تو اس کے جھکے سر کو دیکھا۔ آج وہ کچھ عجیب لگ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیا مسئلہ تھا۔ پوچھے یا نہ پوچھے۔ خیر رہنے دو۔

”ناشتے کے لیے شکریہ۔“ بس اتنا ہی کہا۔ صبح نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ ہادی نے کرسی ٹھیک کر کے رکھی اور وہاں سے چلا گیا۔

اور پھر ناشتہ ہی نہیں اب تو تینوں وقت کا کھانا صبح بنانے لگی تھی اور ماننے کی بات تھی اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ ہادی اس کے ہاتھ کے بنے لذیذ کھانوں کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔

ہادی گھر آیا تو سیدھا بچوں کے کمرے میں گیا۔ بچے تیار شیار لگ رہے تھے وہ حیران ہوا۔ عاصمہ سے پوچھا تو اس نے کہا صبح نے تیار کیا ہے۔ صبح بچوں کے کمرے میں نہیں تھی تو یقیناً کچن میں تھی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ ہادی چیخ کرنے کے لیے بیڈروم میں آ گیا۔ ابھی وہ نہا کر نکلا ہی تھا کہ دستک کے ساتھ دروازہ کھلا۔ حسب عادت صبح تھی۔ دستک کے بعد اجازت کا انتظار نہ کرنا۔ ہادی کو غصہ ہی آ گیا۔

”دستک کے بعد جواب کا بھی انتظار کر لیتے ہیں۔“

”آئی ایم سوسوری۔ مجھے خیال نہیں رہا۔“

صبح اور معذرت؟ ہادی نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ نیوی بلیو ساڑھی میں مکمل تیار۔ جیسے کسی فنکشن میں جانا ہو۔ خیر وہ عموماً بھی اچھے حلیئے میں ہوتی تھی لیکن آج تو الگ ہی ڈھنگ تھا اور اس کی مسکراہٹ۔ کتنا عجیب رہی تھی۔ ہادی خواہ مخواہ چڑا۔

”کہیں جانا ہے آپ نے؟“ ہادی نے سرد مہری سے پوچھا اور چند قدم چل کر اس تک آیا۔

”نہیں ایچو کلی۔“ وہ پھر سے اپنی خوبصورت مسکراہٹ کو چہرے پر لاتے ہوئے بولنے لگی۔

”نہیں۔ ہم۔“ اس کی بات سن کر دہرائی۔ ”اس کا مطلب آپ یہ خاص تیاری فرما کر میرے کمرے میں آئی ہیں۔“ اس کے قریب کھڑا اس کی خوبصورتی کو محسوس کرتا وہ مزید سرد ہوا۔ صبح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”مطلب تو بہت صاف ہے۔ مجھ سے دشمنی رکھ کر پہلے میرے بچوں کو قاتل کیا۔ پھر آہستہ آہستہ مجھ سے بھی

بننے لگی آپ کی۔ حد تو یہ ہے کہ میرے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بھی بنانے لگیں اور جب میں عادی ہونے لگا تو آپ بن ٹھن کر میرے کمرے میں چلی آئیں کہ اب سب ٹھیک جا رہا ہے۔ یہ آخری کارنامہ بھی سرانجام دے دینا چاہیے۔“

صبح پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ افسوس، غصہ، رنج۔ تینوں کیفیات ایک ساتھ اس کی آنکھوں میں ابھریں۔

”سمجھتے کیا ہیں آپ اپنے آپ کو۔ کہیں کے شہزادے ہیں؟ ہیں تو ہوں گے لیکن صبح فاروق کا معیار آپ سے بہت بلند ہے۔ میں نے زندگی میں کبھی سیکنڈ ہینڈ چیز استعمال نہیں کی اور سیکنڈ ہینڈ شوہر کو پھنساؤں گی؟ مجھے خالص اور کھری چیزیں اور لوگ پسند ہیں۔ آپ تو کبھی میری پسند کے معیار پر اترے ہی نہیں۔ میں اتنی گئی گزری نہیں ہوں کہ دو بچوں کے باپ کو متاثر کرنے کی کوشش کروں گی اور اس کے لیے یہ.....“ اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کے لیے یہ تیاری کروں گی۔ یہ تیاری میں نے صرف اپنے لیے کی تھی کیونکہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ اپنی گھٹیا سوچ کو اپنے تک رکھیں دوبارہ مجھ سے یہ بکواس کرنے کی ہمت بھی مت کیجئے گا ورنہ منہ توڑ دوں گی آپ کا۔“ انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتی وہ ہلٹی اور دروازے کے قریب جا کر رکی اور وہاں رکھی ٹیبل پر رکھا گلدان اٹھا کر زور سے ہاتھ مار کر گرا دیا۔ کانچ ٹوٹنے کی آواز گونجی تھی۔ کئی ٹکڑے ہادی کے پاس گرے تھے۔ پھر وہ چلی گئی اور ہادی اس کے رد عمل پر دنگ رہ گیا۔ اپنے پاس بکھرے ٹکڑوں کو اس نے جھک کر احتیاط سے ایک طرف کیا۔ اس کا غصہ دیکھ کر تو ہادی کا غصہ ختم ہو چکا تھا۔ چند ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے اس نے اس کام کو ترک کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر سلپرز پہن کر کمرے سے باہر آ گیا۔

”شاکرہ۔“ اس نے آواز لگائی۔ تبھی کچن سے شاکرہ اور صبح ایک ساتھ برآمد ہوئے۔ صبح اسے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شاکرہ اس تک آئی۔

”جی صاحب جی۔“

”میرے کمرے میں ایک گلدان ٹوٹا ہے، صاف کرلو۔“ وہ اسے ہدایت دیتا کچن کی طرف گیا۔ نصیبو ٹیبل سمیٹ رہی تھی۔

”کھانا نکال دو۔“ وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھا۔ ٹیبل صرف ایک طرف سے صاف ہوئی تھی۔ درمیان میں ایک رکھا تھا۔ جس پر 21 والے ہند سے کی دو موم بتیاں لگی تھیں۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ نصیبو نے اس کی نظروں کا ارتکا محسوس کیا۔

”آج بیگم صاحبہ کی سالگرہ تھی۔ صبح سے بہت خوش تھیں اتنا کچھ بنایا۔ اور اب آکے کہا سب سمیٹ لو۔“ نصیبو دکھی تھی کیونکہ اس سالگرہ میں وہ بھی انوائٹڈ تھی۔

”نصیبو باجی! میں نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا۔ افسوس بعد میں کر لیجیے گا پہلے مجھے کھانا دے دیں۔“ اس پر بھی یقیناً صبح کا اثر ہو گیا تھا ورنہ وہ اس طرح طنز نہیں کرتا تھا۔ ہادی کو احساس ہوا تو گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ اف۔ اف۔ صبح فاروق..... اف۔

صبح جو اسے تو اچھی خاصی سنا آئی تھی لیکن کمرے میں آکر جیسے ضبط کھو بیٹھی۔ رات گئے ہچکیوں سے روتی رہی۔ دکھ تھا کہ کم نہیں ہو رہا تھا اور خود پر غصہ آئے جا رہا تھا کیوں اس نے سب کیا۔ بچوں کا خیال کرنے سے لے کر ہادی کے لیے نرم گوشہ رکھنے پر۔ ہر طرف اسے اپنی غلطی نظر آرہی تھی۔ آخر ہادی اس کے متعلق ایسی باتیں کیسے سوچ سکتا تھا۔ میری ہی غلطی ہے مجھے پہلے دن اس رشتے کو ختم کر دینا چاہیے تھا۔ ملائیں تھیں کہ ختم نہیں ہو رہی تھیں۔



اگلے تین دنوں میں صبح مکمل طور پر گھر سے لاتعلقی ہو گئی تھی۔ نہ بچوں کے پاس گئی اور بچن میں بھی صرف اپنے کھانے کے لیے جاتی۔ ہادی جانے اور اس کا گھر جانے۔ اماں سے ناراضگی شدید نوعیت کی نہ ہوتی تو وہ اب تک وہاں جا چکی ہوتی لیکن اب وہاں بھی نہیں جاسکتی تھی اور پھر اس کی پڑھائی بھی چل رہی تھی۔ اسے ادھورا کیسے چھوڑ دیتی اور وہاں بچے اسے بہت مس کر رہے تھے۔ ایک دو بار نصیبو اور شا کرہ بلانے آئی تھیں اس نے پڑھائی کا کہہ کر انہیں بھیج دیا کہ اس کے پیپر شروع ہونے والے ہیں وہ بہت مصروف ہے بچوں کو عاصمہ یا ان دونوں میں سے کوئی سنبھال لے اور دوبارہ گھر کے کسی معاملے کے لیے اس سے رجوع نہ کیا جائے۔ وہ دونوں اس کے لہجے کی سختی پر حیران رہ گئیں۔ پھر دوبارہ اس کے پاس کوئی نہیں آیا۔ کل اس کا پیپر تھا اور وہ اپنے کمرے

میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھول کر نصیبو آئی۔

”وہ جی بیگم صاحبہ! نور عین کو بہت تیز بخار ہے اور وہ مسلسل روئے جا رہی ہے۔ کسی سے چپ نہیں ہو رہی۔“

وہ نوٹس پھینکتی تیزی سے اٹھی۔

”ڈاکٹر کو دکھایا؟“ وہ تیز قدموں سے چلتی ان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

”جی لیکن کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ احد کو بھی دودن سے بخار ہے۔“

”تو میں مر گئی تھی؟ مجھے کسی نے کیوں نہیں بتایا۔“ اس نے نصیبو پر غصہ کیا۔

”وہ جی آپ نے خود تو منع کیا تھا کہ.....“

”بس ٹھیک ہے۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ نور عین کو عاصمہ نے اٹھایا ہوا تھا اور احد

کو ہادی نے۔ ہادی نے اسے دیکھا، بہت پریشان لگ رہی تھی۔ وہ نور عین کے پاس گئی۔ دودن میں رنگت کملا کر رہ گئی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ فوراً ہاتھ بڑھا کر اسے عاصمہ سے لیا۔

”اللہ! کتنا وزن کم ہو گیا میرے بچے کا۔“ اس نے نور کو خود سے لگایا۔ نور عین نے آنکھیں کھول کر اسے

دیکھا اور پھر رونے لگی۔

”ارے نہ نہ۔ میں آگئی ہوں نا میری جان۔“ وہ اسے پچکارنے لگی اور اسے اٹھائے احد کے پاس

آئی۔ ہادی سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایک ہاتھ احد کے ماتھے پر رکھ رہی تھی۔

”کتنا ٹائم پہلے دوا دی؟“ مڑ کر نصیبو کو مخاطب کیا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے۔“

”ٹھیک ہے۔ آدھے گھنٹے تک دیکھتی ہوں بخار اتر اٹھیک ورنہ کوئی اور دوا۔“ احد غنودگی میں تھا۔ اس کی

آواز سن کر آنکھیں کھولیں۔

”مما!“ بہت ہولے سے بولا۔ صبح قریب ہی کھڑی تھی۔ فوراً رخ موڑ کر احد کو دیکھا۔

”کیسا ہے میرا شیر.....“ دائیں بازو میں نور عین کو سنبھالا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ احد کے چہرے پر رکھا۔

”مما! اٹھاؤ۔“ فقاہت زدہ آواز میں کہتے دونوں بازو اس کی جانب پھیلائے۔

”ابھی اٹھاتی ہوں میری جان۔“ نور عین کو عاصمہ کو پکڑا یا اور ہادی سے اُحد کو لیا۔ اس دوران ہادی خاموش تماشائی تھا۔ ہادی نے اکڑی ہوئی بازو کو سیدھا کیا۔ کب سے اُحد کو اٹھایا ہوا تھا۔ صبح کے آتے ایسے لپک کر اس کے پاس گیا تھا جیسے صدیوں بعد اسے دیکھا ہو۔ اس کے بچے صبح کے اتنے دیوانے کیوں تھے؟ وہ سوچ رہا تھا اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ پونی ٹیل میں بندھے لمبے بال۔ کندھے کے ایک طرف دوپٹہ جو پیچھے سے زمین تک آرہا تھا۔ وہ بچوں کا سن کر نگے پیر بھاگتی آئی تھی۔ ہادی کو محسوس نہ ہو سکا کہ وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اُحد کو بازوؤں میں لیے اسے جھلا رہی تھی۔

”بیگم صاحبہ! میں جاؤں؟“ تھکی ہوئی نصیبو نے اجازت چاہی۔

”آپ دونوں جائیں۔ اب میں آگئی ہوں۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

”عاصمہ! نور عین کو میرے کمرے میں لے چلیں۔“ اب تک نور عین چپ تھی۔ ہادی کو یکسر نظر انداز کرتی وہ اُحد کو لیے اپنے کمرے میں آگئی۔ عاصمہ بھی اس کے پیچھے تھی اور ہادی بھی بن بلائے آگیا۔ صبح نے نظر انداز کیا۔ عاصمہ، نور عین کو اٹھائے بیڈ سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی۔ صبح اُحد کو اٹھائے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ہادی نے نور عین کو عاصمہ سے لیا۔

”آپ جائیں۔“ عاصمہ نے صبح کو دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر اُحد پر جھکی۔ یعنی نور سپانس۔

”اوکے۔ بچوں کا خیال رکھیے گا۔“ اس کی بات سن کر صبح کے اندر غصے کی لہر اٹھی۔

”مس عاصمہ! اگر آپ بچوں کا خیال کرتیں تو یہ اس حالت میں نہ ہوتے۔ اور اب آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے بچے ہیں میں ہی ان کا خیال کر سکتی ہوں۔ افسوس میں نے اس معاملے میں آپ پر بھروسہ کیا۔“ وہ بولی نہیں پھنکاری تھی۔

”میں نے تو ہمیشہ بچوں کا بہت خیال کیا۔“ عاصمہ ہادی کے سامنے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”مس عاصمہ! آپ جائیں۔“ ہادی نے سنجیدگی سے بات دہرائی۔ عاصمہ آنکھوں میں آنسوؤں کو جھپکاتی آنکھوں سے ہادی کو دیکھنے لگی۔ صبح نے تنفر سے رخ پھیرا۔

”ہونہ خیال رکھنا۔ میرے بچوں کے معاملے میں مجھے ”یہ“ تلقین کریں گی۔“ ہادی کے ماتھے کی رگیں ابھرنے لگیں۔ پھر عاصمہ وہاں سے چلی گئی۔ ہادی نورعین کو اٹھائے بیڈ کی دوسری جانب آ بیٹھا۔ صبح نے اپنے نوٹس کھسکا کر اپنے آگے کیے۔ دونوں بچے اب پرسکون تھے۔ صبح نے احد کا بخار چیک کیا۔ اتر چکا تھا اور تھوڑی دیر بعد احد پرسکون ہو کے نیند کی وادی میں اتر گیا۔ صبح نے احتیاط سے اسے اپنے بائیں جانب لٹایا اور کمفر ٹر ڈالا۔ ہادی اس کے سامنے نورعین کو لیے بیٹھا تھا۔ صبح نے ایک نظر ان پر ڈال کر اپنے نوٹس کو ٹھیک کیا۔ کل اس کا پہلا پیپر تھا۔ وہ ہلکی سی جھک کر پڑھنے لگی۔ پھر وقتاً فوقتاً احد کا بخار بھی چیک کر لیتی اور نورعین پر بھی نظر ڈال لیتی۔ ایک گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ نورعین ہلکی ہلکی کاہنے لگی۔ ہادی نے پریشانی سے اسے چھوا۔ ”تھوڑی دیر پہلے تک ٹھیک تھی اب ایک دم سے اتنا تیز بخار۔“ وہ پریشانی سے بڑبڑایا۔ صبح نوٹس کو ایک طرف کرتی اس تک آئی اور نورعین کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں آرہی ہوں۔“ وہ بھاگ کر بچوں کے کمرے سے دوائیاں لے آئی۔ جب تک نورعین اٹھ کر رونا شروع کر چکی تھی۔ پھر صبح نے نورعین کو اٹھائے رکھا۔ دوائی نے دھیرے دھیرے اثر کرنا شروع کیا تھا۔ تب تک صبح اسے بازوؤں میں اٹھائے کمرے میں یہاں سے وہاں ٹہلتی رہی۔ وہ ذرا بھی رکتی نورعین رونا شروع کر دیتی اس لیے وہ مسلسل ٹہلتی رہی۔ ہادی احد کے پاس بیٹھا تھا۔ صبح نے اپنے نوٹس کو ڈرینگ ٹیبل کے آئینے میں ایک سائیڈ سے پھنسیا۔ وہ پھر ٹہلتے ہوئے پڑھتی بھی رہی۔ ہادی کو ترس آیا۔

”مجھے دوا سے۔ تم آرام سے پڑھ لو۔“ یہ اتنے دن بعد پہلی گفتگو تھی اور صبح آپ نہیں تم ہو گئی تھی اس کے لیے۔ صبح نے بنا کچھ کہے نورعین کو اس کی طرف بڑھایا۔ نورعین نے حلق پھاڑ کے رونا شروع کر دیا۔

”نہیں نہیں میں نے اٹھایا ہوا ہے۔“ صبح نے اسے خود سے لگا کے تسلی دی لیکن کون ہوتا جو چپ کرتا۔

”اب شور سے احد نہ اٹھ جائے۔“

ہادی احد کے پاس گیا۔ بہت دیر بعد نورعین پرسکون ہوئی۔ شکر تھا کہ احد سوتا رہا۔ جب نورعین سوئی تو تھکی تھکی صبح اسے بیڈ پر لٹانے آئی اور اس آفت کی پرکالہ کو دو منٹ میں پتہ چل گیا کہ وہ اب اماں کی گود میں نہیں ہے۔ ایک زوردار صدا بلند کی اس نے۔ صبح جو اسے لٹا کر کرسی کے ساتھ ٹیک لگائے کمر کو سیدھا کر رہی تھی،

لپک کر اس تک آئی۔ کہیں احد نہ اٹھ جائے۔ ہادی جس کی ابھی ہی آنکھ لگی تھی ہڑبڑا کر اٹھا تھا لیکن تب تک صبح نے اسے اٹھا کر پھر سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ ہادی اس کی تھکی ہوئی شکل کو دیکھ کر رہ گیا۔ وہ پھر سے نور عین کو پچھارتی ہوئی اس سے بول رہی تھی۔ ہادی ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ سامنے موجود عورت کے لیے اس کے دل میں جذبے پنپنے لگے تھے۔ پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگی تھی۔ صبح دونوں بچے اس کے پہلو میں تھے اور وہ آئینے کے سامنے بال باندھ رہی تھی۔ پتہ نہیں سوئی بھی تھی کہ نہیں۔ ہادی نے اٹھ کر دونوں بچوں کا بخار چیک کیا۔ دونوں ٹھیک تھے۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔

”رات کتنے بجے سوئی تھی؟“ اس نے صبح سے پوچھا۔ صبح ان سنا کیے اپنا کام کرتی رہی۔ پھر وہاں سے ہٹ کر بیڈ کے ایک جانب رکھا اپنا دوپٹہ اٹھا کے اوڑھا۔ ہادی نے لب بھینچ لیے۔

”صبح.....“ اس نے پھر پکارا۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہادی نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”اس قدر شدید رد عمل۔ پتہ نہیں کبھی ہم نارمل بھی ہو سکیں گے۔“



وہ پیپر دے کر باہر نکلی تو پارکنگ میں اس کی گاڑی آچکی تھی۔ دوستوں کے ساتھ پیپر کو ڈسکس کرتے وہ پارکنگ میں اپنی گاڑی کو دیکھ چکی تھی لیکن قریب آنے پر پتہ چلا کہ ڈرائیور کی بجائے ہادی تھا۔ اسے جھٹکا لگا وہ ایک دم سے رک گئی۔

”کیا ہوا؟“ اس کے ایک دم رکنے پر سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ سنبھلی۔ ہادی اسے دیکھ کر نیچے اتر ا۔ احد کو بھی اٹھا رکھا تھا۔

”ارے یہ تمہاری گاڑی سے کون اتر ا؟“

”میرا شوہر۔“

”کیا؟“ سب ایک ساتھ چیخیں۔ صبح نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔

”کون سی مصیبت آگئی؟“ ناگواری سے پوچھا۔

”ہادی ارتضیٰ تمہارا شوہر ہے؟“

صبح کو اس کا پورا نام آج معلوم ہوا تھا۔

”جی اور دو بچے بھی ہیں۔“ وہ ان کے صدمے پر بے زار ہوئی۔ ”ایک تو آدھا شہر اس آدمی کا عاشق ہے۔

پتہ نہیں کیوں۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

”تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم شادی شدہ ہو؟ اور ”ہادی ارتضیٰ“ تمہارا شوہر ہے؟ اور تمہارے دو بچے بھی

ہیں؟“

”بہن! جب اس سے ایسا عشق تھا تو اس کی پوری معلومات بھی رکھتیں۔“ اس کی بے زاری بڑھی۔ یہ ہر

دوسری لڑکی اس کی عاشق ہی کیوں نکلتی تھی۔ سب باری باری اپنے غم کا اظہار کر رہی تھیں۔ اتنے میں وہ لوگ

ہادی کے قریب جا پہنچیں۔ احد ماما کہہ کر اس کی جانب لپکا۔

”آؤ میری جان۔“ اس نے احد کو پیار کیا۔

”ہمارا تعارف تو کراؤ۔“ سعد یہ اس کے کان میں گھسی۔

”یہ میری دوستیں ہیں۔“ اس نے ہادی کو دیکھ کر ان کا تعارف کرایا۔ ہادی نے مسکرا کر سب کو مشترکہ سلام کیا

اور اس کی دوستوں نے اتنے مختصر تعارف پر اسے گھورا لیکن اس نے پرواہ نہیں کی۔ ہادی کے بارعب اور سنجیدہ

چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

”نور عین؟“ صباح نے سوالیہ پوچھا۔

”پچھے مس عاصمہ کے پاس ہے۔“ وہ سب ہادی سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ صرف صباح کے لیے اتنی

مروت دکھا رہا تھا کہ اس کی دوستیں تھیں۔ ورنہ وہ لڑکیوں میں بہت مغرور مشہور تھا۔ صباح نے پچھلا دروازہ کھول

کر نور عین کو اس سے لیا اور احد کو گاڑی میں بٹھایا۔

”ماما! اسے نہیں مجھے اٹھاؤ۔“ احد نے منہ بسورا۔ وہ ہنسی۔

”ابھی آرہی ہوں۔“ پھر نور عین کو دوستوں کے پاس لے گئی اور اس کی دوستیں..... وہ ٹلنے کا نام نہیں لے

رہی تھیں۔ پندرہ منٹ ہو رہے تھے اور ہادی مروت کر کے پچھتا رہا تھا۔ پھر صباح نے ہی ان سب کو ٹالا۔ دل تو

چاہا پیچھے بیٹھ جائے لیکن دوستوں کی وجہ سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گاڑی چل پڑی تھی۔ پیچھے سے احد اس کے پاس آنے کی ضد کرنے لگا اور اب نور عین بھی اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ صبح کو سب سے زیادہ ہنسی اسی وقت آتی تھی جب وہ دونوں مقابلے پر آ جاتے تھے۔ وہ ان حرکتوں سے زچ نہیں ہوتی تھی بلکہ انجوائے کرتی تھی لیکن وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر دونوں کو کیسے اٹھاتی۔ ہادی احد کو باتوں میں لگانے لگا لیکن وہ اٹھ کر صبح کی سیٹ سے سامنے آنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میم آپ پیچھے آ جائیں۔ دونوں بچے وہاں کیسے بیٹھیں گے۔ میں آگے آ جاتی ہوں۔“ عاصمہ بتول نے میٹھے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

”آؤ میرے شیر آگے آ جاؤ۔“ اس نے رخ موڑ کر احد کو پکڑ کر اپنی گود میں بٹھایا۔ عاصمہ بتول اس نظر اندازی پر اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔ ہادی کو جانے کیوں ہنسی آ گئی تھی۔ وہ صرف اسے نہیں ان سب کو نظر انداز کرتی تھی جن پر غصہ ہوتا اور اس کا دوسرا پہلو ہادی کے حوالے سے اس کا پوزیو ہونا تھا اگر جو کوئی غور کرتا۔ لیکن ہادی کا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔



ہادی، صبح کے تیور دیکھ رہا تھا۔ وہ صرف بچوں کے ساتھ ٹھیک ہوئی تھی۔ پہلے اسے لگتا تھا کہ وہ اس سے شکوے رکھتی ہے اور دل میں بے حد غصہ۔ لیکن اس دن کی باتوں کے بعد صبح کے انداز میں سرد مہری اور کبھی لگتا کہ نفرت کرنے لگی ہے۔ وہ اپنی باتوں پر اس کی بچوں سے محبت دیکھ کر شرمندہ ہوا تھا۔ سخت شرمندہ۔ اور اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا لیکن سوچ بچار میں تھا معافی مانگنے کے نہیں۔

صبح اس کے لیے کھانا بنانا ترک کر چکی تھی۔ اور وہ..... وہ پاگل نہیں تھا کہ اتنے اعلیٰ کھانے کھا کر پھر ملازموں سے کہتا کہ اس کے لیے کھانا بنائیں۔ بلاشبہ وہ اعلیٰ کھانے بناتی تھی تو ہادی نے اس کا حل یہ نکالا تھا کہ وہ ناشتہ آفس کرتا اور شام کو فریج کھول کر وقتاً فوقتاً چیک کرتا رہتا کہ صبح بنا کے بہت سا ملازموں کو دے دیتی تھی تو وہ اس کے ملازموں کو دینے سے پہلے ہی فریج سے اپنا حصہ نکال لیتا۔ ایسے تو پھر ایسے سہی۔ ٹھیک ہے وہ اس کی زندگی میں زبردستی آئی تھی وہ اس سے محبت بھی نہیں کرتا تھا لیکن وہ کبخت کھانا بہت اچھا بناتی تھی۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ وہ آج صبح سے بات کرنے کے ارادے سے اسے ڈھونڈنے نکلا۔ وہ پچھلے لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی نظر آئی۔ دیوار سے سر نکائے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو سیڑھی کی سطح پر یوں حرکت دے رہی تھی جیسے پیانو بجا رہی ہو۔ ہادی آہستہ قدموں سے چلتا اس کے قریب ہوتا گیا۔ صبح نے قدموں کی چاپ پر گردن موڑ کر دیکھا۔ پھر ہادی کو دیکھ کر دوبارہ اسی زاویے میں چلی گئی۔ وہ شاید اس دنیا کی واحد لڑکی تھی جو ہادی ارتضیٰ کو دیکھ کسی بھی قسم کا رد عمل نہیں دیتی تھی۔ اسے دیکھ کر نہ شرماتی گھبراتی تھی اور نہ منہ بنا کر فضول قسم کا ایٹی ٹیوڈ دکھاتی تھی۔ نارمل..... اور یہی چیز ہادی بہت محسوس کرتا تھا۔ وہ اس سے ایک سیڑھی نیچے جا کر بیٹھا۔ حسب عادت وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔

”صبح مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

وہ اسی طرح پیانو بجاتی رہی۔ ہادی نے چند لمحوں کے لیے جواب کا انتظار کیا۔ پھر اندازہ ہو گیا جواب نہیں دے گی۔

”میں تم سے اس دن کے لیے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے غلط باتیں کہیں تھیں۔“ اس نے وقفہ دیا اور اس کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں۔ اب بھی نور سپانس۔ وہ اندر ہی اندر جھنجھلا کر رہ گیا۔ یعنی حد ہے۔

”جب ہماری شادی ہوئی تھی میرا خیال ہے مجھے تب تم سے بات کر لینی چاہئے تھی۔ تم سے شادی میرے لیے بہت غیر متوقع تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کچھ بھی۔ اماں اور آپنی نے سب طے کر کے مجھے بلایا تھا۔ میں نے آپنی سے کہا تھا کہ آپ لوگوں کو سب بتا دیا جائے اور شادی کے بعد تمہارے رد عمل سے پتہ چلا کہ آپنی نے نہیں بتایا تھا۔ میری شہرین سے لومیرج تھی۔ اس کی اور میری فیملی کی پرانی دشمنی کی وجہ سے گھر والے شادی کے لیے نہیں مانے تو ہم نے کورٹ میرج کی تھی۔ نصیب کی بات کہ شہرین اب نہیں رہی۔ میرے لیے یہ بہت تکلیف دہ حقیقت ہے کہ وہ نہیں رہی۔ بعض اوقات یقین نہیں ہوتا کہ وہ میرے ساتھ نہیں رہی۔ حالانکہ صرف دو سال کا ساتھ رہا۔ ایسے لگتا ہے جیسے زندگی جی لی ہو اس کے ساتھ۔“ وہ اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا چکا تھا۔ اسے خدشہ ہوا تھا کہیں وہ اسے ٹوک نہ دے اس دن بھی شہرین کا ذکر سن کر طعنے کا تیر دے مارا تھا لیکن وہ آج خاموشی سے سنتی رہی۔ ہادی نے غنیمت جانا۔ اور پھر سے بولنا شروع ہوا۔

”یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں وہ محبت شاید کبھی نہ دے پاؤں۔ لیکن میں اس رشتے سے جڑے اپنے تمام فرائض پورے کروں گا۔ پھر بھی مجھے کچھ مہلت چاہئے اس رشتے کے لیے۔“ وہ مہذب الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر چکا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ یہ سن کر بہت نہیں روئی تب بھی آنکھیں بھرا جائیں گی اور تھوڑے سے شکوؤں کے بعد کہے گی میں آپ کا انتظار کروں گی یا اپنی محبت اور خدمت سے آپ کا دل جیت لوں گی یا پھر میری محبت شہرین کے عکس کو دھندلا دے گی۔ ان چند لمحوں میں وہ اس کے متوقع جوابات سوچ چکا تھا۔ ان میں سے وہ کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔

”بس۔ یا کچھ اور بھی کہنا ہے؟“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ہادی نے ابرو اچکایا۔

”جی بس اتنا ہی۔“

”مجھے لگتا ہے آپ اپنے بارے میں بہت سی خوش فہمیوں کا شکار ہیں اور میرے بارے میں غلط فہمیوں کا۔ یہ آپ کی خوش فہمی ہے کہ میں اس گھر میں آپ کی وجہ سے رکی ہوئی ہوں اور اس انتظار میں کہ آپ مجھ سے محبت کریں گے۔ لائیک سریسلی؟ میں اسی دن یہ گھر چھوڑ کر چلی جاتی جس دن مجھے یہ سب پتہ چلا تھا لیکن میں کسی اور وجہ سے نہ جاسکی۔ اور بچوں سے محبت بھی آپ کی وجہ سے نہیں کرتی۔ اس گھر میں رکنے کی صرف دو وجوہات رہی ہیں اور یقین کریں وہ وجہ آپ کبھی نہیں تھے۔ اور آپ نے کہا کہ آپ مجھ سے محبت نہ کر پائیں میرے لیے مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میرے لیے مسئلہ یہ ہے کہ میں کبھی آپ سے محبت کر پاؤں گی؟ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کے شوہر کسی اور سے محبت کرتے ہوں اور وہ پھر بھی شوہر کی عاشق رہیں۔ بھلے دل ہی دل میں روتی ہوں۔ میں.....“ وہ رکی اور اپنی جانب اشارہ کیا۔ ”صبح فاروق ہوں۔ میں صرف اپنی عزت نہیں کرتی خود سے محبت بھی کرتی ہوں۔ میں نے اپنے لیے ایک معیار سیٹ کیا ہے اور اس سے کم پر راضی نہیں ہوتی۔ میں میاں بیوی کے رشتے میں برابری کی قائل ہوں۔ میں ایسے رشتوں کی قائل نہیں ہوں جس میں ایک فریق پر حد سے زیادہ بوجھ لاد دیا جائے اور دوسرا آرام سے رہے۔ اگر آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے تو یقین کریں میں تو آپ کے لیے عزت تک محسوس نہیں کرتی محبت بہت دور کی بات ہے۔“

ہادی کے ماتھے کی رگیں ابھر آئیں۔ ہلکی سی ہوا چلنے سے بوگن ویلیا کے پھول صبح پر گرنے لگے۔

”اور پتہ ہے میں آپ کی عزت کیوں نہیں کرتی؟ کیونکہ آپ نے جس عورت سے محبت کی اس سے شادی کو گناہ کی طرح چھپایا۔ مرد کو اتنا بہادر ہونا چاہیے کہ وہ جس عورت سے محبت کرے اسے بھرپور عزت کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرے ورنہ وہ محبت جیسے کارنامے سے باز رہے۔ اور جہاں تک رہی آپ کے اور میرے رشتے کے شروعات کی، میں نے اگر کبھی آپ سے تعلق جوڑا تو اس کی وجہ طلب اور ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ صرف محبت ہوگی۔ میں اتنی گئی گزری نہیں ہوں کہ میرا شوہر نظریہ ضرورت اور طلب کی بنیاد پر جب ”وہ“ چاہے تو مجھ سے تعلق جوڑے ورنہ اس کے لیے سابقہ محبت کافی ہے۔

لیکن نہ تو آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور نہ ہی میرا کوئی ارادہ ہے تو ہمارا تعلق تو ناممکن ہے۔ لیکن آپ کو نظریہ ضرورت و طلب کی خواہش ہو تو ایک اور شادی کر لیجیے گا۔ کیونکہ میں ابنارمل شادیوں پر یقین نہیں رکھتی۔ باقی اس گھر میں میری موجودگی جب آپ ناپسند کرنے لگیں اطلاع کر دیجیے گا۔ میں چلی جاؤں گی۔ فی الحال میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ وہ بات مکمل کر کے سابقہ پوزیشن میں چلی گئی اور ہادی بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ صاف اور دو ٹوک انداز میں اس کی طبیعت صاف کر گئی تھی۔ ہادی نے کب دیکھی تھیں ایسی لڑکیاں۔ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو چپکے چپکے اس پہ مرنے نہ ہوتی تو اس کی ان باتوں پر کوئی امید ہی باندھ لیتی لیکن وہ صباح فاروق تھی جو اپنی عزت کرتی تھی اور اس سے کم پر کسی طور راضی نہ ہوتی۔ ہادی نے سختی سے لب بھینچے ہوئے تھے۔

”ایک شخص جو خاندان سے جڑا ہو اس کی کتنی مجبوریاں ہو سکتی ہیں آپ کو اندازہ ہی نہیں۔“ وہ ایک بار پھر سے آپ پر لوٹ آیا۔

”وہ شخص محبت کرنے سے پہلے یتیم تھا اور جب محبت کو شادی میں بدلنے کا وقت آیا تو اس کا خاندان آگیا۔ واڈواٹ آسٹوری۔“ اس کے تحقیق بھرے انداز پر ہادی کھول کر رہ گیا۔

”آپ جیسی خاتون جو اپنی ہی محبت میں مبتلا ہو وہ محبت کو کیا سمجھے۔“

”ٹھیک۔ یعنی آپ کی زندگی میں آنے سے پہلے میں کسی اور سے محبت کرتی ہوتی۔ اور یہاں آپ کے گھر میں بیٹھ کر اسے یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتی۔ آپ کے خیال میں، میں تب محبت کو سمجھتی۔“

ہادی کو اپنے اندر آگ سی محسوس ہوئی۔

”میں چلتا ہوں۔ اگر یہیں بیٹھارہا تو شاید کچھ غلط کہہ بیٹھوں۔“ انتہائی ضبط سے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہو۔

”بہتر بھی یہی ہے“ صبح نے کندھے اچکا کر کہا۔ وہ لمحوں میں وہاں سے چلا گیا۔ صبح پر پھول گرتے رہے۔ وہ سر پر گرے پھول جھاڑتی رہی۔ اس کے ارد گرد اب پھولوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔



ہادی کے دل میں بننا نرم گوشہ وہیں ختم ہو گیا تھا۔ ٹھیک ہے یہ شادی اور حالات میں ہوئی تھی لیکن اس کے خیال میں اب صبح کو یہ مان لینا چاہیے تھا لیکن صبح تو ابھی بھی اسی مقام پر کھڑی تھی۔ ذرا بھی لپک نہیں آئی تھی۔

وہ آج اپنی الماری سیٹ کر رہی تھی۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ وہ مڑ کر بیڈ تک آئی اور فون اٹھا کر دیکھا۔ ابا کا لنگ لکھا آ رہا تھا۔ اس نے کال پک کر لی۔

”السلام علیکم ابا۔“ وہ احترام سے بولی۔

”وعلیکم السلام۔ کیسی ہے میری پیاری بیٹی۔“ ابا نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اتنے عرصے بعد یہ محبت بھرا لہجہ سننے کو ملا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں ابا۔ آپ کیسے ہیں؟“

ابا نے اس کے لہجے کی نمی محسوس کر لی تھی۔

”میری بیٹی کو تو میری یاد نہ آئی میں نے سوچا میں خود ہی اس سے بات کر لوں۔ وہ تو بس اپنی اماں سے ہی بات کر کے خوش ہے۔“

اور وہ جی بھر کہ شرمندہ ہوئی۔ سوائے اماں کے پچھلے آٹھ ماہ سے کسی سے بھی بات نہیں کی تھی اس نے۔ بہنوں اور بھائیوں کو تو اس کی ناراضگی کا پتہ تھا کہ ایسی ہی شدید قسم کی ناراضگیاں ہوا کرتی تھیں اس کی۔ یہ تو خیر سب کو پتہ تھا لیکن ابا کو ابھی تک یہ بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ اس گھر سے ناراض ہو کر گئی ورنہ ابا کب کا اسے منا چکے ہوتے۔ تو سب نے اس لیے اس کا رابطہ نہ کرنا محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ جب ناراضگی ختم ہوگی تو خود ہی رابطہ کرے گی۔ اسی لمحے صبح کو پتہ چلا تھا کہ اتنے ماہ گزرنے کے بعد بھی کسی نے ابا سے اس کی ناراضگی کا ذکر نہیں

کیا تھا وہ لاعلم تھے اور میں خواجہ ابا سے ناراض رہی۔ اماں سے شکوے اور بڑھے کیا تھا جو وہ ابا کو بتا دیتیں اور وہ اسے منالیتے۔

”نہیں ابا ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے بھی آپ کی بہت یاد آتی ہے۔ بس تھوڑی مصروفیت رہی۔“ انتہائی فضول جواز پیش کیا تھا اس نے۔ ابا ہنس دیئے۔

”چلو مان لیتے ہیں اس بات کو۔ لیکن مزید یہ بہانہ نہیں چلے گا۔ شہر یار کی شادی کر رہے ہیں۔ کیا اس میں شریک ہوگی؟“

”ابا.....“ شرمندگی سے وہ بس اتنا کہہ پائی۔ ابا نے بھی خوب بھگو کے مارا تھا۔
”کیوں نہیں آؤں گی۔ میرا بھائی ہے۔ اس کی شادی میں بھی شرکت نہیں کرو گی کیا۔“ اس نے جواب شکوہ کیا۔ ابا نے ہنستے ہوئے شادی کی ڈٹیں بتائیں۔ پھر وہ کافی دیر باتیں کرتے رہے۔
”ہادی کا نمبر سینڈ کر دو۔ اسے پرستلی کہہ دوں داماد ہے کہیں پرانہ مان جائے کہ خود نہیں بلایا۔“
”نہیں ابا۔ برا کیوں مانے گا۔“ صبح کو تو سوچ کہ ہی غصہ آ گیا کہ وہ اس کے ابا سے اس بات پہ ناراض ہو گا۔ ابا اس کی بات سن کے ہنسے۔

”میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے۔ تم سینڈ کر دو۔“ پھر چند باتوں کے بعد کال ختم ہو گئی۔ اتنے عرصے بعد ابا سے تفصیلی بات نے اسے خوش کر دیا تھا۔ طبیعت پہ چھائی پڑ مردگی ختم ہو گئی تھی۔ ہادی کا نمبر تو اس کے پاس نہیں تھا۔ اب کسی ملازم سے شوہر کا نمبر لیتی وہ۔ یہ سوچ اس نے رو کر دی۔ پھر گھر میں لگے لینڈ لائن کے پاس آئی۔ ساتھ رکھی ڈائری کھول کر دیکھی۔ اوپر ہی ہادی کا موبائل نمبر اور آفس کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ اس نے موبائل سے ہادی کے پرستل نمبر پر کال کی۔

”ہیلو۔“ دوسری جانب اس کی مصروف سی آواز ابھری۔

”ہادی؟“ وہ پہچان چکی تھی پھر بھی تصدیق چاہی۔

”جی۔ آپ کون۔“ وہ ذرا کی ذرا رکا جیسے۔

”صبح بول رہی ہوں۔“

”خیریت۔ بچے ٹھیک ہیں؟“ وہ ایک دم جیسے پریشان ہوا تھا۔ صبح کو غصہ آیا۔

”جی سب خیریت ہے۔ میں نے یہ بتانے کے لیے کال کی تھی کہ تھوڑی دیر تک میرے ابا آپ کو کال کریں گے۔ میرے بھائی کی شادی ہے اسی کے لیے آپ کو انوائٹ کریں گے اور آپ نے سلیقے سے میرا ابا کو انکار کر دینا ہے کہ آپ بزنس مصروفیات کی وجہ سے شادی میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔“

”اور میں ایسا کیوں کہوں گا؟“ ہادی نے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ آپ میرے بھائی کی شادی میں شریک ہوں۔“ وہ بھی جواباً اسی لہجے میں بولی۔

”آپ کو یہ خوش فہمی کیونکر ہے کہ میں آپ سے ڈکٹیشن لے کہ اپنے فیصلے کروں گا۔“

”میں نہ تو ایسی خواہش رکھتی ہوں اور نہ شوق۔“

”اچھی بات ہے۔ کیونکہ میرا انکار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ صبح نے کان سے موبائل ہٹا کر گھورا۔

”آپ میرے ابا کو انکار کر رہے ہیں۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”میرا بالکل بھی آپ کی بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔“

صبح نے غصے سے کال کاٹ دی۔ پھر ابا کو اس کا نمبر میسج کر دیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے ابا کو کیا جواب دیا لیکن جب وہ گھر آیا تو اس نے ہادی سے یہی کہا تھا کہ پیچھے بچے اکیلے ہو جائیں گے اور وہ خاموش ہو گیا تھا۔ وہ اس کے ابا کو انکار نہیں کر سکا تھا لیکن اس کا جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے صبح اکیلی ہی گئی تھی۔ یہ اور بات کہ وہ مہندی والے دن ہی وہاں پہنچی تھی۔ سب سے نارملی ہی ملی تھی۔ اتنا عرصہ انہوں نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اور صبح نے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ البتہ وہاں سب نے خوب شکوے کیے تھے کہ وہ شادی کے بعد ان سب کو بھول گئی تھی اور ”صبح فاروق“ نے ان شکوؤں پر مسکرا مسکرا کر جواب دیئے تھے۔ اماں تو اماں باقی سب بھی حیران تھے اور خوش بھی کہ اس میں اچھی تبدیلی آئی تھی۔ مہندی کے فنکشن سے واپسی کے بعد سب سونے کی بجائے ہال کمرے میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ تھکن کے باوجود سب وہاں بیٹھے تھے ہنسی مذاق چل رہا تھا۔ مرد حضرات تو چلے گئے تھے۔ خالص زنانہ محفل تھی۔

”صبح! کوئی خوشخبری وغیرہ؟“ بڑی آپنی نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔ سب ہی اس کی طرف دیکھنے

لگے۔ جی تو چاہا کہہ دے ایک نہیں دو دو خوشخبریاں ہیں لیکن بس یہی کہہ سکی کہ فی الحال نہیں۔

”کوئی چیک اپ وغیرہ کروایا۔ بعد میں تو بڑے مسئلے ہو جاتے ہیں۔ پیچیدہ گئیاں۔“ اب کے بڑی بھابھی بولیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ غناء آپ بول انھیں۔

”ابھی کتنا عرصہ ہوا کہ وہ ان باتوں پر پریشان ہو۔ آپ لوگ بھی اس طرح کے سوالات سے اسے پریشان نہ کریں۔“ غناء کے انداز میں ناگواری درآئی تھی۔

”لو جی میں نے ایسی کون سی بات کر ڈالی۔“ بھابھی نے غناء کو دیکھتے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

”ابھی اس کی شادی کو اتنا زیادہ عرصہ نہیں ہوا اس لیے ان باتوں پہ پریشان ہونے کی اسے ضرورت نہیں۔“ غناء نے اپنی بات دہرائی۔ صبح نے غناء آپ کا ہاتھ دبایا۔

”یہ کوئی بحث کرنے والا موضوع نہیں ہے۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔“ بڑی آپ نے بھابھی کے کھلتے منہ کو دیکھ کر پہلے ہی بند باندھا۔ بھابھی بہت کچھ کہنے کی خواہش کو دل میں دبا گئیں۔ صبح نے محبت بھری نظر بہنوں پر ڈالی۔ غناء نے محبت سے اسے ساتھ لگایا۔

”تھینک یو آپ۔ بڑی بھابھی سے بچانے کے لیے۔“ اس نے سرگوشی کی۔ پھر دونوں بہنیں ہنس دیں۔ حالانکہ وہ صرف چار دنوں کے لیے آئی تھی لیکن اس دوران بھی وہ ہر ایک دو گھنٹے کے بعد گھر فون کر کے بچوں سے بات کیا کرتی تھی۔ وہ جب موہا بل اٹھائے ایک طرف جاتی تو سب شرارتی نظروں سے اسے دیکھتے کیونکہ اس نے ہی کہا تھا کہ وہ ہادی سے بات کرنے جاتی ہے اور باقی سب نے خود ہی سوچ لیا تھا کہ دونوں میں اتنی محبت تھی کہ ایک دوسرے سے دوری برداشت نہیں کر پار ہے تھے۔ پھر شادی کے بعد پہلی بار تو وہ اتنی دور آئی تھی۔ اس کی اماں، بہنیں تو اس محبت کو دیکھ کر مطمئن تھیں جبکہ بھابھیوں خصوصاً بڑی بھابھی جو اسے سخت ناپسند کرتی تھیں انہیں یہ محبت کے ”مظاہرے“ ایک آنکھ نہیں بھارے تھے۔

ہادی کے نہ آنے کا شکوہ اپنی جگہ کہ وہ آنے سے پہلے ابا سے نجانے کن الفاظ میں معذرت کر چکا تھا اور ابا نے ذرا بھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا البتہ اماں کے دل میں اس بات کی ناراضگی تھی لیکن بار بار صبح کی کالز کو دیکھ کر وہ شکوہ جاتا رہا۔ حالانکہ وہ شاکرہ یا نصیبو کو ہی کال کرتی تھی مگر اماں کو یہی کہا تھا کہ ہادی سے بات کرتی

ہے۔ اس کے بار بار کال کرنے پر بھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ وہ پانچ چھ منٹ تک واپس آ جاتی تھی۔ بڑی آپنی اور غناء آپنی شرارت بھری نظروں سے دیکھتی تھیں اور وہ اپنی بہنوں کی خوش فہمیوں کو دیکھ کر ہنس دیتی۔



”میں کل جا رہی ہوں۔“

ولیمہ ہو چکا تھا۔ وہ بہنیں اپنے مخصوص کمرے میں تھیں۔ دونوں بھابھیاں بھی بچوں کو سلا کر وہیں آ گئی تھیں۔ صبح نے اپنے جانے کی اطلاع دی تھی۔

”کیا؟ لیکن اتنی جلدی.....“ اس کی ساری بہنیں بول اٹھیں۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے صبح۔ ایک تو اتنے عرصے بعد آئی ہو۔ پھر جانے کی بھی جلدی مچا رہی ہو۔ تینوں بہنیں اکٹھے پرسوں ہی جائیں گی۔“ بڑی آپنی نے اپنا فیصلہ سنایا۔

”لیکن آپنی میری سٹڈی۔ بتایا تھا نا ماسٹرز میں ایڈمیشن لے چکی ہوں۔ اب فائنل قریب ہے۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”اچھا ایک دو دن سے کچھ نہیں ہوتا۔“ اس سے چھوٹی وردہ فوراً بولی اور غناء آپنی وارنگ دیتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ صبح کو ہنسی آ گئی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ پرسوں۔“

”مجھے پتہ ہے تمہیں جانے کی کیوں جلدی ہے۔ اب ذرا اسے بھی انتظار کرنے دو۔“ غناء آپنی کے کہنے پر اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ سب ہنسنے لگیں۔

”مجھے بتاؤ، کہیں ہادی نے تو حکم نہیں دیا کہ فوراً واپس آؤ اور تم فرمانبردار بنی اس کے حکم کی تعمیل میں لگ گئی۔“ غناء آپنی نے رعب سے پوچھا۔

”نہیں آپنی ایسی بات نہیں ہے۔“ وہ ہنسی۔ ”ویسے بھی ہادی نے کبھی مجھ پر حکم نہیں چلایا۔“ اس نے شرارت سے بڑی آپنی کو دیکھا۔ کیونکہ وہ اکثر رہنے کا سوچ کے آتیں پیچھے سے شوہر کا فرمان آ جاتا کہ رات رکنے کی

ضرورت نہیں ہے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی واپس لوٹ جاتیں۔

”ہاں بھئی، یہ تو ماننے کی بات ہے کہ صبح بہت خوش قسمت ہے۔ ساس نند کو سوں دور۔ اور شوہر بھی اتنا محبت کرنے والا۔“ بڑی بھابھی بظاہر تو تعریف کر رہی تھیں لیکن صبح کو وہ طنز ہی لگا۔

”ویسے بھابھی! آج تو آپ بتا ہی دیں کہ ساس نندوں کے بغیر والی لڑکیاں آپ کو اتنی خوش قسمت کیوں لگتی ہیں۔“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔ بڑی بھابھی کی مسکراہٹ غائب ہوئی جبکہ باقی سب نارمل تھے۔

”میں بچپن سے آپ سے یہ سنتی آرہی ہوں۔ حالانکہ آپ پر تو کبھی ساس نندوں والے کوئی ظلم ہوئے بھی نہیں۔“ صبح کی بد قسمتی کہ اسی وقت کمرے میں اماں داخل ہوئی تھیں۔ صبح کی پشت تھی تو وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔

”صبح! ہمیشہ بد تمیزی کرتی ہو تم۔“ بڑی بھابھی کوئی جواب تو کیا دیتیں الٹا اسی پر چڑھ دوڑیں۔ صبح کا منہ کھلا وہ تو مذاق کر رہی تھی۔ باقی سب بھی حیرت سے ان کو دیکھنے لگے۔

”بھابھی! میں تو بس مذاق کر رہی تھی۔“

”ہاں مجھے پتہ ہے تمہارے مذاقوں کا۔ پھر میری بے عزتی کرنی ہوگی نا۔ ابھی تک چپک اپ والی بات پر تمہارے دل سے غصہ نہیں گیا۔“ سب نے حیرت سے بھابھی کو دیکھا۔ اس کی کوئی اور بہن ہوتی تو بھابھی کو صفائیاں دے کر ان کا موڈ ٹھیک کرتی لیکن وہ صبح تھی۔ ایسے تو پھر ایسے سہی۔

”نہیں بھابھی! آپ ساس نندوں کے بغیر والی لڑکیوں کو جتنا بھی خوش قسمت سمجھ لیں۔ آپ نے اس لسٹ میں کبھی نہیں آنا۔ اب آپ کے لیے ہم بہنیں مرے ہوؤں میں شامل نہیں ہو سکتی ہیں۔ آپ کی ایک عدد ساس اور چار نندیں انشاء اللہ آپ کی زندگی کی آخری سانس تک آپ کے ساتھ رہیں گی۔“ بھابھی کے بات گھمانے کے باوجود بھی صبح نے انہیں پکڑ کر باور کرا دیا۔ غناء اور وردہ ہنسی کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں جبکہ بڑی آپنی اور شاہدہ بھابی زور سے ہنسنے لگیں۔ اتنے میں اماں بھی ان کے ساتھ آ بیٹھیں اور بڑی بھابھی انتہائی غصہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”تم ہمیشہ ہی بد تمیز رہنا۔“

صبح پر ذرا جوان کی ناراضگی کا اثر ہوا ہو۔

”صبح! کیوں بھابھی کو ناراض کر دیا۔ چلو منالو۔“ اماں نے غناء کے ساتھ بیٹھتے صبح کو اشارہ کیا۔

”بھابھی! میں مذاق کر رہی تھی، آپ برا مان گئیں۔ بیٹھیں باتیں کر رہے ہیں سب۔ بہت مزہ آرہا ہے۔“

وہ مسکراتے ہوئے بھابھی سے مخاطب ہوئی۔

”رہنے دو بی بی۔ تمہاری مذاقیں۔ ذرا جو بڑے چھوٹے کا لحاظ ہو۔ تمہیں ہمیشہ ہی مجھ سے اور میرے بچوں

سے مسئلے رہے ہیں۔ کبھی کوئی موقع نہیں چھوڑا تم نے۔“ وہ غصہ میں بولتیں کمرہ چھوڑ گئیں جبکہ سب ہکا بکا رہ

گئے۔ اچھا خاصا ہنستا مسکراتا ہوا ماحول تناؤ والا ہو گیا تھا۔

”صبح! تم کیوں ایسا کرتی ہو؟“ اماں نے تاسف سے بیٹی کو دیکھا۔

”میں نے کیا کیا اماں.....“ وہ حیران رہ گئی۔

”تم نے یہ بات چھیڑی ہی کیوں تھی۔“

”تو آپ کی بہو بھی کوئی موقع چھوڑتی ہے۔ بچپن سے ان کی یہی حسرتیں سنتی آرہی ہوں۔ ساس مندوں

کے بغیر والی لڑکیاں بڑی خوش نصیب ہیں۔ حالانکہ صرف اسی وجہ سے کہ وہ ساس مندوں سے متنفر نہ ہوں آپ

نے اپنا اور ہم بہنوں کا کوئی کام ان سے نہیں کرایا۔ جب بڑی آپنی آتیں تو میں اور غناء آپنی ان کی خاطر مدارات

کرتے کہ بھابھی مند کے آنے کو بوجھ نہ سمجھیں۔ اور اکثر تو وہ اسی دن اپنے میکے چلی جاتیں۔ غناء آپنی کی شادی

کے بعد میں اور وردہ کرتے۔ اور ابھی بھی مجھے یقین ہے کہ آپوں کے آنے پر وردہ ہی سب کرتی ہوگی۔ آپ کی

بہوؤں پر تو آپ کی بیٹیاں کبھی بوجھ بنی ہی نہیں ہیں تو ان کی یہ حسرتیں..... اور ہر محفل میں ان کا اظہار کیا معنی

رکھتا ہے۔ اور تو اور اپنا اور ابا کا ناشتہ تک آپ خود بناتی ہیں۔ ان کا دل چاہتا ہے تو وہ آپ کے لیے کچھ کرتی ہیں

ورنہ نہیں۔ اس سب کے باوجود بھی وہ یہ چاہیں کہ ساس مندیں نہ رہیں تو۔“ وہ ناگواری سے بولتی چپ کر گئی۔

”اس کے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا جو تم نے نکالا ہے۔“ اماں نے بہو پر پردہ ڈالنا چاہا۔ شاہدہ بھابھی اٹھ

کھڑی ہوئیں۔

”میں جاؤں۔ نیند آرہی ہے۔“ ان کے جانے کے بعد اماں نے صبح کو صحیح معنوں میں گھورا۔

”تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے بڑوں سے اس طرح بات نہیں کرتے۔ اور اس کا کہہ رہی ہو کہ ساس مندوں سے پیر رکھتی ہے تم تو اپنے شوہر سے بھی ڈھیروں شکوے رکھتی ہو۔ تمہاری اسی عادت کی وجہ سے میں نے تمہارے لیے ایسا سسرال ڈھونڈا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا لمبے چوڑے سسرال میں تم رہ نہیں پاؤ گی لیکن وہ صبح ہی کیا جسے دوسروں سے شکایات نہ ہوں۔ گھر میں صرف شوہر ہے اور میری بیٹی شادی کے پانچویں دن ہی اس کی شکایت لے کر پہنچ گئی۔ ارے مسئلے مسائل ہر گھر میں ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کر کے ہی زندگی کو آسان بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن تمہاری عقل میں یہ باتیں سمائیں تب نا..... اب شادی کے بعد پہلی بار آئی ہو اور اس میں بھی تم باز نہیں آئیں۔ گھر کا سکون خراب کر دیا۔ کیا ہو جاتا جو ذرا سی برداشت سے کام لے لیتیں۔“ اماں نے بے نقط سب سنا ڈالا۔ اور صبح، سفید چہرہ لیے سب سنتی رہی۔

”اماں! بڑی بھابھی نے غلط بات کہی تھی۔ اور آپ بہو کے لیے بیٹی کو بے عزت کر رہی ہیں۔“ بڑی آپنی پر تاسف تھیں۔

”بی بی تم لوگ آتی ہو مہمان۔ جبکہ میرا ان سے روز کا ساتھ ہے۔ تم لوگوں کی غلطیوں پر ان سے تو نہیں باز پرس کر سکتی۔“ اماں اسی انداز میں بولیں۔ صبح چپ چاپ اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گئی اور سر تک چادر تان لی۔

”اماں! آپ صبح کے ساھ زیادتی کر جاتی ہیں۔“ وردہ افسوس سے بولی۔

”لو زیادتی ابھی اسی کے ساتھ ہے۔“ اماں بڑبڑا کر رہ گئیں۔ ”چلو کافی رات ہو گئی ہے سو جاؤ سب۔“ وہ تاکید کرتیں اٹھ گئیں۔ اس کی بہنوں نے دکھ سے صبح کی طرف دیکھا جو سر تک ڈھکی ہوئی تھی۔ اب وہ اماں سے ناراض تھی مطلب سب سے ناراض تھی اور اگر اسے منانے کی کوشش کی جاتی تو وہ مزید ناراض ہو جاتی۔

”صبح! ہادی کی کون سی شکایت کی تھی اماں سے۔“ غناء آپنی نے چادر کو تکتے سوال کیا لیکن حسب توقع کوئی جواب نہیں ملا تھا۔



اگلے دن وہ بہنوں کے روکنے کے باوجود بھی نہیں رکی تھی۔ اماں نے گلے لگا کر وہی نصیحتیں کی تھیں اور وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔ وہاں تو نہیں البتہ پورا راستہ روتی آئی تھی۔ گھر پہنچ کر بچوں سے مل کر وہ اپنے کمرے

میں آگئی تھی۔ اس نے وقت نہیں دیکھا تھا کتنے بجے تک پہنچی تھی۔ کمرے میں جا کر روتے روتے جانے کب آنکھ لگی تھی۔

رات کو پیاس کے احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر وہ پانی بھر کر کبھی نہیں رکھتی تھی۔ اس نے بیڈ سے اتر کر پاؤں میں چپل ڈالی۔ سرسری نظر سامنے دیوار پر لگی گھڑی پہ ڈالی۔ پونے تین بج رہے تھے۔ وہ دوپٹہ کندھے پر ڈالتی کچن میں آگئی۔ رات کا وقت تھا۔ ہر جانب خاموشی تھی۔ فریج سے بوتل نکال کر کاؤنٹر پر رکھے گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ آدھے سے زیادہ گلاس پانی سے بھر گیا تھا۔ اس نے بوتل کو سیدھا کر کے ڈھکن بند کر دیا۔ پھر ساتھ رکھی چیئر پر ٹپک کر گھونٹ گھونٹ پانی اندر اتارتی رہی۔ نیند سے اٹھنے کے باوجود بھی ذہنی طور پر وہ الجھی ہوئی تھی۔ جیسے نیند میں بھی دماغ تانے بانے بنا رہا تھا۔

اماں کی باتیں، پھر بھابھی کی باتیں۔ کبھی کوئی بات آرہی تھی کبھی کوئی۔ پھر بچوں کا خیال آیا۔ صبح بھی ٹھیک طرح نہیں ملی۔ حالانکہ اتنا خوش تھے مجھے دیکھ کر۔ اسے افسوس ہوا۔ ابھی دیکھ لیتی ہوں ویسے بھی اس وقت تو سو رہے ہوں گے۔ اس نے خالی گلاس کاؤنٹر پر رکھا اور گہری سانس لے کر دماغ کو فری کرنا چاہا۔ تبھی اسے کسی کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ چونکی۔ عجیب شور سا تھا۔ آوازیں بہت بلند نہیں تھیں لیکن رات کے سناٹے کی وجہ سے اب سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کچن سے اٹھ کر باہر آگئی اور غور کر کے شور کا تعاقب کرنا چاہا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ الجھتے ہوئے آگے بڑھی۔ آوازیں ختم ہو گئی تھیں۔

وہ ابھی ابھی بچوں کے کمرے میں جانے لگی کہ اچانک ہادی کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ لڑکھڑاتے ہوئے عاصمہ نکلی تھی اور پیچھے لال انگارہ آنکھیں لیے ہادی۔ جیسے آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ صبح کے منہ سے چیخ نکلی۔ اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ عاصمہ نے روتے ہوئے صبح کو دیکھا جو بت بنی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے بھاگ کر بچوں کے کمرے میں چلی گئی۔ ہادی نے بت بنی صبح پر نگاہ غلط ڈال کر ٹھاہ کر کے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔ ٹھاہ کی آواز سے وہ چونک کر واپس حال میں لوٹی۔ خالی خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ اسے ابھی تک سمجھ نہیں آرہا تھا جو کچھ اس نے دیکھا تھا اس کا کیا مطلب تھا۔ نجانے کتنی ساعتیں یوں ہی گزری تھیں۔ پھر بچوں کا خیال آتے ہی وہ آہستہ سے وہاں سے ہٹ کر بچوں کے کمرے میں

عاصمہ سامنے اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھی روتی ہوئی نظر آئی۔ اس کا کمرہ بچوں کے کمرے سے ملحق تھا۔ اس نے اپنے کمرے کا درمیانی دروازہ بند نہیں کیا تھا تو اس کے رونے کی آواز یہاں بھی آرہی تھی۔ صبح دروازے کے آگے رک کر سلگتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اچانک عاصمہ نے سر اٹھایا۔ صبح اس کے دیکھنے پر تنفر سے سر جھٹک کر احد کے بیڈ کی جانب آئی۔ اب عاصمہ کی آواز بند ہو گئی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ اس کے پیچھے تھی۔

”صبح میم! ہادی سر نے مجھے خود بلایا تھا۔“

”شٹ اپ۔“ صبح جھٹکے سے مڑی اور سلگتی نگاہوں سے اسے گھورا۔ ”خبردار۔ خبردار۔ اگر مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی۔ میں بہت اچھی طرح سے جان چکی ہوں تم کس قسم کی عورت ہو۔ صبح کا سویرا ہونے سے پہلے ہی اس گھر سے دفع ہو جانا۔“ وہ دبی ہوئی آواز میں غرائی۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں.....“

”بکو اس بند کرو اپنی۔ میں جیسے جانتی نہیں کہ تم اس گھر میں کیوں آئی تھی۔ اور پھر ہادی نے بلایا بھی تھا تو رات کے اس پہر کون سی شریف عورت کسی دوسرے مرد کے کمرے میں جاتی ہے۔ جب اس کے بلانے پر چلی گئی تھی تو پھر روتے ہوئے کیوں نکلی تھی۔ ایسی معصوم تو ہو نہیں کہ رات کے اس پہر بلانے کا مقصد نہ جانتی ہو۔“

صبح کے منہ سے انگارے برس رہے تھے۔ عاصمہ اس قدر صاف باتوں پر شرمندگی سے کچھ بول ہی نہ پائی۔ پھر اپنی مظلومیت کے ڈرامے کو بیکار جاتے دیکھ کر چہرہ صاف کرنے لگی۔ صبح احد کو جھک کر اٹھانے لگی اور کندھے پر ڈال کر سیدھی ہوئی۔ عاصمہ شرمندہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ پھر احد کو اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں لے آئی۔ اسے بیڈ پر سلا کر دوبارہ وہاں جا کر نور عین کو بھی اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ اسے عاصمہ پر ذرا بھی اعتبار نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی ناکامی کے بدلے کے لیے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ جب وہ نور عین کو لے کر آرہی تھی تو عاصمہ لپک کر اس کے پیچھے آئی۔

”پلیز میم! مجھے معاف کر دیں۔“

صبح کو حیرت ہوئی۔

”ذرا سی بھی شرم باقی ہے تم میں۔“

عاصمہ اس کے تیور دیکھ کر پیچھے ہٹی۔ صبح اسے گھورتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ دونوں بچے اس کے پہلو میں بے خبر سو رہے تھے۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھی۔ نیند کا آنا تو ناممکن تھا۔ پچھلے دو دن سے یہ حال تھا کہ چند لمحوں کو بھی ذہنی سکون نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ اندر تک تھک چکی تھی۔ آخر کیوں تھی اس کی ایسی زندگی۔ اس نے دکتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ بے بسی سے آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں لیکن اب کی بار اس نے غصہ سے اپنی غم آنکھوں پر اپنی پوروں کو دبایا۔

”کیوں رو رہی ہوں میں۔ کیوں..... کیا اس سے سب مسئلے حل ہو جائیں گے۔ رونے سے بس دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے مسئلوں کا حل نہیں نکلتا۔ اور میرا بوجھ رونے سے بھی کم نہیں ہو رہا۔ تو میں کیوں روؤں۔“ وہ خود سے بولے جا رہی تھی۔ ”اور میرے مسئلوں کا حل۔ میں نہیں جانتی کون سا حل بہتر ہوگا لیکن میں کسی کے لیے بھی نہیں روؤں گی۔“

صبح ہونے کے بعد صبح عاصمہ کو رخصت کر آئی تھی۔ جب ہادی ناشتہ کرنے آیا وہ ٹیبل لگا رہی تھی۔ صبح نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ سرخ آنکھیں، بھنپے لب، چہرے پر ناقابل فہم تاثرات۔ بے حد سنجیدہ چہرہ۔ صبح نے اپنی کرسی کھینچی اور بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی رات والے واقعے میں ہادی کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ وہ شہرین کے عشق میں اپنے بیوی کو نظر بھر کر نہیں دیکھتا تھا۔ ایسے میں وہ یقین کر لیتی کہ وہ عاصمہ سے تعلق بناتا۔ ایک بھونڈا مذاق ہی ہو سکتا تھا یہ۔ لیکن پھر بھی وہ اندر ہی اندر اس کی وضاحت کی منتظر تھی۔ وضاحت نہیں۔ کچھ بھی۔ وہ بولتا تو سہی لیکن صبح کو اس نے ایسے نظر انداز کیا ہوا تھا جیسے وہ نہیں تھی۔ جو بھی تھا وہ اس کی بیوی تھی ایسے واقعے پر اپنی بیوی کو اعتماد میں لیتا لیکن اس نے صبح کو اس قابل نہیں سمجھا تھا وہ اعتماد کرتی یا نہیں اس کی بلا سے۔ ڈائنگ ٹیبل پر پہلے بھی خاموشی ہوتی تھی۔ لیکن آج کی خاموشی صبح کو بہت چھ رہی تھی۔ وہ ہادی کے بولنے کی منتظر تھی۔

”بچوں کے لیے نئی آیا کا ایڈ دے دوں گا آج لیکن انٹرویو آپ لے لیں گی؟“ بالآخر خاموشی ٹوٹی تھی۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بچے خود سنبھال سکتی ہوں۔“

”جی۔“ وہ کھانے سے ہاتھ روکے ہادی کو دیکھنے لگی۔ ”کیا آپ رات کے معاملے پر مجھے کچھ بتانا چاہتے ہیں؟“ اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

”نہیں۔“ وہ سرد لہجے میں بولا۔

”کیوں؟“ وہ تلخ ہوئی۔

”کیونکہ میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔“

”کیوں ضرورت محسوس نہیں ہوئی آپ کو؟“

ہادی نے نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑیں۔

”کیونکہ میں آپ کے آگے جواب دہ نہیں ہوں۔“

”میں آپ کی بیوی ہوں۔“

”تو.....؟“

”تو.....“ صبح نے حیرت سے اس کا کہا لفظ دہرایا۔ ”تو یہ کہ آپ میرے آگے جواب دہ ہیں کہ رات کے

تین بجے وہ عورت آپ کے کمرے میں کیا کر رہی تھی؟“

صبح نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکائیں۔ ہادی نے سنجیدہ نگاہیں اس پر ٹکائیں۔ وہ جیسے غصہ ضبط کرتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

”میرے لیے اب دنیا کی کسی عورت میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ باقی آپ اس گھر سے جانا چاہتی ہیں تو

جاسکتی ہیں۔“ کسی نے جیسے ٹھنڈا نچ پانی صبح پر انڈیل دیا تھا۔ وہ برف بنی اسے دیکھتی رہی۔ ہادی ناشتہ کر چکا

تھا۔ وہ نیکین سے منہ پونچھتا کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی نصیبوروتی ہوئی نورعین کو اٹھائے وہاں آئی۔ ہادی

نے روتی ہوئی بیٹی کو اس سے لے کر چوما جبکہ نورعین اپنے دونوں بازو بلند کیے روتے ہوئے صبح کے پاس

جانے کے لیے مچل رہی تھی۔ ہادی نے اسے نصیبو کو پکڑایا اور چلا گیا۔



ہادی رات گئے آفس سے لوٹا تھا۔ بچوں کو دیکھنے کے لیے وہ ان کے کمرے میں گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ بچے یقیناً صبح کے کمرے میں تھے۔ وہ گہری سانس لیتے ہوئے پلٹا۔ پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ فریش ہونے کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹا لیکن دل بار بار بچوں کو دیکھنے کے لیے ہمک رہا تھا۔ کمفرٹر ہٹاتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رات کے اس پہر بچے تو یقیناً سو چکے ہوں گے اور وہ صبح سے سامنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتا صبح کے کمرے کے آگے کھڑا تھا۔ اندر لائٹ جل رہی تھی۔ کہیں جاگ نہ رہی ہو۔ ہادی نے اندر جانے کا ارادہ ترک کیا لیکن پھر کچھ سوچ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اس نے ہولے سے دروازے کو دھکیلا۔ بیڈ کے پیچوں بیچ صبح سو رہی تھی اور اس کے اوپر نورعین سوئی تھی۔ دائیں جانب اُحد سو یا تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ نورعین اس کے اوپر کیوں سوئی ہوئی تھی۔ وہاں سے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ صبح کی آنکھیں بند تھیں یا کھلی ہوئی تھیں۔

وہ آہستگی سے چلتا بیڈ کے قریب آیا۔ وہ تینوں سو رہے تھے۔ صبح کا ایک بازو اُحد کے سر کے نیچے تھا اور دوسرا نورعین کے گرد۔ ہادی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ یہ ایک مکمل اور بھرپور منظر تھا۔ شاید نورعین کو سلاتے صبح کو بھی نیند آ گئی تھی ورنہ اسے دوسری جانب لٹاتی۔ وہ اپنے بچوں کی صبح سے اُٹھ منٹ جانتا تھا۔ اور نورعین تو پھر بہت تنگ کرنے والی بچی تھی اس کا مظاہرہ وہ صبح کے پیچروں میں دیکھ چکا تھا۔ اب بھی یقیناً وہ ایسے ہی سونے کی ضد کر رہی ہوگی اور صبح کب اسے ٹالتی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتا بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھا۔ نورعین سے ہوتی اس کی نظر صبح پر ٹک گئی۔ سوتے میں بھی اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے لیکن اس مسکراہٹ میں ایک حزن تھا۔ ہادی کی مسکراہٹ سمٹی۔ اب تک ہادی اسے کچھ نہیں دے پایا تھا لیکن وہ اس کے بچوں کا جس طرح خیال رکھتی تھی وہ حیران رہ جاتا تھا۔ اسے بار بار شا کرہ کی وہ بات یاد آتی تھی کہ بیگم صاحبہ کو بچے پسند نہیں ہیں اس لیے بچوں کو اس سے دور رکھا جائے۔ لیکن گزرتے وقت نے اس بات کو غلط ثابت کیا تھا۔ وہ بچوں کے معاملے میں کتنی پروٹیکٹو تھی یہ اس کے میکے جانے کے بعد پتہ چلا تھا۔ ہر چند گھنٹوں کے بعد کال کر کے بچوں کا پتہ کرتی۔

وہ تینوں ایک ساتھ سوئے ایک خوبصورت فیملی لگ رہے تھے۔ جہاں ہادی شامل نہ بھی ہوتا تو شاید کوئی

فرق نہ پڑتا۔ اسے اعتراف تھا اس کے بچے اس سے اُلجھ نہیں تھے۔ اگر صبح نہ ہوتی تو وہ ان کے لیے نئی آیا کا انتظام کرتا۔ وہ خود ان کے ساتھ دن رات نہیں گزار سکتا تھا۔ نجانے کتنی دیروہاں بیٹھا وہ صبح کو دیکھتا رہا۔ اسے جب احساس ہوا تو آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔



آج وہ آفس سے جلدی لوٹ آیا۔ آج نورعین کی سالگرہ تھی اور شہرین کی پہلی برسی۔ ہادی کا دل اداس تھا۔ گھر آیا تو وہاں رونق کا احساس ہوا۔ کچن سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ کوٹ اور بیگ ایک جانب رکھتا ہوا کچن میں آگیا۔ ایک طائرانہ نگاہ کچن پر دوڑائی۔ صبح ہنسنے ہوئے نصیبو سے بات کر رہی تھی۔ احد اور نورعین کچن میں رکھی ڈانگ ٹیبل پر بیٹھے تھے اور ان کا خیال کرنے کے لیے نصیبو اور شا کرہ قریبی کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔

ٹیبل پر بچوں کے ساتھ ایک بڑی پلیٹ میں فروٹس رکھے تھے۔ احد مزے سے کھا رہا تھا جبکہ نورعین کھانے اور کھیل زیادہ رہی تھی۔ صبح کا ونٹر کے ساتھ کھڑی کوئی کام کر رہی تھی۔ ہادی نے اونچی آواز میں سلام کیا۔ صبح کی ہنسی رک گئی۔ اس نے مڑ کر ہادی کو دیکھا اور ہولے سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ نصیبو اور شا کرہ اسے دیکھتے کھڑی ہو گئیں۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا اور بچوں کی جانب بڑھا۔ صبح کو پتہ تھا سوال اس سے نہیں پوچھا گیا تھا سو وہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔

”وہ آج نورعین کی سالگرہ ہے تو بیگم صاحبہ ان کے لیے کیک بنا رہی ہیں۔“ نصیبو نے دانت دکھاتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ۔“ بچوں کے سر کو چومتا وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نصیبو اور شا کرہ اس کی سنجیدہ صورت کو دیکھ کر خائف ہو گئیں۔

”آج شہرین بی بی کی برسی بھی ہے۔“ نصیبو نے نجانے کیوں یہ بات یاد دلائی تھی۔ صبح نے چونک کر ہادی کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر یہ بات سن کر ایک تکلیف دہ تاثر ابھرا تھا لیکن خاموش رہا تھا۔ آج ان کی شادی

کی بھی پہلی سالگرہ تھی لیکن یہ بات یقیناً اسے یاد نہیں ہوگی۔ اور یاد ہوئی تو بھی ایک تکلیف دہ یاد۔ صبح کو اس لمحے سانس رک کر آیا تھا۔ نصیبو اور شا کرہ کو احساس ہوا انہیں یہاں سے جانا چاہئے۔ وہ دونوں چپ چاپ چلی گئیں۔ چند لمحوں کے لیے کچن میں خاموشی چھا گئی۔ پھر بچوں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ ہادی بچوں سے باتیں کر رہا تھا اور وہ اپنا کام کرتی گئی۔ اس دن کے بعد سے صبح کو اس کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ وہ اسے یہاں سے جانے کا کہہ چکا تھا اور صبح اسے کہہ چکی تھی جب وہ کہہ گا وہ چلی جائے گی لیکن اب تک وہیں تھی۔ ساری انا اور غیرت کا جنازہ نکل چکا تھا۔

پہلے وہ جوتن کر چلتی تھی اب ہادی کو دیکھ کر سر جھکائے ایک طرف ہو جاتی تھی۔ کیا سوچتا ہوگا اتنی بے عزتی کے بعد بھی نہیں گئی ویسے تو بڑی غیرت دکھاتے ہوئے کہا تھا جب کہیں گے چلی جاؤں گی لیکن صبح جانتی تھی وہ نہیں جاسکتی تھی۔ صبح کیک کا آمیزہ تیار کر کے اودن میں رکھنے لگی۔

”مما! مجھے اپیل کاٹ دیں۔“ نور عین تو تلی آواز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اچھا میری جان۔“ وہ ٹوکری میں رکھے سیب کو اٹھا کر اسے کاٹنے لگی۔ ہادی نے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر وہی حزن پھیلا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی لیکن وہ مسکراہٹ آنکھوں تک نہیں جا پا رہی تھی۔ ہادی کو پہلی بار اس پر ترس آیا۔ کیسی مشکل زندگی گزار رہی تھی وہ۔ شادی شدہ ہوتے ہوئے شوہر کی محبت سے محروم تھی۔ ان کی شادی میں ایک بھی خوشگوار یاد نہیں تھی۔ ہادی کو یاد تھا کہ آج ان کی شادی کی سالگرہ تھی لیکن وہ اسے وش نہیں کر پایا تھا کیونکہ آج اس کی زندگی کا ایک تکلیف دہ دن تھا۔ آج سے ایک سال پہلے شہرین اسے چھوڑ گئی تھی۔ وہ شہرین کا غم منا رہا تھا اسے کیسے وش کرتا۔ اور وہ کیسے حوصلے سے اپنی شادی کی سالگرہ بھلائے صرف نور عین کی خوشی منانے کی تیاری کر رہی تھی۔

نور عین کے آگے پلیٹ رکھ کر وہ پھر سے کاؤنٹر کے آگے کھڑی شاید کسی نئی ڈش کی تیاری کر رہی تھی۔ ہادی احد کے سوالوں کے جواب سوچ رہا تھا۔

”بابا یہ چاند ایک کیوں ہوتا ہے۔ اور سورج بھی ایک؟“ کڑے انداز میں ایسے پوچھ رہا تھا جیسے یہ ہادی کی سازش ہو۔

”میرے خیال سے دونوں خوبصورت ہیں شاید اس لیے۔“ ہادی کے جواب پر صبح کی ہنسی نکل گئی۔ ہادی نے صبح کو دیکھا جو ہنستے ہوئے رخ پھیر گئی تھی۔ احد کے سوال اور ہادی کے بے تکے جواب۔ صبح رخ موڑے ہی رہی۔ پہلی بار وہ اتنی دیر بچوں کے پاس بیٹھا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ اب تک وہ کیسی خوشی سے خود کو محروم رکھتا رہا۔ پھر نظر بھر کر صبح کو دیکھا۔ کس قدر حسین تھی وہ۔ اگر کوئی ہادی سے حسن کی تعریف پوچھتا تو وہ بلا جھجک صبح کا نام لے اٹھتا۔ ایک مکمل حسن تھی وہ۔ خوبصورت مزاج و عادات کی مالک تھی۔ ہادی نے اپنے علاوہ کسی کے ساتھ اس کا رویہ برا نہیں دیکھا تھا۔ اور اپنے ساتھ برے رویے کی وجہ بھی تو معلوم تھی۔ حیرت انگیز طور پر وہ اس کے آئیڈیل کے قریب تھی۔ وہ اسے پسند کرتا تھا لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو پسند ہو اس سے محبت بھی ہو۔ ایک مکمل لڑکی ہوتے ہوئے بھی وہ ادھوری زندگی جی رہی تھی۔ ہادی کو بے اختیار اس پر ترس آیا اور بے ساختہ اسے پکار بیٹھا۔

”صبح! ادھر بیٹھ کر کام کر لیں۔ کب سے کھڑے ہو کر کام کر رہی ہیں۔ تھک جائیں گی۔“
 صبح نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر بنا کچھ کہے وہ سبزیوں کا باؤل لیے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
 ”کیا بنا رہی ہیں؟“ ہادی نے پھر سوال داغا۔
 ”میکرونی۔“ وہ سر جھکائے گا جڑ کاٹ رہی تھی۔

”آئی ایم سوری صبح۔“ ہادی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے انگوٹھے سے اس کے ہاتھ کو نرمی سے رگڑا۔ صبح نے جھٹکے سے سر اٹھا کر ہادی کو دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کو اس کے چہرے پر اس قدر تکلیف دہ تاثرات آئے تھے کہ ہادی نے گہرا کر اس کا ہاتھ چھوڑا۔ صبح نے نچلے لب کو دانتوں تلے دبایا اور آنکھیں جھکا کر ان میں آئی نمی چھپانے کی کوشش کی۔

”سوری صبح! آپ کو میرا ہاتھ پکڑنا برا لگا۔“

وہ خاموش رہی۔ پلکیں جھپکا کر آنکھوں کی نمی کو پیچھے دھکیلا۔

”آج کا دن میرے لیے جہاں تکلیف دہ ہے کیونکہ شہرین.....“ وہ بولتے ہوئے رکا۔ ”لیکن آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے۔ شادی کی پہلی سالگرہ مبارک ہو۔“

صبح کا دل چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے لیکن بہت ضبط کر کے بیٹھی رہی۔

”مجھے شہرین کے لیے افسوس ہے۔ اللہ آپ کو صبر دے۔“ مضبوط لہجے میں بولتی وہ ہادی کو دیکھ رہی تھی۔ ”اور اس کی مغفرت کرے۔“

پھر اٹھ کر کوکنگ ریج کے پاس چلی گئی۔ ہادی دکھ اور افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اب سبزیوں کو ابالنے کے لیے رکھ رہی تھی۔ جب شوہر کو اس شادی کی خوشی ہی نہیں تھی وہ مبارکباد وصول کر کے کیا کرتی۔ اسے اپنی محبوب بیوی کا غم تھا تو اس نے بھی ہادی سے وہی غم ہی بانٹا تھا۔ کچن میں بچوں کا شور تھا اور وہ دونوں اپنے اندر کے شور کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔ زندگی اتنی ہی مشکل ہوتی ہے یا صبح کو آج کل گلنے لگی تھی وہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔



وہ بچوں کے ساتھ لان میں کھیل رہی تھی۔ احد کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اس نے صبح یا نور عین کو پکڑنا تھا۔ ان کی کھلکھلاہٹیں گھر میں گونج رہی تھیں۔

”سر پرانز۔“

صبح نے مڑ کر دیکھا اس کے پیچھے اس کی نند کھڑی تھی۔ صبح خوشگواہی کے احساس کے ساتھ ان کی جانب بڑھی اور گرم جوشی سے گلے ملی۔

”بہت خوبصورت سر پرانز ہے۔“

پھر اس نے دیکھا، پیچھے اس کی ساس ہادی کا ہاتھ پکڑے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے آرہی تھیں اور ان کے آگے اس کی نند کے بچے۔ وہ نند سے الگ ہوئی اور مسکراتے ہوئے ساس کی جانب بڑھی۔

”خوش آمدید۔“ مسکراتے ہوئے وہ ان سے گلے ملی۔ اس کی ساس نے کتنی دیر اسے اپنے ساتھ لگائے رکھا۔

”آپ لوگوں نے آنے سے پہلے بتایا نہیں ورنہ میں خود آتی آپ کو ریسو کرنے۔“ ان کا ہاتھ پکڑے وہ محبت سے بولی۔ ساس، نند سے بہت سے شکوے تھے لیکن وہ اس کے گھر مہمان تھیں۔ اس نے ہر بات ذہن

سے جھٹک دی تھی۔

”مجھے بھی انہوں نے یہاں پہنچ کر فون کیا کہ ڈرائیور کو بھیجوا دو یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اپنی اماں کو خود ریسو کرنے نہ جاتا۔“ ہادی ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

”چلیں کوئی بات نہیں۔ آپ نے آکر ہمارا دل خوش کر دیا۔ میری شادی کے بعد تو آپ آئیں ہی نہیں۔“ اس کے شکوے پر اس سے پہلے کہ اس کی ساس کوئی جواب دیتیں اس کی نند کے بچے چلا اٹھے۔

”مامی! ہمیں تو ملیں۔“

وہ ہنستے ہوئے بچوں سے ملنے لگی۔

”اگر اس کی ساس کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں اپنی اکلوتی بہو کو کبھی نہ چھوڑ کے جاتی۔ کتنا ارمان تھا اپنی بہو کے لاڈ اٹھانے کا۔“ اس کی ساس اس کا ہاتھ پکڑے محبت سے بول رہی تھیں۔

احد اور نور عین حیرت سے گھر آئے مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہ پہلی بار تھا کہ ان کے گھر کوئی آیا تھا۔ صبح دونوں بچوں کی حیرت کو دیکھتے ہوئے ہنسی اور جھک کر نور عین کو اٹھایا۔

”یہ میرا بیٹا احد۔ اور یہ میری بیٹی نور عین۔“

دادی اور پھوپھو نے تو بس رکی سا پیار کیا تھا لیکن بچے ایک دوسرے کے ساتھ جیسے گھل مل گئے تھے۔ صبح نے بچوں کے لیے ان کا رویہ محسوس تو کیا تھا لیکن بدستور مسکراتی رہی تھی۔ بچے تو پہلی بار گھر میں اتنی رونق دیکھ رہے تھے۔ ان کی کھلکھلاہٹیں عروج پر تھیں۔ صبح ان کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھی اور دل میں افسوس بھی ہو رہا تھا کہ وہ اب تک اس سب سے محروم تھے۔ صبح اور ہادی بھی بہت کم بچوں کو باہر لے کر گئے تھے۔ یہ سب کا اکٹھا ہونا، ماحول میں رچی محبت۔ ان کے چہروں پر پھول کھلا رہی تھی۔ آپنی کے بچوں کے ساتھ یہاں سے وہاں بھاگتے پھر رہے تھے۔ اور اس کی ساس صبح کو نوٹ کر رہی تھیں۔

سفر کی تھکن کی وجہ سے سب جلدی سے سو گئے تھے لیکن احد اور نور عین سونے کو تیار نہیں تھے۔ ان دونوں کا مطالبہ تھا کہ بچوں کو اٹھا کر ان ساتھ کھلایا جائے۔ آج صبح کا بہلانا بھی کسی کام نہیں آ رہا تھا۔ اس کی ساس تھوڑی سی نیند لے کر صبح کے کمرے میں آگئی تھیں۔

”دو دو بچوں کو اکیلے سنبھالنا بڑا مشکل کام ہے اوپر سے تم نے تو انہیں بہت ہی لاڈلا بنایا ہوا ہے۔ کوئی گورنس رکھ لیتی۔“ ان کے انداز میں کسی قدر ناگواری تھی۔ صبح نے نظر انداز کیا۔

”نہیں اماں۔ پہلے ایک گورنس تھی لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہیں آتے۔ اس لیے میں خود سنبھالتی ہوں۔ مشکل تو ہوتی ہے لیکن اتنا بھی نہیں۔“ وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”یہ بچوں کا کمرہ ہے۔ نہ تو کوئی کاٹ ہے نہ بچوں کا الگ سے بستر۔“ اس بات پر وہ بس خاموشی سے مسکرائی کیا کہتی کہ مجھے بچوں کی اور بچوں کو میری عادت ہے۔

”اتنا لاڈلوں کے ساتھ سلاتی ہو تو خود کب سوتی ہو تم۔“

”نہیں اتنا تنگ نہیں کرتے۔ آج پہلی بار اس طرح سے تنگ کر رہے ہیں۔ پہلی بار بچوں کے ساتھ کھیلے ہیں تو اس لیے ابھی بھی سونے کے موڈ میں نہیں ہیں۔“

ادھر احد ناراضگی کے اظہار کے طور پر بیڈ کراؤن کی طرف منہ کیے کھڑا تھا جبکہ نور عین کو صبح نے کندھے سے لگایا ہوا تھا۔ جو ہر دو منٹ بعد اس کے کندھے سے سر اٹھا کر مجھے کھیلتا ہے کا نعرہ بلند کر کے نیچے اترنے کی کوشش کرتی اور صبح اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ اپنے کندھے پر رکھ کر اسے تھکنے لگتی۔

”کل کو۔ ابھی سونے کا ٹائم ہے۔“

”مما! میں نہیں سوؤں گا۔ مجھے نہ اٹھانا۔“ پیچھے احد بھی بہن کے بعد اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتا۔ وہ بیڈ کراؤن میں منہ چھپائے یوں کھڑا تھا جیسے صبح سے چھپا ہوا ہو اور صبح وہ ان حرکتوں سے زچ ہونے کی بجائے زور سے قہقہہ بلند کرتی۔ ان ماں بچوں میں بڑے دلچسپ انداز میں یہ مکالمہ بازی چل رہی تھی۔ اس کی ساس کو پتہ نہیں کیوں یہ سب پسند نہیں آیا تھا۔ وہ کمرے میں یہاں سے وہاں چکر لگاتی صبح کو دیکھ رہی تھیں۔

”ساڑھے دس بج رہے ہیں۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں۔ بچوں کو میں سلا دیتی ہوں۔“

صبح گڑ بڑا گئی۔ اپنے کمرے سے مراد ہادی کا کمرہ تھا۔

”انہیں میرے بغیر سونے کی عادت نہیں ہے۔“ اس نے ذرا تیزی سے نور عین کو تھپکیاں دیں۔

”اور ہادی اسے نیند آ جاتی ہے تمہارے بغیر؟“

”استغفر اللہ۔“ وہ بے ساختہ بڑبڑائی۔ لیکن اس کی ساس تک یہ آواز نہیں پہنچی تھی اور وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”میں بچوں کو سلا کے اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی۔“ ساس کے تیز دیکھ کر اس کے طوطے چڑیاں اڑتے جا رہے تھے۔ پھر وہ اس کی ساس تھیں وہ بھلا کہہ بھی کیا سکتی تھی۔ انہوں نے ہلکے سے سر ہلا دیا اور ساتھ کھڑے احد کو پکڑ کر بائیں جانب تکیے پر لٹایا۔ جو خفگی سے صبح کو دیکھتے ہوئے چہرہ چھپانے لگا۔ صبح نے آنکھیں بند کر کے سر کو ہلا کر اسے سونے کا اشارہ کیا اور وہ غصہ سے رخ موڑ گیا تھا۔ یہ بھی شکر کہ اس نے دادی کے ہاتھ کو جھٹک کر کچھ کہا نہیں تھا۔ بس خاموشی سے تکیے میں منہ چھپا گیا۔ صبح نے گہری سانس لی اور ساس کی طرف متوجہ ہوئی جو احد کو اور اسے اشاروں میں گفتگو کرتے دیکھ رہی تھیں۔

”آپ بہت جلدی اٹھ گئیں۔ حالانکہ لمبے سفر کے بعد تو نیند بھی ٹوٹ کے آتی ہے۔“
”بس بہو کیا بتاؤں۔ بڑھاپا بھی بری چیز ہے۔ نیند ہی نہیں آتی۔ یہ ذرا سی نیند بھی غنیمت ہے۔“ وہ آہ بھرتے ہوئے بولیں۔

”لیکن آپ اتنی بھی بوڑھی نہیں ہوئیں۔ ماشاء اللہ سے ابھی بھی جوان لگتی ہیں۔“ یہ سچ بھی تھا۔ وہ کہیں سے بھی اتنی بوڑھی نہیں لگ رہی تھیں جتنا کہہ رہی تھیں۔

”بس جب سے تمہارے سر گئے ہیں زندگی کو بس گزار رہی ہوں۔“ ان کے لہجے میں اداسی در آئی تھی۔
صبح ان تک آئی اور تسلی کے انداز میں ان کے قریب بیٹھ کر ان کے ہاتھ کو پکڑا۔
”دیکھو، یہ سوچکی ہے تو لٹا دو۔“

صبح نے گردن ترچھی کر کے دیکھا نور عین سوچکی تھی۔ پھر اٹھ کر احتیاط سے اسے دوسری جانب لٹایا۔ احد ناراضگی میں ہی سوچکا تھا۔ صبح نے بے ساختہ اس کا ماتھا چوما۔ پھر اٹھ کر ساس کے پاس آ کر بیٹھی۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد انہوں نے اسے اٹھا دیا۔

”جاؤ ہادی انتظار کر رہا ہوگا۔“

اور وہ ناچاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جو بھی تھا، وہ ساس کو کبھی یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کے اپنے شوہر

سے تعلقات خراب تھے۔ پھر وہ جب آنے لگی تو اس کی ساس اٹھ کر دروازے میں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ وہ جو کسی اور کمرے میں جانے کا ارادہ رکھتی تھی ان کی وجہ سے ہادی کے کمرے تک آگئی اور دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے ساس کو سائل پاس کی جواباً انہوں نے بھی مسکراہٹ اچھالی۔ وہ بے بسی کا احساس لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

ہادی بیڈ پر نیم دراز تھا۔ ٹانگوں پر لیپ ٹاپ رکھے وہ سکرین کی جانب متوجہ تھا۔ صبح کے داخل ہونے پر چونک کر اسے دیکھا اور لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتا سیدھا ہوا۔

”مجبوری تھی بغیر دستک کے آنا۔ کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ دیکھ رہی تھیں۔“ وہ اعتماد سے بولتے ہوئے ایک جانب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہادی نے جیسے سمجھتے ہوئے ہولے سے سر ہلایا۔

”آپ آرام سے اپنا کام کریں۔ میری موجودگی سے کوئی ڈسٹربنس نہیں ہوگی۔ میں کچھ دیر بعد چلی جاؤں گی۔“ وہ ہادی اور شہرین کی ایک تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ہادی نے بنا کچھ کہے اپنا لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔ پھر گاہے بگاہے اس پر نظر ڈال لیتا۔ جو اس کی اور شہرین کی تصویروں کو ماتھے پر بل ڈالے دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیوں ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہادی کے لبوں کو چھو گئی۔ پھر کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک وہ اسی میں مصروف رہی اور ایک زوردار اف کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے بہت تھک گئی ہو۔ پھر کمرے سے چلی گئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے اپنے کمرے تک آئی اگر جو سا سوا ماں جاگ رہی ہوئیں تو کلاس لگ جانی تھی لیکن اسے بچوں کو ایک نظر دیکھنا تھا اور اسے پورا یقین تھا اس کی ساس اپنے کمرے کی بجائے اس کے کمرے کو ہی اپنا ٹھکانہ بنانے کا ارادہ کر چکی تھیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کمرے میں جھانکا۔ حالانکہ انہیں کم نیند آتی تھی پر شکر کہ وہ سو چکی تھیں لیکن نور عین بالکل بیڈ کے کنارے پہ تھی۔ کسی بھی وقت گر سکتی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی نور عین کے پاس گئی۔ اسی وقت نور عین نے کروٹ لی لیکن اس کے گرنے سے پہلے صبح نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اور خود میں بھینچا۔

”مجھے بھیج کر خود بے خبر سو گئیں۔ ابھی جو نور عین گر جاتی۔“ اس نے غصہ سے سوچا۔ اب یہ تو ناممکن تھا کہ وہ بچوں کو وہیں چھوڑ جاتی۔ پھر کچھ سوچ کر نور عین کو اٹھا کر باہر جانے لگی۔ مڑ کر احد کو دیکھا جو آڑھا تر چھا سو یا ہوا تھا۔ واپس آ کر تکیے اٹھا کر بیڈ کے کنارے کے ساتھ رکھے۔ یہ احد کو گرنے سے بچانے کی ایک کوشش تھی۔ پھر

نور عین کو لیے ”اپنے“ کمرے میں آئی۔ ہادی نور عین کو دیکھ کر حیران ہوا۔ صبح نے جا کر اسے بیڈ پر لٹایا۔
”کیا ہوا؟“ ہادی نے حیرت سے سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔“ اسے سلاتی وہ احد کو بھی لے آئی۔ پھر نور عین ہادی کی طرف تھی اور احد نور عین کے قریب۔ وہ بیڈ جہازی سائز تھا۔ سو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے اپنا تکیہ دوسری جانب ٹھیک کرنے لگی اور ہادی حیرت سے اس کا ردائی کو ملاحظہ کر رہا تھا۔

”بچوں کو یہاں کیوں سلایا ہے؟“

”بچوں کو میرے بغیر سونے کی عادت نہیں ہے۔ دوسرا رات کو ایک دو بار اٹھتے بھی ہیں۔ اور میرے کمرے میں آپ کی اماں اپنا قیام فرما چکی ہیں۔ بچوں کے کمرے میں اس لیے نہیں گئی کہ وہاں میرے سونے کی جگہ نہیں تھی۔ زمین پر سونا پڑتا۔ سولاسٹ آپشن یہی تھا۔“ وہ چادر کی سلوٹوں کو سیدھا کرتے ہوئے بولی۔ ہادی اس تفصیلی جواب اور اس کے اطمینان کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ شہرین کی جگہ ہے۔“ وہ بیٹھ ہی رہی تھی کہ بے ساختہ ہادی کے منہ سے نکلا۔ صبح کرنٹ کھا کر اس کی جانب مڑی۔ بے یقینی اور دکھ سے اسے دیکھا۔ ہاتھ میں پکڑی چادر کو ایک جانب پھینک دیا اور ضبط کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آئی ایم سوری۔“ ہادی اس کے چہرے پر پھیلنے دکھ کو دیکھ کر جیسے ہوش میں آیا تھا اور خود کو ملامت کی۔ وہ ان سنا کیے اوپر رکھے تکیوں کو بیڈ کے کنارے سے ایک آڑ کے طور پر رکھنے لگی تاکہ احد گر نہ جائے۔
”آئی ایم سوری صبح۔ آپ سو سکتی ہیں اس طرف۔“

وہ ان سنا کیے اپنا کام کرتی رہی پھر اس سے فارغ ہو کر اسی کرسی کی جانب آئی۔ جس پر پہلے بیٹھی تھی۔ بد قسمتی سے اس بیڈ روم میں کوئی صوفہ نہیں تھا کیونکہ شہرین کو بیڈ روم میں صوفہ رکھنا ناپسند تھا۔ ہادی افسوس سے اس کے ضبط سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی یہی چاہتا تھا کہ وہ اس طرف نہ سوئے لیکن صبح کے چہرے کو دیکھ کر وہ خود کو ملامت کرنے لگا۔ کیا تھا جو ذرا برداشت کر لیتا۔ ہادی لیپ ٹاپ کو ایک طرف رکھتے اٹھ کر صبح کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

”آپ پلیز چل کر سوائیں۔ صبح کو پھر جلدی اٹھتی ہیں۔“

صبح نے رخ پھیر لیا۔

”اچھا میری جگہ پر سو جائیں۔“ ہادی نے تلافی کرنا چاہی۔ صبح اس کی بات سن کر جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بھکارن سمجھ رکھا ہے مجھے۔ جب آپ دینا چاہیں جب نہ دینا چاہیں۔ کون ہوں میں۔ ہاں، بیوی نہیں سمجھتے کم از کم ایک عورت سمجھ کر ہی عزت کر لیں۔ آپ کو میں اتنی گئی گزری گئی ہوں کہ آپ کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ سے رشتہ بنانے کے لیے کوششیں کروں گی۔ اور سب سے بڑی بات میں ایسا کیوں چاہوں گی؟ میں پہلے بھی واضح کر چکی ہوں آپ پر مجھے دوسری عورتوں کی طرح سمجھنے کی کوشش بھی نہ کیجئے گا۔ کہ جو سیکنڈ ہینڈ شوہروں کو آرام سے قبول کر لیتی ہیں اور پھر ان کی محبت پانے کے لیے جتن بھی کرتی ہیں۔ میں صبح فاروق ہوں۔ میں مرنا پسند کروں گی لیکن آپ جیسے مرد کے لیے کوششیں کرنا نہیں۔“

ہادی کے چہرے پر جیسے خون سمٹ آیا تھا۔

”میں اس گھر میں آپ کی محبت کے لیے نہیں، اپنی مجبوری کو رہ رہی ہوں۔ جس دن وہ مجبوری ختم ہوئی۔ ایک لمحہ بھی یہاں نہیں رہوں گی۔ آپ کو اپنی بیوی کا عشق مبارک ہو۔ میں اکیلی بھی اپنی ذات میں بہت خوش ہوں۔“ گردن اٹھائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ دہلی آواز میں شیرنی کی طرح غرائی تھی۔ اس کی مجبوری نے بھی اس کی گردن نہیں جھکائی تھی۔ ہادی اس انداز پر کھول کر رہ گیا تھا لیکن مٹھیاں بچھنے چند قدم پیچھے آیا۔

”اور اس کمرے میں اپنی مرضی سے نہیں آپ کی والدہ کی وجہ سے آئی کیونکہ وہ جس طرح یہاں تک آتا دیکھتی رہی ہیں مجھے امید ہے صبح بھی وہ مجھے اسی کمرے سے نکلتا دیکھنا چاہیں گی۔ آپ کی والدہ کے احترام میں یہاں آئی ہوں۔ آپ کی بیوی سے آپ کے عشق میں خلل ڈالنے نہیں۔“ وہ اپنی بات کر کے بیٹھ گئی۔

ہادی نے شرٹ کے اوپری بٹن کھول دیئے۔ اس کی باتوں نے دماغ کو کھولا کر رکھ دیا تھا۔ بھلے سچی باتیں تھیں مگر اتنا سچ کون برداشت کرتا ہے۔ ایک تو سچ کڑوا اوپر سے انتہائی کڑوے انداز میں بولا جائے۔ وہ اپنی

کھولن نکال کر اب سکون سے بیٹھی اسے کھولتا دیکھ رہی تھی۔

”ہادی ارتضیٰ! تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ جو میرا دل نوچتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہوں کیونکہ معافی مجھے سکون نہیں دیتی۔ ہادی ارتضیٰ، تم بھی تو بے عزتی کرنے کا، ذلیل کرنے کا مزہ چکھو اب۔“

ہادی نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے ایک گلاس پانی کا بھر کر پیا اور گہری سانس لیتا اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھا۔ وہ بھول کر بھی اب صبح کی جانب نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ بھول کر بھی نہیں۔ صبح نے مطمئن ہو کر ٹانگیں سمیٹ کر اوپر کر لیں اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند لیں۔



نیند تو ہادی کی بھی اڑ گئی تھی جو لاکھ کوششوں کے بعد بھی نہ آئی لیکن آنکھوں پر بازو رکھے وہ لیٹا رہا۔ صبح کرسی پر ہی بیٹھی رہی۔ نہ دوسرے کمرے میں گئی تھی نہ ہی بیڈ پر آ کر سوئی تھی۔ اس وقت کمرے میں زیر و بلب کی ہلکی سی روشنی تھی۔ وہ سوچوں کے جہان میں گم تھا جب اسے پہلو میں نور عین کی ہلچل محسوس ہوئی اور نیند میں ہی منہ بنا کر رونے کی تیاری کی۔ ہادی نے نور عین کی طرف رخ کیا۔ جواب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور روتے ہوئے ہادی کے پیروں کے ساتھ جاسوئی لیکن نیند میں اس کی بے چینی واضح تھی۔ ہادی کو اس بے چینی کی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ وہ کہنی کے بل اونچا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔

”کیا ہوا بیٹا۔“ ہلکے سے پچکار کر پوچھا اور وہ جیسے نیند میں اسے بتا ہی دیتی۔ ہادی نے اس کی بسورتی شکل کو دیکھ کر دو تین بار اسے پکارا۔ جواب تو وہ کیا دیتی البتہ پورا پروگرام سیٹ کرتی رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز سن کر صبح اٹھ کر آ گئی۔ کچی نیند سے اٹھنے پر آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ وہ ہادی کی سائیڈ سے آئی اور نور عین کو اٹھانے لگی۔ ابھی بھی اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اور دوپٹہ ایک جانب جھول رہا تھا۔ نور عین کو پچکار تے ہوئے وہ واش روم لے گئی۔ جب باہر آئی تو نور عین اس کے کندھے پر سو رہی تھی۔ ہادی کے اوپر سے ہی نور عین کو اس کی جگہ پر سلا یا۔ پھر اسی طرح آدمی سوئی جا گی کیفیت میں وہ باہر چلی گئی۔

ہادی اس ساری کارروائی کو خاموشی سے ملاحظہ کرتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ میں دو فیڈر اٹھائے واپس آئی۔ اب کی بار بھی ہادی کی سائیڈ سے اس نے نور عین کے منہ میں فیڈر ڈالا۔ وہ نیند کی ہی کیفیت میں ہادی کے

اور چھکی ہوئی تھی۔ ہادی سانس روکے اسے تنکے جا رہا تھا۔ جو بھول کر بھی اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اب اسے دیکھتے سانس لینا بھی بھول رہا تھا۔ وہ دائیں ہاتھ سے نور عین کا فیڈر پکڑے ہوئے تھی۔
 ”آنکھیں تو پوری کھول لو۔“ اس کی ادھ کھلی آنکھوں کو دیکھ کر ہادی ہولے سے بولا۔
 ”نہیں پھر نینداڑ جائے گی۔“

ہادی تو دنگ ہی رہ گیا۔ کرسی پر بھلا اسے نیند کیسے آگئی تھی اور پھر نیند سے اٹھنے کے بعد دوبارہ بھی ایسی غیر آرام دہ جگہ پر سونے کا ارادہ تھا۔

پھر جب نور عین نے اپنے دونوں ہاتھوں سے فیڈر خود پکڑا، وہ پیچھے ہو گئی۔ دوسرا فیڈر احد کے ساتھ رکھتی وہ کرسی پر جا بیٹھی اور سابقہ پوزیشن میں چلی گئی۔ یعنی نیند..... ہادی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اور جس کو کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا بس حیرت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دوپٹہ حسب سابق ایک جانب تھا اور وہ اب ٹانگوں کو لٹکائے سر کو کرسی کی ہتھی پر رکھے سو رہی تھی۔ اس کی نیند کی حیرت تو ایک طرف۔ ہادی کو اسے ایسے سوئے دیکھ کر ترس آیا اور خود پر غصہ آیا۔ کیا ضرورت تھی اس سر پھری کو ایسی کوئی بات کہنے کی۔ اور جتنا اب تک وہ اسے جان پایا تھا وہ بلا کی ضدی اور انا پرست بندی تھی۔ وہ بے آرام ہو کر سونا گوارا کر سکتی تھی لیکن اپنی بے عزتی نہیں برداشت کر سکتی تھی۔ اور نیند کی کیفیت میں بھی وہ شہرین کی سائیڈ سے بچوں کی طرف نہیں گئی تھی۔

”میں انا پرست بلا کا تھا سو گرا تو اپنے ہی پاؤں میں.....“ یہ مصرع تو اس پر فٹ بیٹھتا تھا۔
 پھر نور عین نے فیڈر خالی کیا تو کروٹ لے کر خالی فیڈر ایک طرف کرتی پرسکون سو گئی۔ ہادی گہری سانس لیتا سونے کی تیاری کرنے لگا۔ صبح پر آیا غصہ تو یوں ختم ہو چکا تھا جیسے کبھی آیا ہی نہ ہو۔ اور پھر شاید ایک گھنٹہ ہی گزرا ہوگا کہ احد کی ماما کی زوردار صدا پر ہادی کی آنکھ کھلی اور اس بار بھی صبح اس کی آواز سن کر جھومتی ہوئی آئی۔

”واش روم جانا ہے؟“ اس نے احد کو دیکھتے پوچھا۔

”جی ماما۔“

”آؤ ادھر آؤ۔“ بیڈ سے ذرا دور کھڑے احد کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی نیند میں جھومتا بیڈ سے اتر کر اس کے

پاس گیا۔ ہادی ہکا بکا اس ساری کاروائی کو دیکھ رہا تھا۔ واش روم سے آکر احد کو سلایا اور اس کے ہاتھ میں فیڈر پکڑا کر مڑنے کو کھٹی کہ ہادی ہوش میں آتے صدمہ سے چلا اٹھا۔

”تم نے بچوں کو بغیر میمر کے بیڈ پر سلا دیا۔“

”ہاں تو.....“ صبح بے نیازی سے کہتی اپنی کرسی کی جانب گئی۔

”تو یہ کہ وہ چھوٹے بچے ہیں۔ نیند میں بستر خراب کر دیں۔“

”جب سے انہوں نے بولنا سیکھا ہے میں نے تو تب ہی ان کو میمر زیور کرنا ختم کر دیا تھا۔ جب جانا ہوتا دیتے ہیں۔“ وہ بولتے ہوئے کرسی سے کشن اٹھاتی اسے ہتھی پر رکھ کر سر رکھنے لگی۔

”تم پاگل ہو کیا۔ اتنے چھوٹے بچوں کو میمر نہیں پہناتی۔“ ہادی سب آداب بھلائے غصہ سے اسے گھور رہا تھا۔

”سر۔ سلی رات کے اس وقت آپ بچوں کے میمر نہ استعمال کرنے کے ایضاً پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔“ صبح نے بھی پوری آنکھیں کھول کر اسے جواباً گھورا۔

”ہاں تو مجھے بتاؤ تم نے بیڈ پر بچوں کو بغیر میمر کے کیوں سلایا۔ اور جب وہ بستر خراب کر دیں گے تو.....“

”ہاں تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اپنے ابا کے بستر کو ہی خراب کریں گے اور اس وقت مجھے سونے دیں مجھے شدید نیند آئی ہوئی ہے۔ ویسے بھی آپ کے گھر میں میرے سونے کے لیے ایک بھی جگہ نہیں ہے۔ اللہ اللہ کر کے ایک کرسی سونے کو ملی ہے۔ نیند تو بے آرام ہی آئی اور پر سے فضول بحث چھیڑ کر مزید میرا دماغ خراب نہ کریں۔“ وہ اپنا بولنے کا فرض پورا کرتی آنکھیں موند گئی۔ ہادی کا بے یقینی سے منہ کھلا۔

”اپنی مرضی سے تم نے اپنے شاہی بستر کا انتخاب کیا ہے۔ میں نے تو بیڈ پر سونے کا کہا تھا۔ اور تو اور اپنی جگہ کی قربانی بھی دینے کو تیار ہو گیا لیکن آپ محترمہ کی انا بھی جھکتی تو..... اور کیا کہا بستر خراب ہو جائے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ محترمہ۔“

”ہادی۔“ صبح دہلی آواز میں اس کی بات کاٹتے ہوئے چلا اٹھی۔ ”خدارا! مجھے سونے دیں۔ یہ ساری بحث صبح بھی ہو سکتی ہے۔“

”تو جورات میں بچے میرا بستر خراب کر دیں.....“ ہادی بھی جواباً اسی انداز میں بولا۔ نیند تو اب آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی تو اس مسئلے کو ابھی نمٹالینا بہتر تھا۔ اس بار صبح بنا جواب دیئے پڑی رہی۔

”میری نیند خراب کر کے اب خود سو رہی ہو۔“
صبح جھنجھلا کر رہ گئی لیکن ضبط کیے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

”صبح جواب دو میری بات کا۔“

اور صبح نے غصہ سے اپنے منہ پر رکھا کشن اٹھا کر ہادی کی طرف پوری قوت سے پھینکا۔ جو عین ہادی کے منہ پر آ کر لگا تھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے؟“ وہ بے یقینی سے چیخا۔

”گلا پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچے اٹھ گئے تو خود ہی سلائیے گا کیونکہ میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔“

ہادی تو بے یقینی سے اس کا یہ روپ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی نیند کے لیے اتنی بھی خونخوار ہو سکتی ہے؟

”صبح.....“ بے یقینی کی اس کیفیت میں ہادی کے منہ سے بس یہی لفظ ادا ہو سکا اور صبح آندھی طوفان بن کر اس کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔

”انھیں یہاں سے۔“ اور پھر ہاتھ سے پکڑ کر اسے اٹھا کر ایک طرف کرتی خود اس کی جگہ پر لیٹتی اس کا کمفرٹر منہ تک لے گئی۔

”اب چاہیں تو کرسی پر بیٹھ کر نیند پوری کریں یا محبوبہ کی جگہ پر سو جائیں۔ میری طرف سے گڈ نائٹ۔“
کمفرٹر کے اندر سے اس کی آواز آئی تھی۔ کتنی دیر ہادی وہیں کھڑا رہا۔ جب ہوش آیا تو صبح کے منہ سے کمفرٹر ہٹایا اور وہ اسے گہری نیند میں لگی۔

”کمال کی عورت ہے۔ اتنا جھگڑنے کے بعد بھی کیسے قفاٹ نیند آ گئی اسے۔“ ہادی حیرتوں کے سمندر میں ڈوبا دوسری طرف سے آ کر لیٹ گیا۔ اس کی نیند صبح کی نیند جیسی نہیں تھی جو کسی بھی حال میں آ جاتی۔ بار بار اٹھنے کے بعد۔ اور اتنا بولنے کے بعد بھی برقرار رہتی۔ ہادی نے بے بسی سے تکیہ منہ پر رکھا۔ فجر کی اذانوں کے

کچھ دیر بعد صبح اٹھ گئی تھی۔ نماز پڑھ کر وہ کمرے سے چلی گئی تھی۔ ہادی منہ پر رکھے تکیہ کے نیچے سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اسے بھی نیند آ گئی تھی۔ بچے بھی اس کے ساتھ سو رہے تھے۔



صبح کو فجر کی نماز پڑھ کر چہل قدمی کی عادت تھی اس لیے وہ باہر آ گئی تھی لیکن اپنے کمرے سے ذرا فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھے اپنی ساس کو دیکھ کر اس کی سانسیں اٹک گئیں۔

”یا اللہ! یہاں یہ میری جاسوسی کے لیے بیٹھی ہیں۔“ اس کی ساس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ لب ہلاتے وہ صبح کو وہاں سے نکلتا دیکھ کر نظروں کا زاویہ بدل گئیں۔ صبح کو اس سرد موسم میں بھی پسینہ آ گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ وہاں کیوں بیٹھی تھیں لیکن اس کی ساس نے اسے دیکھنے کے بعد جو نظریں پھیریں تو پھر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یعنی وہ یہ باور کرانا چاہتی تھیں کہ وہ ویسے ہی وہاں بیٹھ گئی تھیں اور انہوں نے صبح کو نہیں دیکھا تھا۔ صبح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے پاس گئی اور سلام کیا۔

”ارے اتنی جلدی اٹھ گئی تم۔“ وہ اسے دیکھتی خوشدلی سے بولیں۔ صبح اس ڈرامے بازی سے بے زار ہوئی۔ لیکن اخلاقاً مسکرائی۔

”جی، میری بچپن سے ہی فجر کے وقت اٹھنے کی عادت ہے۔ پھر تھوڑی دیر چہل قدمی کرتی ہوں۔ آپ کے لیے چائے یا جوس کچھ بنا دوں۔“

”نہیں۔ تم جاؤ۔ مجھے اتنی صبح کچھ لینے کی عادت نہیں ہے۔“ وہ سر ہلاتی جانے لگی کہ اس کی ساس نے نیا سوال پوچھ لیا۔

”ہادی نہیں اٹھا؟ اور بچوں کو رات کیوں لے گئی تھیں۔ میں تو تھی ان کے پاس۔“

”جی وہ سو رہے ہیں۔ دراصل بچے رات کو ایک دو بار اٹھتے ہیں۔ میں نے سوچا آپ کو تنگ کریں گے اس لیے اپنے کمرے میں لے گئی۔“

”بچوں کا الگ کمرہ تو ہے۔ انہیں وہاں سلایا کرو۔ اپنے ساتھ کیوں سلاتی ہو۔“ وہ جانتی تھی یہ سوال نہیں تھا، یہ حکم تھا۔ وہ ان کی بات پر مسکرائی۔

”بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ میرا دل نہیں مانتا انہیں الگ کمرے میں سلانے کو۔“

اسے ساس کے رویے سے حیرت ہو رہی تھی۔ پھر ان سے اجازت لیتی وہ لان میں آگئی تھی۔

”یہ صبح بچوں کے پیچھے کیسے پاگل ہوئی پھرتی ہے۔ دن رات اسے بس وہی دکھائی دیتے ہیں۔ میں اسے اپنے بیٹے کے لیے لے کر آئی تھی یا ان بچوں کے لیے۔ ٹھیک ہے بچوں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔ کوئی گورنس رکھ لے۔ اس پر چپک رکھے۔ لیکن یہ تو جیسے دنیا بھلائے بس ان کی ماں بنی ہوئی ہے۔ پوچھتی ہوں میں اس سے کہ اس گھر میں میرے بیٹے کے لیے آئی تھی یا ان کے لیے۔ حد ہوتی ہے کسی بات کی۔ کتنے دنوں سے یہ سب دیکھ رہی ہوں میں۔“

صبح جو ساس سے گپ شپ کرنے کے لیے ان کے کمرے میں جا رہی تھی۔ پہلے تین دن تو ان کی وجہ سے اس نے یونی سے چھٹیاں کی تھیں۔ پھر پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا ساس اور نند سے معذرت کر کے یونی جوائن کر لی تھی اور پھر وہ ان لوگوں کو چاہ کر بھی زیادہ وقت نہیں دے پا رہی تھی۔ کل آف تھا تو وہ اپنے مہمانوں سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن اندر سے آتی ساس کی آواز میں یہ باتیں سن کر باہر ہی کھڑی رہ گئی۔

”جی اماں میں بھی جب سے آئی ہوں یہی دیکھ رہی ہوں۔ اور پڑھنا ہے بچوں کے لیے۔ جب یونی جاتی ہے تو پیچھے دو تین گھنٹوں بعد بچوں کو وید یو کال کرتی ہے۔ اس کے لیے نصیبو اور شا کرہ کو مارٹ فون بھی لے کر دیئے ہیں اس نے۔“

”سچ کہوں تو عجیب ہی بات ہے کہ سوتیلے بچوں سے ایسی محبت۔ ہو سکتا ہے ہادی کا حکم ہو کہ میرے بچوں کا خیال کرو۔“

”نہیں اماں۔ ہادی کا حکم ہوتا تو بس اس کی موجودگی میں ہی کرتی نا۔“

”کہیں ہمیں متاثر کرنے کے لیے تو ایسا نہیں کر رہی۔“ اس کی ساس نے ایک اور خیال پیش کیا۔ ”لیکن میں آج ہی اس پر واضح کر دوں گی۔ مجھے اس کا بچوں کے لیے اس حد تک خیال رکھنا پسند نہیں ہے۔ میرے بیٹے کے لیے آئی ہے اسی کو ہی ساری توجہ دے۔ دشمنوں کی اولادوں کے لیے نہیں لائی میں اسے۔“

”اماں کیا ہو گیا ہے۔ ہادی کی اولاد ہے وہ۔“ اس کی نند برامان کر بولی۔

”لیکن شہرین ماں ہے ان کی۔ میرے لیے گھر کی پہلی خوشی صبح سے ہونے والی اولاد ہوگی۔ ہادی کے دکھ کے خیال سے کچھ نہیں کہا۔ ورنہ میرا دل چاہتا ہے کہ بچے ان کے ننھیال پہنچا دوں۔ ان کی بیٹی کی اولاد ہے وہ جانیں ان کا کام۔“

صبح کو افسوس ہوا تھا اور وہ اسی وقت اندر داخل ہوئی۔

”کیسی ہیں اماں۔ آپ کی آپ کیسی ہیں۔“ وہ مسکراتی ہوئی دونوں کو مخاطب کرتی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

”ہم ٹھیک ٹھاک ہیں اپنی سناؤ۔“ اس کی ساس نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں۔ معذرت کہ اتنے دن آپ لوگوں کو زیادہ وقت نہیں دے پائی۔ میرے پیپرز قریب

ہیں۔ یہ لیکچرز بہت امپورٹنٹ ہیں اس لیے۔“

”ارے کوئی بات نہیں صبح ہم نے بالکل بھی ماسک نہ کیا۔ اچھا کیا آگے ایڈمیشن لے لیا۔“

پھر وہ لوگ یہاں وہاں کی باتیں کرتی رہیں۔

”تو صبح پھر تم کب خوشخبری سنارہی ہو؟“ اس کی ساس نے اچانک پوچھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جب اللہ کی مرضی ہوئی۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”اللہ جلدی اپنا کرم کرے۔ ویسے ڈیڑھ سال تو ہونے والا ہے شادی کو۔“ اور اس کے بعد پوچھے جانے

والے سوالوں کو وہ پہلے بھی سن چکی تھی اس لیے اس نے جلدی سے ساس کا دھیان دوسری جانب لگانا چاہا۔

”اماں! احداور نورین بھی تو آپ کے بچے ہیں۔ ابھی ان سے دل بہلائیں۔“

”دیکھو بیٹا! وہ شہرین کی اولاد ہے۔ مجھے تمہاری اور ہادی کی اولاد دیکھنے کی تمنا ہے۔ اللہ جلد تمہاری گود ہری

کرے۔ اب تو بس یہی خواہش ہے۔“

صبح کا شرم کے مارے منہ چھپانے کو دل کر رہا تھا لیکن ضبط سے بیٹھی رہی۔

”احداور نورین بھی میری اور ہادی کی ہی اولاد ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں بولی۔

”دیکھو، اگر ہادی نے اس معاملے میں کوئی سختی کی ہوئی ہے میں بچوں کو ان کے ننھیال بھجوا دیتی ہوں۔ نہیں

تو ذرا بڑے ہو جائیں کسی بورڈنگ سکول میں داخل کروا دینا۔“ انہوں نے کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا

تھا۔ صبح نے ان کی باتوں کو حیرت سے سنا تھا۔ یہ دادی تھی۔ اس نے تو اپنی اماں کو پوتوں، پوتیوں کے لیے جان چھڑکتے دیکھا تھا۔ یہاں تو شہرین کے خاندان سے دشمنی ہی اس محبت پر حاوی تھی۔
 ”نہیں اماں، ہادی نے ان کے معاملے میں کبھی کچھ نہیں کہا۔ میں خود اپنی خوشی سے ان کے لیے سب کرتی ہوں کیونکہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔“

”اور اس محبت میں تم نے انہیں بہت لاڈلا بنایا ہوا ہے۔ اس دن احد نے اتنا قیمتی گلدان اٹھا کر توڑ دیا تم نے ذرا بھی نہیں ڈانٹا۔ اتنا سرچڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ غلطیوں پر ڈانٹتے بھی ہیں۔“
 صبح کا دل افسوس سے بھر گیا۔

”اماں! وہ اس گھر کے بچے ہیں۔ میں تو ایسے نقصانات پر کسی غیر بچے کو بھی نہ ڈانٹوں۔ پھر وہ تو میرے اپنے بچے ہیں۔ دوسرا بھی بہت چھوٹا ہے وہ۔ ڈھائی سال کا بھی نہیں ہوا ابھی۔ میرے ڈانٹنے سے کیا ہوگا وہ رونے کے بعد دوبارہ ایسا کرے گا کیونکہ بچہ ہے ابھی۔ میری ڈانٹ کو سیریس نہیں لے گا۔“ اس کی آواز میں بھی افسوس در آیا تھا۔ کیسے سنگ دل لوگ تھے وہ کہ خاندانی دشمنی تو دل و جان سے نبھائی جا رہی تھی اور اس کے لیے خونی رشتوں کی بھی پروا نہیں تھی۔



صبح نے کمرے میں آ کر بچوں کو کتنی دیر ساتھ لگائے رکھا۔ ہادی دیکھ کر حیران ہوا تھا لیکن کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ بچے بد نصیب تھے کہ اتنے سارے رشتوں کے ہوتے کسی کے پاس بھی ان کے لیے محبت نہیں تھی۔
 ”لیکن میں ہوں ناں میرے پیارے بچو۔ میری ڈھیروں محبت ان سب کی کمی دور کر دے گی۔“ احد کے سر پر بوسہ دیتے وہ دل ہی دل میں بولے جا رہی تھی۔

وہ رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی کہ اس کی نند بھی کچن میں آ گئی۔
 ”چلو میں ہیلپ کرادوں۔“

”ارے نہیں آپنی، میں کر لوں گی۔ آپ بس بیٹھ کر میرے ساتھ باتیں کریں۔“ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کچن میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں کی جانب لے آئی۔

”اچھا نہیں لگتا تم کام کرو اور میں دیکھتی رہوں۔“ وہ بیٹھنے کو تیار نہ تھیں۔

”آپنی میکے آئی ہیں فل ریٹ انجوائے کریں۔ اور ویسے بھی میں تیزی سے کام پٹا لیتی ہوں۔ مدد کی ضرورت ہی نہیں۔“

”ہاں یہ تو صحیح کہہ رہی ہو۔“ آپنی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ ”ویسے کب سے کوکنگ کر رہی ہو۔ ماشاء اللہ سے بہت ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں۔“

صبح فریج سے گوشت نکال کر سنک میں رکھ رہی تھی۔

”بہت شکریہ۔ کوکنگ کا شوق بچپن سے ہے اور آٹھویں کلاس میں تھی جب اماں نے تنگ آ کر مجھے کچن میں گھسنے کی اجازت دی تھی۔

ہادی کچن میں داخل ہوا۔ صبح بولتے ہوئے مڑی اسے دیکھا تو خاموش ہو گئی۔

”آؤ ہادی، آج تمہاری بیوی سے اس کے لذیذ کھانوں کا راز پوچھ رہی ہوں۔“

وہ کرسی کھینچ کر آپنی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ صبح اس کے بیٹھنے پر جربز ہوئی۔ ٹھیک ہے وہ اس کے ہونے کو نہ ہونا گردانتی تھی لیکن اس وقت وہ اپنی ذاتی باتیں کر رہی تھی۔ نند کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔ اب مجبوراً اسے اسی طرح فرمائے بھرتی زبان کے ساتھ اپنی بات جاری رکھنی تھی۔

”تم اتنی کم عمری سے کوکنگ کر رہی ہو؟“ آپنی تو حیران رہ گئیں۔

”جی۔ اماں نے ہم بہنوں کو میٹرک کے بعد باقاعدہ گھر کے کاموں میں شامل کیا تھا لیکن میں نے اپنے شوق کی وجہ سے کچن کے کاموں میں جانے کی جلدی کی۔ پھر کالج کی پڑھائی کے باوجود بھی ہر آئے دن کچن میں ملتی۔ بس پھر وقت کے ساتھ کوکنگ میں نکھار آتا گیا۔ شروع میں اماں کی ریسپز ٹرائی کرتی تھی۔ اب تو ہر چیز کو اپنے انداز میں بناتی ہوں۔“

”اسی لیے تو میں کہوں۔ ذائقہ ایک طرف تمہاری کچن میں کام کرتے ہوئے پھرتیاں۔ طریقے سلیقے سے منٹوں میں کام پٹا لینا۔ ورنہ آجکل تو لڑکیاں اگر پڑھائی کر رہی ہیں تو کچن میں جانا انہیں مشکل لگتا ہے۔“ آپنی نے ستائشی انداز میں اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔ ہادی بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

”واقعی ذائقہ بہت ہے اس کے ہاتھ میں۔ لیکن صبح کے صفائی والے معاملے پر میں تھوڑا مشکوک ہوں۔“ صبح کو دیکھتے وہ شرارتی انداز میں بولا۔ صبح گوشت دھوتے ہوئے تڑپ کر پلٹی اور ہادی کو گھورا۔ ہادی نے اس کی شعلہ بارنگا ہوں کو دیکھ کر پھر آپنی کی طرف رخ موڑا۔

”آپ کو بتا دوں کہ آپ کی سلیقہ مند بھابھی بچوں کو بغیر پیپر کے اپنے ساتھ بیڈ پر سلاتی ہیں۔“ صبح کا منہ کھلا۔ ہادی کے چہرے کی وہ مسکراہٹ صبح کو فساد کی مسکراہٹ لگ رہی تھی اور ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ یہ بات کچن میں بھی زیر بحث لے آئے گا۔ اور یہ بحث کرنے والی بات بھی تھی بھلا۔ صبح کو جلال آگیا۔

”نہ یہ کوئی بات ہے بحث کرنے والی۔“
اور آپنی تو حیرت سے اسے تک رہی تھیں۔
”واقعی صبح.....“ وہ جھنجھلا اٹھی۔ جانے کون سا جرم کر رہی تھی۔
”جی۔“ وہ ہادی کو گھورتے ہوئے بولی۔

”اتنے چھوٹے ہیں وہ۔ کیسے منیج کرتی ہو۔ اور کبھی بستر خراب کر دیں..... کیا واقعی صبح؟“ وہ پھر سے بے یقینی کا شکار ہوئیں اور صبح کا دل چاہا وہ ہادی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کچن سے نکال باہر کرے۔ وہ مزے سے بیٹھا اب صورتحال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ رات تو میرے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی۔ اب آپنی کو وضاحت دو کہ ایسی غلطی کیوں کی۔ وہ دائیں ہاتھ کی مٹھی بند کیے ہونٹوں پر رکھے بیٹھا تھا اور چہرے پر طاری کی ہوئی انتہائی سنجیدگی۔
”جی آپنی۔ بچے اب اتنے بھی چھوٹے نہیں ہیں۔ جب سے بولنے کے قابل ہوئے ہیں میں نے پیپر ختم کر دیا۔ پھر ماشاء اللہ سے دونوں بچے سیانے ہیں۔ میں نے سمجھایا کہ جب واش روم جانا ہو بتا دیں۔ مسلسل پیپر کا استعمال بچوں کو غلیظ بناتا ہے۔ وہ صفائی کے معاملات کو دیر سے جا کر سمجھتے ہیں۔ پھر اس طرح بڑے ہونے کے بعد بھی ان کی کپڑے خراب کرنے کی عادت بہت آہستہ سے جاتی ہے۔“ وہ انتہائی مہذب الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی بات کو واضح کر رہی تھی۔

”کمال ہے۔ میری نینا چار سال کی ہے۔ اب بھی کہیں جاتے ہوئے میں اسے پیپر ہی چڑھاتی ہوں۔“

”اگر میرے بچے اس عمر میں بھی منہ پر استعمال کرتے ہوتے تو میری اماں نے میری ڈنڈوں سے تواضع کرنی تھی۔“ وہ ہنسی۔

”دراصل میں بھانجوں، بھتیجیوں کو پلتے ہوئے دیکھ چکی ہوں اور اماں کے سارے طریقے ازبر ہیں تو اپنے بچوں پر بھی اپلائی کر رہی ہوں۔ احد تو اب ڈھائی سال کا ہے۔ یہ جب ڈیڑھ سال کا تھا میں نے تبھی ختم کر دیا تھا۔ اور اللہ کا شکر بچوں نے کبھی بستر خراب نہیں کیا۔ نیند میں بھی جب ذرا آں اوں کریں، میں فوراً واش روم لے جاتی ہوں۔ پھر نتیجہ بھی دیکھ لیں۔ اگر مجھے اٹھنے میں ذرا دیر بھی ہو جائے تو کپڑے خراب نہیں کرتے۔ میرے بچے سکھڑ ہیں۔ اور اماں کہتی ہیں بچوں کو سکھڑ مائیں بناتی ہیں۔“ صباح کے لہجے میں فخر در آیا تھا۔ ہادی نے متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ وہ رات بھول گئی تھی لیکن اس کے بچے تو بھی سکھڑ تھے۔ متاثر تو آپنی بھی ہوئی تھیں لیکن اس کا اعتراف انہیں سکھڑا پے کی لسٹ سے نکالتا تھا اور وہ پاگل نہیں تھیں کہ اپنی بھابھی کے سامنے اس کا اعتراف کرتیں۔

”یہ تو ٹھیک ہے لیکن رات کو نیند سے اٹھنا۔ الثابندہ تنگ ہوتا ہے۔ بھی جب سہولت ہے تو خود کو کیوں خوار کرنا۔“

صبح ہنسی۔ وہ ان کے خالصتا نندانہ لہجے کو پہچان گئی تھی۔

”ہاں سب کی اپنی ترجیحات۔ میں تو بس اپنی اماں کے بچوں کو پالنے کے اصول بتا رہی تھی۔ اور نیند سے اٹھنا تو واقعی دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ شادی سے پہلے تو ایسی نیند آیا کرتی تھی کہ اماں تنگ آ کر کہتی تھیں صبح مردوں سے شرطیں لگا کر سوتی ہے۔ اس کے سر پر ڈھول بجاتے رہو نہیں اٹھے گی۔ لیکن پھر بچوں کے لیے بس آہستہ آہستہ عادت ہو گئی۔ میں سوچتی کہ آج اپنی سہولت دیکھوں گی تو بچوں کا کون سوچے گا۔“ وہ مگن انداز میں بول رہی تھی۔ اس کے چہرے پر محبت بھرا ایک تاثر پھیلا ہوا تھا۔ ہادی دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ حسن دو آتشہ لگ رہا تھا۔ بے ریا محبت کی خالص مسکراہٹ نے چہرے کو ناقابل بیان خوبصورتی عطا کر دی تھی۔ صبح بچوں کے لیے بولتے اپنا غصہ بھول چکی تھی لیکن آپنی کو اس قدر محبت پسند نہیں آئی تھی۔

”بچوں سے محبت تو واقعی بہت ہوتی ہے پھر تمہارا مسئلہ بھی دوسرا ہے پر اے بچے ہیں۔ یہ سوچتی ہو گی کہ توجہ

نہ دوں تو کہیں یہ نہ کہیں کہ سوتیلی ماں ہے۔“

صبح کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ مسکراہٹ معدوم ہوتے ختم ہو گئی تھی۔ ہادی کو آپنی کی بات بری لگی تھی۔

”نہیں، میں اس لیے تو نہیں کرتی کہ کوئی کچھ کہے گا۔ نہ کسی سٹائش کے لیے کرتی ہوں۔“ اگر جو یہ بات ہادی کرتا وہ کیسے تڑخ کر جواب دیتی اور دے چکی تھی لیکن وہ مہمان تھیں۔ وہ آہستگی سے بس اتنا ہی کہہ سکی۔ آپنی بھی دونوں کے چہروں کے تاثرات دیکھتے ہوئے سنبھلیں۔

”ارے نہیں صبح، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم بچوں کے لیے گورنس رکھ لو۔ کیوں خود کو اتنا تھکاتی ہو۔ ہم لوگوں کے لیے تمہاری قدر و قیمت کم نہیں ہوگی کہ تم خود بچے نہیں سنبھالتی۔ ہماری طرف سے تو کوئی پابندی نہیں ہے کیوں ان کے لیے اتنا کر رہی ہو۔“

صبح پھیکے چہرے کے ساتھ ان کی بات سنتی رہی۔ وہ ان لوگوں کو کبھی بھی نہیں سمجھا سکتی تھی کہ بے لوث محبت کیا ہوتی ہے۔ بلاوجہ کیوں کسی سے محبت ہو جایا کرتی ہے۔ وہ لوگ شاید نہیں یقیناً سطحی مزاج رکھتے تھے کہ محبت کے لیے رشتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ان رشتوں کا جن سے محبت کے لیے کسی سرٹیفیکیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور کیونکہ وہ سوتیلی ماں تھی لہذا اس کی محبت، محبت نہیں تھی بلکہ کوئی دکھاوا تھی۔ صبح کو بھانجے، بھتیجے بھی کبھی ایسے پیارے نہیں لگے تھے جو یہ بچے لگتے تھے۔ وہ ہمدردی کرتے ان بچوں سے محبت کر بیٹھی تھی اور یہ کسی کو ہضم نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد صبح پھکی پھکی ہنستی رہی۔ وہ اب تک یہ بھولتی جا رہی تھی کہ وہ اس کے بچے نہیں تھے لیکن آپنی نے یاد دلادیا تھا اور یہ سچ سن کر اسے جانے کیوں بہت برا لگ رہا تھا اور بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ ہادی تھوڑی دیر بعد اٹھ کر چلا گیا تھا۔ صبح نے خراب موڈ کو پس پشت ڈال کر مسکرا کر اپنی مہمان کو دیکھا تھا۔



اس کی ساس بیٹے کے گھر رہنے کے ارادے سے آئی تھیں لیکن جانے کیوں چلی گئی تھیں اور جاتے جاتے اسے شوہر کو قابو کرنے کی یعنی شہرین کا عشق اتارنے کے کئی نسخے بتا گئی تھیں۔ وہ بھی بیٹے کے کمرے میں شہرین کی تصویریں دیکھ چکی تھیں۔ صبح نہیں جانتی تھی کہ ان ماں بیٹے نے اس پر کیا بحث کی تھی لیکن اس پر بہت غصہ کیا تھا کہ اس نے وہ تصویریں کیوں نہیں اتروائی تھیں۔ بچوں پر توجہ کی بجائے شوہر پر توجہ دے۔ وہ خاموشی سے سب

سنتی رہی تھی۔ صبح نے ان کے جانے کے بعد جیسے سکھ کا سانس لیا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کو صبح ناپسند تھی۔ بات یہ تھی کہ انہیں اپنی بہو کا بچوں کے ساتھ اتنا اچھا رویہ پسند نہیں تھا۔ بچوں کے ساتھ ان کا رویہ صبح کے صبر کا جیسے امتحان تھا۔ بچوں کے لیے وہ پہلے رشتہ دار تھے جنہیں وہ دیکھ رہے تھے۔ وہ دادی، پھوپھو کرتے آگے پیچھے پھرتے اور وہ بے زار ہو جاتیں۔ بچے تھے ان رویوں کو محسوس نہیں کر سکتے تھے لیکن صبح کے تو جیسے دل پر لکھے جا رہے تھے۔ وہ ان لوگوں کو دے الفاظ میں ٹوک چکی تھی لیکن ان باتوں سے وہ دونوں ہی اس سے ناراض ہو گئی تھیں۔ اس لیے ان کے جانے پر صبح نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ وہ حیران ہی ہوتی رہی کیسے شعی القلب قسم کے لوگ تھے کہ دشمنی ہر رشتے سے اوپر تھی۔ ہادی کے خاندان میں بھی کسی کو ان بچوں کا نہیں پتہ تھا اس لیے اس کی ساس رشتہ داروں کو ملنے خود جاتی تھیں کسی کو بھی ہادی کے گھر دعوت نہیں دی گئی تھی۔ ان کا یہ طرز صبح کو بچوں کے لیے مزید پوزیسو کر گیا تھا۔ اور یہ پوزیوئیس ہادی ہی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ ویسے بھی بچوں پر غصہ نہیں کرتی تھی مگر اب تو بس نہیں چلتا تھا کہ کہیں چھپا ہی لے انہیں۔ اور ہادی اور اس کے گھر والوں پر غصہ بڑھ جاتا تھا اور جتنی نظروں سے ہادی کو دیکھتی وہ نظریں چرا لیتا تھا۔ اس کی ساس اپنے ساتھ اسے بھی لے جاتی تھیں اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی بچوں کو گھر چھوڑ آتی تھی۔ یہ اور بات جب وہ ان چند گھنٹوں میں ایک طرف جا کر بچوں کے لیے گھر فون کرتی تھی۔ اس کی ساس کے ماتھے کے بل ان گنت ہو جاتے تھے اور فون والی بات پر ان کی ناگواری کا احساس اگر صبح کو ہوتا تو وہ کبھی بھی اس بات کا ذکر نہ کرتی۔ اپنے اٹھ کر جانے کا کوئی بھی بہانہ کر دیتی۔ آپنی بھی میزبانوں کے بیچ بیٹھ کر اسے اٹھتا دیکھ کر ضبط کیے مسکراتی رہتیں اور ہر وزٹ کے بعد تینوں خواتین بس مروت کے مارے ایک دوسرے سے بات کرتیں۔ اس کی ساس اور نند کو صبح پر غصہ ہوتا اور صبح کو ان دونوں کے علاوہ ہادی پر بھی۔ ایسا بھی کیا خاندان کا ڈر کہ انسان اپنی اولاد کو بھی ظاہر نہ کرے۔

ہادی اپنے خاندان میں زیادہ گھلتا ملتا نہیں تھا دوسرا صبح بھی شادی کے بعد ساس نند کے علاوہ کسی کو نہیں جانتی تھی۔ اس لیے وہ کسی کے گھر نہیں گئی تھی۔ اس کی ساس کے آنے سے دراصل اب اسے زندگی بہت الجھی ہوئی لگتی تھی۔ وہ شروع کے کچھ دن چھوڑ کر پھر الجھی الجھی رہنے لگی تھی۔ یہ کیسی عجیب سی زندگی تھی۔ سکون

ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ جو تھوڑا بہت پہلے تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے ساس کے جانے پر سکھ کا سانس لیا تھا۔ اور اس کی ساس نے جانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا یہ وہ خود ہی جانیں۔ ان کے جانے کے بعد صبح کا ان کے رشہ داروں سے میل جول رکھنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ اپنے سر پر اتنی ٹینشن نہیں لا سکتی تھی۔ یہ بھی شکر کہ ان لوگوں کو اس کی ساس کے گھر کا پتہ تھا ہادی نے اپنے گھر ایک بار بھی کسی کو نہیں بلایا تھا اور نہ ہی کوئی آیا تھا۔ صبح کو بس حیرت اس بات کی تھی کہ یہ شہر کوئی لاہور جتنا بڑا تو نہیں تھا کہ ہادی کی شادی خبر چھپانے پر چھپ گئی تھی۔ یا شاید کسی کو معلوم بھی تھا تو صبح کے خیال سے یہ خبر کسی کو معلوم نہیں تھی۔

ان گزرے دنوں میں بس ایک بات اچھی ہوئی تھی کہ ہادی نے اس سے اپنے تعلقات بہت بہتر کر لیے تھے۔ ہر بار جب وہ غصہ میں بھری گھر پہنچتی تھی بچوں پر توجہ بڑھ جاتی۔ دیکھا جاتا تو یہ صورتحال صبح کے حق میں جاتی تھی کہ اس کا سسرال اس کے ساتھ تھا۔ وہ سوتیلے بچوں کو ایک طرف کر دیتی تو یہ ان کے لیے زیادہ خوشی کا باعث بنتا لیکن وہ صبح تھی جسے اماں الٹی کھوپڑی کہا کرتی تھیں۔ جو بہتے دریا کی مخالف سمت میں بہنا پسند کرتی تھی۔ اس لیے اسے اپنے سرالیوں کی اپنے لیے محبت اور بچوں کے لیے نفرت نے ان سے بے زار کر دیا تھا۔

صبح اپنا اور بچوں کا سامان واپس اپنے کمرے میں رکھ رہی تھی۔ ہادی ایک جانب رکھی کرسی پر بیٹھا موبائل میں مگن تھا۔ ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے بھی دیکھ لیتا تھا۔

”اگر تم یہیں رہ جاؤ اور بچوں کے لیے ساتھ والا کمرہ سیٹ کر دو.....“ ہادی لا پرواہ انداز میں بولا۔ صبح تڑپ کر پلٹی اور اسے گھورا۔

”بہت شکریہ آپ کی آفر کے لیے۔“

”جیسے تمہاری مرضی۔ میں نے تو صلاح مار کر اپنا میزبانہ فرض نبھایا۔“ ہادی نے کندھے اچکائے۔ صبح نے رخ موڑ کر اسے چڑایا۔

”ہونہہ فرض نبھایا۔“ اور الماری سے اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھتی رہی۔

”ویسے تم لڑکیاں اتنے کپڑے کیوں بنواتی ہو۔ اب دیکھو جیسے صرف ایک مہینے کے لیے یہ ڈھیروں کپڑے

تم یہاں لے آئی.....“ یقیناً ہادی اس وقت اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھا اور صبح پتہ نہیں کیوں سامان سمیٹتے ہوئے چڑ چڑی ہو رہی تھی۔

”ہاں تو آپ کو کیا مسئلہ ہے؟“ وہ اسی چڑ چڑے انداز میں بولی۔

”پتہ نہیں لڑکیاں اتنا بن ٹھن کر کیوں رہتی ہیں۔“ ہادی اسی طرح اپنے راگ الاپ رہا تھا۔ صبح ضبط کیے رہی۔

”پتہ نہیں لڑکیوں میں اتنا غرور کس بات کا ہوتا ہے۔“ یہ سارے پتہ نہیں میں دراصل صبح کا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ جی ہاں ہادی اور صبح کے تعلقات ذرا بے تکلفی تک آچکے تھے جس میں سارا ہاتھ ہادی کا تھا۔ ورنہ صبح کی بلا سے ہادی جہاں جائے۔ اور ہادی یہاں تک کیسے آیا تھا۔ اس کے لیے ذرا کچھ دن پیچھے جانا پڑے گا۔ جب ایک رشتہ دار گھر سے واپسی پر وہ حسب معمول غصہ میں تھی اور اس غصہ کو بس کمرے میں آکر ظاہر کرتی تھی اور نکالتی تھی۔ جب وہ کمرے میں آئی دونوں بچے ہادی کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دونوں بچے اسے دیکھ کر خوشی سے بیڈ سے چھلانگیں مارتے اس تک پہنچے۔

”مما!“

اس نے جھک کر دونوں کو اپنی بازوؤں میں سمیٹا۔

”میری جان!“ اس نے باری باری دونوں کو چوما۔

”مما! ہمیں اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتی ہیں۔ میں کل کو آپ کے پرس میں چھپ جاؤں گا۔“ احد نے منہ پھلا کر اپنی توتلی آواز میں ناراضگی جتائی۔ صبح نے سلگتی نگاہوں سے ہادی کو دیکھا اور پھر احد کے چہرے کو چوما۔

”میں کل کہیں نہیں جاؤں گی۔ سارا دن اپنے بچوں کے ساتھ گزاروں گی۔ کل میری یونیورسٹی سے بھی چھٹی ہے۔“

دونوں بچوں نے خوشی سے نعرہ بلند کیا۔ ان دونوں کو لیے وہ بیڈ کی طرف آئی۔ احد کو اٹھا کر بیڈ پر بٹھایا۔ نور عین نے اپنی ننھی بازوؤں کو اس کی گردن میں ڈالا ہوا تھا اور صبح کو پتہ تھا ابھی نور عین نے اس سے الگ ہونا

بھی نہیں تھا۔ پھر اتنے دنوں سے یونیورسٹی اور ساس کے ساتھ آنے جانے میں وہ بچوں کے ساتھ تو بس رات کو ہی بیٹھ سکتی تھی۔ اور پھر صبح کو وہی مصروفیت۔

وہ احد کے سوالوں پر ہنس رہی تھی۔ جس کے جواب اسے تو کیا آتے البتہ نور عین کے پاس اس کے ہر سوال کا جواب ہوا کرتا تھا۔ ویسے جواب جیسے ایک سال کے فرق والے بہن بھائی ایک دوسرے کو دیا کرتے ہیں۔ کیا ہوا جو وہ دونوں ہی ذرا اتلا کر بولتے تھے لیکن جب مقابلہ ہوتا تو بڑا ہی کانٹے دار ہوتا تھا۔ ابھی بھی نور عین صبح کے دائیں جانب تھی۔ صبح نے جھکن کے باعث بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔

احد، ہادی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان دونوں سے باتیں کرتے ہوئے صبح کو نیند آرہی تھی لیکن ان کے لیے جاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہادی اسے جمائیاں روکتے دیکھ رہا تھا۔ بچے کافی دیر بعد سوئے تھے۔ صبح نے سوئی نور عین کو اٹھا کر اپنے بائیں جانب احد کے ساتھ منتقل کیا۔ ایک کنارے پر ہادی تھا اور دوسرے کنارے پر صبح تھی۔ صبح اپنے ہاتھوں سے دکتے سر کو بارہی تھی۔ ہادی نے کہنی کے بل اونچا ہو کر اسے دیکھا۔

”بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔“

صبح نے سر سے ہاتھ ہٹا کر گردن اوپر کر کے اسے دیکھا اور پھر سر نیچے پھ ڈال دیا۔

”ہاں۔ آج ایک پریزینٹیشن تھی کلاس میں۔ پھر گھر آ کر اماں بھی سارے رشتہ داروں سے آج ہی ملن کرنے کا قصد کیے بیٹھی تھیں۔ تو اب آئی ہوں گھر۔ پاؤں دکھ رہے ہیں۔ سر میں اتنا شدید درد..... افف۔“ وہ تو جیسے بھری بیٹھی تھی۔

”تو اماں کو آج کے لیے انکار کر دینا تھا۔ ہر آئے دن تو کہیں نہ کہیں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ کل چلے جاتے۔“

صبح نے اس کی بات سن کر ہاتھ سر سے ہٹائے اور کہنی کے بل اوپر ہو کر اس کی جانب کروٹ لی۔

”اماں نے بس تیار ہونے کا حکم دیا تھا۔ دوسرا مجھے شرم آتی ہے اس طرح بڑوں کو انکار کرتے۔ اور پھر آپ کے نہ جانے کی کمی کو بھی میں نے ہی پر کرنا ہوتا ہے۔“

ہادی اس کے تھکے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

”مجھے تو اپنے رشتہ دار نہیں پسند۔ پتہ نہیں اماں کو کیوں ان کے ساتھ میل جول پسند ہے۔“ یہ کہتے اس نے

مڑ کر بیڈ کے ساتھ لگے سوچ کو آف کر دیا۔ اب کمرے میں ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی تھی۔ وہ دوبارہ اس کی طرف مڑا۔

”آپ کیوں نہیں پسند کرتے۔“ صبح ٹیکھے انداز میں بولی۔

”اس بات کو رہنے دیں۔ چائے بنا دوں سر میں زیادہ درد ہے تو.....“

”اس بات کو کیسے رہنے دوں۔ آپ کے انہی رشتہ داروں کے ڈر سے آپ کی اولاد کو کسی گناہ کی طرح چھپایا جا رہا ہے۔ میں پوچھتی ہوں کیا یہ کوئی انسانیت ہے؟ اور اگر ان لوگوں کو پتہ چل بھی جائے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ مجھے کہیں آنا جانا اتنا نہیں تھکا تا جتنا آپ کی ماں بہن کا بچوں کے لیے رویہ پریشان کر دیتا ہے۔ انہیں میرا بچوں کو وہاں بیٹھ کر کال کرنا تک نہیں پسند۔ اندازہ ہے آپ کو میں کس ڈہنی کیفیت میں مبتلا ہو چکی ہوں۔“

ہادی نے لب بھینچ لیے۔

”خاندان میں میری اور شہرین کی شادی کا معلوم ہے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ اماں اور آپ کو پر یہ ظاہر کیوں نہیں کیا گیا۔ اور اماں اس بات کو چھپا کر کریں گی کیا۔“

”اف! آپ لوگوں کے خاندان کی سیاست۔“ صبح نے جھرجھری لی۔

”سر میں بہت درد ہے تو چائے بنا دوں۔“ ہادی نے ایک بار پھر آفر کی۔

”نہیں پھر نیند نہیں آئے گی۔“

”مرضی ہے ورنہ میں کسی کے لیے ایسی خدمات فراہم نہیں کرتا۔“ صبح ہنس دی۔

”بہت شکریہ۔ آفر کے لیے۔“ وہ چند منٹوں میں سو گئی تھی۔ ہادی کی جب کہنی تھکی تو وہ سیدھا ہوا۔ رات کو بچے واش روم اور دودھ کے لیے کب اٹھے اسے نہیں پتہ تھا۔ لیکن اس کی آنکھ احد کے رونے سے کھلی۔ جانے وقت کیا ہوا تھا۔

”صبح۔“ اس نے بند آنکھوں سے آواز دی کہ احد کو چپ کرائے۔

”جی۔“ ہادی نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ احد کو تھپک رہی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی رو رہا تھا۔ ”کیا

ہوا ہے اسے۔“

”پتہ نہیں۔۔۔ اس وقت اٹھتا تو نہیں ہے۔“ ہادی آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں ابھی بھی وہی نیلی روشنی تھی۔ ہادی نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ چار بجنے والے تھے۔ پھر احد کو دیکھا۔ صبح اس کے منہ میں فیڈر دے رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے پرے کر دیا۔

”کیا ہوا احد!“ صبح اس کی طرف جھکی ہوئی تھی لیکن وہ رونے میں لگا رہا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ ہلکی آواز میں رو رہا تھا۔ صبح نے اسے گود میں اٹھالیا۔ ہادی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ صبح احد کو چپ کرانے کے جتن کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بھری تھیں لیکن احد پر اپنی نیند خراب کیے جانے کا غصہ کرنے کی بجائے وہ اس کے رونے پر پریشان ہو رہی تھی۔ پھر وہ اسے لے کر ٹہلنے لگی۔ اس کے بچے اور ان کے لیے اس کے لاڈ۔ اس کے سامنے نیند بھری آنکھوں سے اس کے بیٹے کو کندھے سے لگائے ٹہلتی عورت تھی۔ وہ عورت کہ جو سر ہانے ڈھول بجانے پر بھی نہ اٹھتی تھی اس کے بچوں کی ذرا سی آواز پر اٹھ جاتی تھی۔ وہ اپنا آرام سکون ان بچوں کے سکون کے لیے قربان کر دیتی تھی۔ انوکھا نہیں تھا یہ کہ کسی کے لیے آرام سکون قربان کیا جائے یہ تو ماؤں کا خاصہ ہوا کرتا ہے انوکھا تو یہ تھا کہ وہ ان کی ماں نہیں تھی لیکن ماں بن گئی تھی۔ اپنے دکھتے پیروں سے اس کے بچے کو چپ کرانے کے لیے یہاں سے وہاں تک چل رہی تھی۔ کمرے کی اس نیلی ٹھنڈی روشنی میں وہ چہرہ کس قدر پر نور لگ رہا تھا کہ اس کے چہرے پر پھیلی محبت کا نور ارد گرد کی ہر شے کو نور میں رنگنا چاہتا تھا۔ ہادی کو لگا جیسے وہ نور کسی مخلوق کی مانند اس میں حل ہوا جارہا تھا۔ جیسے سادہ پانی میں کسی رنگ کا محلول شامل ہوتے پانی کو رنگ بخش دیتا ہے۔ ہادی نور نور ہوا جارہا تھا۔

آہستگی سے اٹھ کر وہ اس تک پہنچا۔ صبح اسے سامنے دیکھ کر رک گئی۔

”نیند میں ڈر گیا تھا۔ روز آیت الکرسی پڑھتی ہوں آج تھکن میں یاد نہیں رہا۔ بس تھوڑی دیر میں اب سو جائے گا۔“

تھکن اور نیند کا غلبہ تھا اس پر۔ ہادی نے خاموشی سے آگے بڑھ کر احد کو اس سے لیا۔

”میں سلا رہی ہوں آپ کے پاس آ کے رونے نہ لگ جائے۔“

ہادی نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کے بالوں کو چھوا۔

”بہت تھکی ہوئی ہو۔ سو جاؤ۔“

صبح کی پہلی بار نیند سے اٹھنے کے بعد یوں بھک سے نینداڑی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ہادی کو دیکھا۔ وہ نرمی سے مسکرایا۔ وہ جھٹکے سے مڑ کر بیڈ پر جا کر سو گئی اور منہ تک کمفرٹر لے لیا۔ اس رات ہادی کا دل بدل گیا تھا۔

ہادی نے اس کی جھنجھلاہٹ کو بغور دیکھا۔ بہت چڑچڑی ہو رہی تھی وہ۔ اس رات کے بعد سے صبح اس سے کترائی کترائی رہتی تھی۔ ہادی کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ خالص عورت تھی اس لیے خالص جذبے ہی چاہیے تھے اسے۔

”بد تمیز گھور کیسے رہا ہے۔“ صبح اس کی نظروں کو محسوس کر کے جل رہی تھی۔



اب گھر والوں کی کال کا جواب صبح انتہائی تمیز سے دیا کرتی تھی۔ ایسی کایا پلٹ کی وجہ انہیں تو اس کی خوشگوار زندگی لگتی تھی۔ اب اس سے آنے کے لیے کہا جاتا تو ڈھیروں بہانے تراش لیتی۔ تعلقات کی بحالی کے بعد وہ چاہتے تھے کہ وہ کم از کم ایک دو ماہ بعد ایک چکر لگایا کرے لیکن صبح ہر بار نئے بہانوں سے معذرت کر لیتی۔ اب بظاہر سب ٹھیک تھا لیکن پھر بھی صبح کے دل کو چین نہیں تھا۔ ہادی کا دل اس کے لیے موم ہوا تھا لیکن صبح جھنجھلائی رہتی۔ وہ ہادی کو جو بھی کہتی لیکن اس کے ماتھے پر اب بل نہیں آتے تھے۔ صبح پھر کس طرح سے اس سے جھگڑے کو برقرار رکھتی۔ وہ پہلے کے انداز میں سختی سے بات کرتی جو اب ہادی ہمیشہ کی طرح ناراض ہو کر اس جھگڑے کو دونوں پر محیط نہیں کرتا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ جب ناراضی اسے مخاطب کرتا تو وہ زچ ہوا ٹھتی۔

”کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ ناراض کیوں نہیں ہوتا۔“

آج سنڈے تھا۔ بچے لان میں نصیبو اور شا کرہ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ہادی ابھی تک کمرہ نشین تھا۔ ناشتے کے لیے بھی نہیں آیا تھا۔ صبح حسب معمول کچن میں تھی۔ غناء آپنی سے کال پر بات بھی ہو رہی تھی۔ موبائل پیکر پر تھا۔ وہ آلو کے پراٹھے بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔

”آپی! فی الحال تو آنا مشکل ہے کیونکہ.....“ قدموں کی آواز پر مڑ کر اس نے دیکھا۔ ہادی تھا۔

”صبح! ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی ہو۔ مجھے لگتا ہے ابھی تک اماں سے ناراض ہو۔“ وہ مڑی۔ دونوں ہاتھ آٹے سے لتھڑے تھے۔ سپیکر آف نہیں کر سکتی۔ لب بھینچ کر رہ گئی۔

”نہیں آپی ایسی بات نہیں ہے۔“

ہادی فریج سے پانی نکال کر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھا اور گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگا۔ وہ ابھی نیند سے اٹھ کر آیا تھا۔

”ہاں میں جیسے جانتی نہیں ہوں تمہیں۔ چندا! اماں تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔“

”آپی! وہاں سب کیسے ہیں۔“ اس نے جلدی سے بات کاٹی۔ ہادی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اپرن باندھے ڈھیلے جوڑے میں بندھے بال پشت پر تھے۔ ایک لٹ بار بار چہرے پر آ کر اسے تنگ کر رہی تھی۔ ہادی اس کا سائیڈ پوز دیکھ رہا تھا۔ صبح پہلی بار اپنے میکے میں بات کرتی نظر آئی تھی اسے۔

”سب ٹھیک ہیں۔ اور ہاں مبارک ہو ایک بار پھر پھوپھو بننے والی ہو۔ سبرین امید سے ہے۔“ اس نے نئی بھابی کا نام لیا۔ (افوہ پانی کا گلاس ہے کہ دریا۔ پیاسی نہیں جا رہا اس سے۔ صدیوں کا پیاسا ہو جیسے۔۔) صبح نے زور سے آٹے میں ہاتھ مارا۔

”خیر مبارک۔ آپ کو بھی مبارک ہو۔ ماشاء اللہ سے بہت اچھی خبر ہے۔“

ہادی گلاس خالی کر کے کھڑکی کے اس پار دیکھنے لگا۔ بچوں کی آوازیں یہاں تک بھی آرہی تھیں۔

”تو پھر تم کب اچھی خبر سنارہی ہو؟“ وہ شرارتی انداز میں بولی۔

”جی۔“ اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے۔

”جی صبح بہن، ہم سب بے چینی سے آپ کی جانب سے اچھی خبر کے منتظر ہیں لیکن میں یہ سوچتی ہوں کہ ہمارے بچوں کو تو بس دور سے پیار جتایا کرتی تھی اپنے بچوں کے ساتھ بھی کہیں ایسا سلوک نہ کرو۔ اور جو تم نیند کی پیاسی ہو جب وہ رات کو روئیں گے تو تم نے تو اٹھنا نہیں ہے۔“ غناء نے اسے چھیڑا۔ وہ لمحوں میں پسینہ پسینہ ہوئی تھی۔

”آپی! میں بعد میں بات کرتی ہوں۔ ابھی کچن میں مصروف ہوں۔ اللہ حافظ۔“ اس نے جلدی سے آٹے والے ہاتھ سے کال کاٹ دی اور چور نظروں سے ہادی کو دیکھا۔ وہ کھڑکی کے اس پار دیکھ رہا تھا۔ اس کی سانسیں معتدل ہوئیں اور وہ لا پرواہ بن کر اپنا کام کرنے لگی۔

ہادی اٹھ کر صبح کے قریب کاؤنٹر کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ سلیب سے ٹیک لگائے براہ راست اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آٹے سے فارغ ہو کر اب آلو چھیل رہی تھی۔ وہی ہمیشہ کی طرح اس کو نظر انداز کرنا۔ دیکھ رہا ہے تو دیکھتا رہے لیکن نہیں..... وہ پہلے کی طرح نہیں دیکھتا تھا اب۔ صبح کو غصہ آیا۔

”کیا مسئلہ ہے، کیوں گھور رہے ہیں۔“ بالآخر اس کا ضبط چھلکا۔

”پہلے تو بڑی جانفشانی سے مجھے انکور کیا کرتی تھیں، اب.....“ ہادی نے مسکراہٹ ضبط کی ہوئی تھی۔

”کیونکہ پہلے آپ لو فرانہ انداز میں نہیں دیکھتے تھے۔“

ہادی کا قہقہہ بلند ہوا۔ وہ خفیف سی ہو گئی۔

”مذاق ایک طرف۔ شکریہ میرے بچوں کو سنبھالنے کے لیے۔ میرے گھر کو سنبھالنے کے لیے۔ میری کوتاہیوں کے باوجود بھی میرے گھر میں رہنے کے لیے۔ مجھے اندازہ ہے تم اپنے مزاج کے خلاف جا کر بچوں کے لیے بہت کچھ کرتی ہو۔“

”کیونکہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔ اس کے لیے آپ کو شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے چھری چلاتے ہاتھ کو روک کر سنجیدگی سے ہادی کو دیکھا۔

”ضرورت تو ہے کیونکہ وہ تمہاری ذمہ داری نہیں تھے۔ پھر بھی تم نے ان کے لیے بہت کچھ کیا۔“ بولتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کی چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے کیا۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی۔

”دور رہ کہ بات کیا کریں مجھ سے۔“ انتہائی سختی سے بولتی وہ کئی قدم پیچھے ہوئی۔ ہادی نے لب بھنج لیے۔

”صبح! مجھے اپنی غلطیوں کا اندازہ ہے میں ان کو اب درست کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے ہمارے تعلق کی شرط محبت رکھی تھی۔ اور اب.....“ وہ رکا۔ صبح اسی طرح اسے گھور رہی تھی۔ ”اب میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ بات کے اختتام تک وہ پرسکون ہو چکا تھا۔

”اور شہرین.....“ اس نے ٹیکھے انداز میں ابرو اچکائے۔

”شہرین میری زندگی کا حصہ تھی۔ مجھے اس سے محبت تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں مجھے کسی اور سے محبت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد مجھے تم سے محبت ہوئی۔ اس طرح کہ یوں لگتا ہے جیسے.....“

”واہ بھی بہت خوب۔ ہو سکتا ہے آپ سچ ہی کہہ رہے ہوں لیکن مجھے اس پر یقین نہیں۔ دوسرا آپ کو یاد ہو میں نے یہ کہا تھا کہ مسئلہ آپ کا مجھ سے محبت کرنا نہیں مجھے بھی تو آپ سے محبت ہو.....“

ہادی نے ہنس کر سر جھٹکا اور قدم بڑھا کر صباح کے قریب آ کر اسے کندھوں سے تھاما۔

”محبت تو تم بھی کرتی ہو۔ لیکن شاید یہ بات تم خود بھی نہیں جانتی۔“

صبح نے غصہ سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دور دھکیلا۔ وہ چند قدم پیچھے کوڑکھڑا گیا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”میں نے پہلے بھی کہا تھا نظریہ ضرورت و طلب کی بنیاد پر مجھ تک نہ آئے گا اور دوسری بات مجھ سے دور رہ کر بات کیا کریں۔“

ہادی کا دل چاہا آگے بڑھ کر ایک لگا دے اسے۔ سارے اچھے موڈ کا ستیاناس ہو چکا تھا۔ اسے کچھ سخت سنانے کا ارادہ ترک کر کے وہ مٹھیاں بھینچے کچن سے نکل گیا۔ صباح نے گہری سانس لی۔

”بد تمیز..... لوفر.....“



اس بار ناراضگی لمبی ہو گئی تھی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا ہادی نے بات نہیں کی تھی اور صباح کو ذرا برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ ہادی اس انتظار میں تھا کہ وہ اسے منائے گی، جو بھی ہو اس جھگڑے سے پہلے ان دونوں کے تعلقات بہت بہتر تھے تو وہ اسی بھروسے ہی یہ امید لگائے بیٹھا تھا لیکن صباح بی بی مجال جو کوئی فرق پڑا ہو۔ ہاں اس بار ہادی نے صباح کے کھانوں سے بائیکاٹ کرنے کی غلطی ہرگز نہیں کی تھی۔ کھانے کی روٹین وہی تھی۔

آج وہ آفس سے دیر سے گھر آیا تھا۔ دیر بھی کیا بس نوبے تھے۔ عموماً اس وقت تک نصیبو اور شا کرہ اپنے کوارٹرز میں چلی جاتی تھیں لیکن آج نصیبو اسے انٹرنس ڈور کے ساتھ ہی مل گئی تھی۔ تھوڑی تیار شیار اور قدرے

پر جوش۔ ہادی دل میں حیران ہوا لیکن پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

”صبح کہاں ہے؟“ وہی سب کے لیے سنجیدہ اور قدرے روکھا انداز۔

”وہ جی بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہیں۔۔۔“

”اسے کہو۔ کھانا لگائے مجھے بہت بھوک لگی ہے۔“ نصیبو کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ حکم دیتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

”لو جی اتنا تیار شیار ہو کر اب بیگم صاحبہ کچن میں کام کریں گی اور ویسے بھی اتنا کچھ بنا ہوا ہے۔ صاحب جی روٹی کی جگہ وہی کھالیں گے۔“ وہ اپنے حساب کتاب لگاتی صبح کے کمرے میں داخل ہوئی۔ پورا کمرہ غباروں سے بھرا ہوا تھا۔ گلاب اور موم بتیوں سے سجاوٹ کی گئی تھی جیسے کسی جشن کی تیاری ہو۔ کمرے کے ایک جانب شیشے کی بڑی سی میز لگائی گئی تھی جو کہ مختلف کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کمرے میں چہل پہل تھی۔ صبح اور بچے تک سک سے تیار تھے۔ شاکرہ نے بھی نئے سوٹ کے ساتھ میک اپ کیا ہوا تھا۔

”وہ جی بیگم صاحبہ! صاحب جی آفس سے آگئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے کہوں کھانا لگا دیں۔ میں نے سوچا آج تو بہت کچھ بنا ہے۔ وہ روٹی کی بجائے یہ سارا کچھ کھالیں گے۔“ آہ بھولی نصیبو کوئی اسے بتاتا کہ بھوک میں صرف روٹی ہی نہیں اور بھی بہت کچھ کھایا جاتا تھا۔ یعنی اس کی سوچ کے مطابق روٹی بھوک مٹا سکتی تھی باقی چیزیں بحالت مجبوری کھائی جاسکتی تھیں۔ آہ بھولی نصیبو..... آہ۔ صبح نے سن کر سر ہلایا۔

”اچھا تم لوگ پانچ منٹ رکو۔ میں آتی ہوں۔“ وہ اپنی ساڑھی کی قال کو درست کرتی اونچی ہیل کی ٹک ٹک بجاتی کچن میں آگئی۔ اس کے پیچھے ہادی بھی آگیا۔ اس کی تیاری کو دیکھ کر حیرت ہوئی لیکن ناراضگی تھی تو کیسے پوچھتا۔ صبح اسے نظر انداز کیے فریج سے آٹا نکالنے لگی۔ پھر اسے کوئنگ ریج کے پاس رکھ کر ایپرن نکال کر باندھا اور پھر پیڑے بنانے لگی۔ ہادی کا دل چاہا اسے اتنے اچھے حلیئے میں کام کرنے سے منع کر دے لیکن بہت بھوک لگی تھی۔

”اوہ! آج کہیں اس کی سالگرہ تو نہیں۔“ ہادی نے سوچا۔

”نہیں۔ سالگرہ اکتوبر میں ہے اس کی۔ بچوں میں سے بھی کسی کی سالگرہ نہیں ہے۔ نہ میری ہے۔“ وہ خوش

فہم ہوا۔“ نہ شادی کی سالگرہ ہے۔ کہیں نصیبو یا شا کرہ کی تو سالگرہ نہیں۔ اوہ، نہیں یا میں کیوں اس میں شریک ہوں گا۔ اور یہ کون سا ان کے لیے ساڑھیاں باندھ کے جائے گی۔ ہونہ۔“ وہ سوچتا پھر مسترد کر دیتا۔ پھر چپکے سے دیکھتا اٹھ کر فریج کی جانب بڑھا کہ جو بھی ہوتا اس نے لازمی کچھ نہ کچھ بنا رکھا ہوگا۔ فریج تقریباً خالی تھا۔ ہادی نے منہ بنایا اور مڑ کر اسے دیکھا۔ جو تو ارکھنے کے بعد اب آنچ سیٹ کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ آکر بیٹھ گیا۔

”اتنی اچھی لگ رہی ہے کیا ضرورت تھی اس حلیے میں روٹی پکانے کی۔ کسی ملازمہ سے کہہ دیتی۔“ پھر یاد آیا عرصہ ہوا وہ ملازموں کے ہاتھ کا کھانا چھوڑ چکا تھا اگر بنا دیتیں تو وہ کون سا کھا لیتا لیکن جو بھی۔ ایسے تو ساڑھی خراب ہو جائے گی۔ ایک تو بلیک کلر ہے خشک آٹا لگ جائے ذرا جو اسے پرواہ ہو۔ وہ کڑھا۔ جبکہ احتیاط سے روٹی تو بے پروا ل چکی تھی۔ ساڑھی کا پلو اوپر کیے اور عادتاً کچن کا کام کرنے سے پہلے کھلے بال جوڑے میں باندھ چکی تھی۔ یہ اور بات سلکی بال ہونے کی وجہ سے ذرا سی بل جل اس جوڑے کو ڈھیلا کر دیتی تھی۔ ابھی بھی اونچا کیا جانے والا جوڑا ڈھلک کر گردن تک آچکا تھا اور کانوں میں پہنے آویزے الگ گردن کو چھو رہے تھے۔ وہ جب روٹی کو ہاتھ پر بیلتی تو چوڑیاں آواز کرنے لگتیں۔ ہادی گہری سانس لیتا پھر سے اسے نکلنے لگا۔ پہلی روٹی اٹھا کر وہ اس کے آگے رکھ کر جا چکی تھی۔ اور سالن۔ دوپہر والے سالن کو گرم کر کے اس کے آگے رکھا تھا۔

”مما!“ احد کچن کے دروازے میں کھڑا زور سے بولا۔ صبح نے تیسری روٹی کو اتارتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا۔

”آپ نے پانچ منٹ کا کہا تھا۔“ وہ منہ پھلائے ناراضگی سے بولا۔ اب وہ قدرے صاف بولتا تھا۔ ہادی نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”آؤ میرے شیر۔“ ہادی نے مسکرا کر اس دیکھا۔

”بابا۔“ اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتا وہ اس کی جانب آیا۔ ”آج آپ اتنی دیر سے کیوں آئے۔ میں کب

سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔“

ہادی نے اسے گود میں بٹھایا۔

”آفس میں بہت کام تھا۔ تم بتاؤ اتنا دیر تک کیوں جاگ رہے ہو۔ اور یہ تیاری کس خوشی میں۔“ ہادی نے ایک چھوٹا نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالنا چاہا۔

”اونہوں بابا۔ میں یہ کھاؤں گا تو پھر وہ سب کیسے کھاؤں گا۔“ اس نے نفی میں سر ہلا کر باپ کی عقل پر ماتم کیا۔ صبح سلیب پر گرے خشک آٹے کو صاف کر کے اب ہاتھ دھو رہی تھی۔ پھر اپرن اتار کر اسے تہہ کر کے دراز میں رکھا اور باقی آٹے کو فریج میں رکھا۔ وہ باپ بیٹے کی گفتگو خاموشی سے سن رہی تھی۔

”کیا سب کھاؤ گے۔“ ہادی حیران ہوا۔

”اوہو ممانے آپ کو نہیں بتایا۔“ اب کہ صبح گڑ بڑائی۔

”چلو احد میں اب فری ہوں۔“ ہادی نے ابرو اچکا کر احد سے پوچھا۔

”بابا! آج ممما کا فاسٹل کا رزلٹ آیا ہے۔ انہوں نے اپنی کلاس میں ٹاپ کیا ہے۔ اس لیے آج گھر میں پارٹی ہے۔ ممانے سب کو انوائٹ کیا تھا۔ آپ کو نہیں بلایا۔“ ہادی کا بے یقینی سے منہ کھلا۔ صبح نے دائیں ہاتھ سے ماتھے کو ہلکا سا چھوا۔

”احد! بابا سا رادن آفس میں کام کر کے تھک گئے ہیں۔ وہ اب آرام کریں گے۔ چلو آؤ۔“ اس نے آگے بڑھ کر احد کا ہاتھ پکڑا۔

”بابا آپ ہمارے ساتھ شامل نہیں ہوں گے؟“ وہ صدمہ بھری آواز میں بولا۔ وہ دونوں ہی گڑ بڑا گئے۔

”نہیں بیٹا میں ابھی چلتا ہوں۔“ ہادی اسے اٹھائے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ صبح کے کمرے میں آ گئے۔ ہادی تو کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”واؤ.....“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

”صاحب جی! ہم سب نے مل کر کمرہ سجایا ہے۔“ نصیبو خوشی سے پرلجھ میں بولی۔ صبح نے ایک گہری سانس لی اور تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔ یہ اس کی خوشی کا دن تھا اور خوشی کی طرح ہی منانا چاہیے تھا۔ وہ چھری اٹھاتی ٹیبل پر رکھے کیک پر پھیرنے لگے۔ اور ہادی..... ٹیبل پر انواع و اقسام کے کھانے سجے دیکھ کر دانت پیس رہا تھا کہ اسے دوپہر کا کدو گوشت کا سالن پیش کیا گیا تھا اور صبح نامی مخلوق کو پتہ نہیں کہاں سے علم ہو جاتا تھا کہ

جو ہادی کی ناپسندیدہ چیزیں ہیں، وہ ناراضگی کے سارے دنوں میں بناتی رہی کیونکہ وہ صبح کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں تو ہادی چپ چاپ کھا لیتا تھا بہر حال وہ بہت ذائقہ دار ہوتی تھیں لیکن یہاں بھی ٹیبل اور پھر کدو گوشت۔ اف صبح ظالم عورت اللہ پوچھے تم سے۔

”مما! آپ کی سالگرہ تو ہے نہیں پھر کیا گائیں۔“ اسے ایک کانٹے دیکھ کر نورعین نے بروقت سوال پوچھا۔ سب ہنس دیئے۔

”کانگر بچولیشنز ٹو پومما کہیں گے، پاگل.....“ احد نے بہن کو تاسف سے دیکھتے کہا۔ پھر تالیوں کی آواز اور سب کی ملی جلی مبارکبادوں کے بیچ اس نے ایک کانٹا۔ ہادی اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ صبح نے پہلے جھک کر دونوں بچوں کو کھلایا اور نصیبو، شاکرہ کی وجہ سے اٹھ کر ہادی کو بھی کھلایا۔

”ایک بھی خود بیک گیا؟“ ہادی کا دماغ ابھی تک کدو گوشت میں اٹکا تھا۔

”جی.....“ صبح اس کی بات کا پس منظر سمجھ کر مسکرائی۔ ہادی اس کی مسکراہٹ سے تلملایا۔

”مجھے کیوں نہیں بلایا؟“ صبح ایک کھلا کر اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

”کوئی اتنی بڑی پارٹی نہیں تھی بس چھوٹا سافٹنشن تھا۔“ وہ جیسے انکساری سے بولی۔

”چھوٹا سافٹنشن..... اور اتنا زیادہ اہتمام..... اور میں کون ہوں؟ اس گھر کا سربراہ اور مجھے پتہ ہی نہیں اور بلایا بھی نہیں..... اور تو اور اتنا کچھ بنا کر مجھے جان بوجھ کر تم نے تین روٹیاں کھلائیں وہ بھی کدو گوشت کے ساتھ۔“

صبح کا دل چاہا تھقبے بلند کرے لیکن ضبط کیے رکھا۔

”آپ کا ہی فرمان تھا مجھے بھوک لگی ہے کھانا پیش کیا جائے۔“

”صبح! کس قدر ظالم ہو تم.....“

”آپ کو کدو گوشت کھلایا اس لیے.....“ یہ ساری گفتگو سرگوشی میں ہو رہی تھی۔ نصیبو اور شاکرہ تو انہیں باتیں کرتا دیکھ کر یوں خوش ہو رہی تھیں گویا اپنی لوسٹوری چل پڑی ہو۔

”نہیں۔ ناراضگی میں مجھے نہیں بلایا اس لیے۔ ویسے مبارک باد۔ اور بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ وہ بھی

سرگوشی میں بولا۔ صبح کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا اور وہ جلدی سے ہادی کی جانب سے رخ موڑ گئی۔ ہادی زیر لب مسکرا دیا۔ پھر ہادی تو صرف چکھ پایا تھا وہ بھی بچوں کے اصرار پر۔ کیونکہ ڈٹ کر روٹی کھانے کے بعد چکھنے کی گنجائش بھی بمشکل نکلی تھی۔ پھر گھٹنے بعد نصیبو اور شا کرہ نے جانے کی اجازت مانگی تھی۔

”دونوں کی جوڑی کتنی اچھی لگتی ہے۔ دونوں ہی راج کے سوہنے ہیں۔“ شا کرہ اور نصیبو جاتے ہوئے آہستہ آواز میں بولتی جا رہی تھیں۔

”بیگم صاحبہ زیادہ سوہنی ہیں۔“ نصیبو تو پہلے دن سے اس کی عاشق تھی۔

”تم نے دیکھا کیسے دونوں محبت سے باتیں کر رہے تھے۔“ شا کرہ نے ذہن میں اس منظر کو تازہ کیا۔

”ہاں مجھے لگتا ہے اب ان کے بیچ کوئی جھگڑے نہیں رہے۔ ویسے بھی بیگم صاحبہ اچھے مزاج کی ہیں۔ صاحب جی بس غصے والے ہیں۔“ وہ دونوں باتیں کرتے اپنے کوارٹرز کی جانب بڑھتی جا رہی تھیں۔



”آج رات کو ایک پارٹی میں جانا ہے۔“

”تو؟“ حیکمے لہجے میں پوچھا۔

”تو یہ کہ بیوی کو بھی ساتھ لے کے جانا ہے۔“

”کمال ہے پچھلے تین سالوں میں ایک بھی دعوت نامہ و دوائف نہیں آیا۔

ہادی نے ماتھے کو ہلکا سا چھوا۔ آخر وہ بغیر کسی حجت کے کیوں نہیں مانتی تھی۔

”کیوں نہیں آیا میں بھی حیران ہوں۔“ ہادی نے بھی ڈھٹائی کی حد کی۔ ایسے تو پھر ایسے سہی۔

”ہم۔“ صبح نے جیسے سمجھ کر سر ہلایا۔

”جی۔“ ہادی نے زور دے کر کہا کہ میں سچ ہی کہہ رہا ہوں۔

”ٹھیک ہے کتنے بچے چلنا ہے۔“ وہ آرام سے مان گئی تھی۔ ہادی نے شکر کا سانس لیا۔

”نوبے تک نکلیں گے۔ بچوں کو سلا دینا ورنہ نصیبو یا شا کرہ میں سے کسی ایک کو بچوں کے ساتھ بٹھا دینا۔“

پھر وہ پورے نوبے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آچکی تھی۔ ہادی اس سے پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اس نے

کلائی پر باندھی گھڑی دیکھی وہ پورے وقت پر تیار ہو کر آ چکی تھی۔ وہ متاثر ہوا۔ وہ غالباً اپنی زندگی میں پہلی خاتون کو دیکھ رہا تھا جو مقررہ وقت پر تیار ہو کر آ چکی تھی۔ وہ ایک بار پھر اس سے متاثر ہوا تھا۔ وہ خود بھی وقت کی پابندی کا قائل تھا اور ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا تھا لیکن اس نے صبح سیر کی توقع نہیں کی تھی۔

”چلیں۔“ صبح نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں چلو۔“ ہادی نے ایک بھر پور نظر سے اس کی تیاری کا جائزہ لیا۔ گھنٹوں تک آتی شرٹ اور نیچے کپیری۔ شرٹ پر اس سے قدرے زیادہ لمبائی کی اوپن شرٹ۔ عموماً اس لباس کے ساتھ اس نے دوپٹہ نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے سلیقے سے اس دوپٹے کو دونوں کندھوں پر لٹکایا ہوا تھا۔ فیشن بھی پورا تھا اور عموماً فیشن والی بے حیائی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

”کیا ہوا۔“ صبح نے اس کے مسلسل گھورنے پر ابرو اٹھایا۔

”کچھ نہیں۔“ ہادی نے گہرا سانس لیا۔ پھر وہ اکٹھے ڈرائنگ روم سے باہر نکلے۔ ہادی نے ایک بار پھر اس کی جانب چہرہ پھیرا۔ وہ ویسے بھی لمبی تھی اونچی ہیل کے بعد اس کے برابر ہی آگئی تھی جیسے۔ ہادی کے اندر ابھرتی خوشی نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ پھر وہ سامنے دیکھتے ہوئے اکٹھے قدم بڑھاتے رہے۔

انٹرنس ڈور پر رک کر صبح نے شا کرہ کو آواز لگائی۔ چند لمحوں بعد وہ حاضر تھی۔

”رات کو پونے بارہ تک نور عین واش روم کے لیے اٹھے گی۔ اس سے پہلے ذرا بھی آں اوں کرے فوراً فیڈر دے دینا۔ کیونکہ ایک بار اٹھ گئی تو آپ سے سوئے گی نہیں نہ ہی چپ ہوگی۔“

”جی بیگم صاحبہ۔“ شا کرہ نے سر ہلایا۔

”ویسے احد زیادہ تنگ نہیں کرتا۔ بچوں کو ایک لمحے کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔ آپ دونوں میں سے کوئی ایک لازمی بچوں کے ساتھ رہے۔“ ہادی دروازہ واکیے اس کے لیے رکا رہا۔ وہ ہادی کی طرف آتے اسے دیکھ کر مسکرائی۔ جوا با ہادی بھی مسکرایا۔ پھر کچھ یاد آنے پر دوبارہ مڑی۔ شا کرہ وہیں ٹھہری تھی۔

”اور ہاں دودھ ٹھنڈا نہ دے دینا نور عین کو کھانسی ہو جاتی ہے۔ اور.....“

”صبح بس کرو نہ شہر سے باہر جا رہے ہیں نہ ملک سے باہر۔ دو گھنٹوں میں واپس آ جائیں گے۔“

”آ رہی ہوں، آ رہی ہوں۔“

پھر جب وہ ہال پہنچے تو وہاں ہر طرف چکا چوندر روشنیاں تھیں۔ رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا۔ صبح پہلی بار اس طرح کی کوئی پارٹی اٹینڈ کر رہی تھی۔ اس نے طائرانہ نظر ہال پر دوڑائی۔ اکا دکا خواتین ہی ڈھکے لباس میں تھیں البتہ دوپٹے والی وہ واحد تھی۔ انہیں دیکھ کر میزبان جوڑا ان تک آیا۔ چند استقبالی جملوں کے بعد انہیں ٹیبل دکھائی گئی۔ ہادی گا ہے بگا ہے اس پر نگاہ ڈال رہا تھا۔

”نروس تو نہیں ہو؟“ وہ جانتا تھا وہ ایسی محفلوں میں کبھی نہیں گئی تھی۔

”نروس.....؟؟؟ نہیں کیوں؟“ صبح نے حیرت سے ہادی کو دیکھا۔ ہادی کو جواب مل گیا تھا۔ بھئی اس کی بیوی بہت پر اعتماد تھی۔ ہادی نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر چند لمحوں کے بعد ہادی اپنے جاننے والوں کی ٹیبلز تک چلا گیا۔ اس سے بھی پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ صبح پہلے تو کچھ دیر ہادی کو ہنستا بولتا دیکھتی رہی۔ پھر پرس سے موبائل نکال کر مختلف ایپس چیک کرنے لگی۔ کچھ دیر ہی گزری ہوگی کہ دو خواتین اس کی ٹیبل تک آئیں۔ صبح نے انہیں دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔ وہ بھی جواباً مسکرائیں۔ ایک دوسرے سے تعارف کے بعد ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی۔ وہ ہادی کے بزنس سرکل سے تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ ہادی پر نظر ڈال لیتی تھی جو ایک گروپ میں کھڑا متانت سے مسکرا رہا تھا۔

”کوئی سوچ سکتا ہے یہ بندہ مجھ سے بچوں کے پیپر پر بحث کرتا ہوگا۔“ یہ سوچ آتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ تبھی ہادی نے اسے دیکھا۔ صبح نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلا۔ وہ ذریعہ مسکرا دیا۔

”ہاؤرومیٹک۔“ اس کے ساتھ کھڑی ایک عورت بولی۔

”جی؟“ اس نے نا سمجھی سے دیکھا۔

”آپ کی شادی کو تین سال ہو رہے ہیں لیکن ابھی بھی ایک دوسرے کو چوری سے دیکھنا اور سہاگل کرنا۔“ صبح نے اپنے اندر سے اٹلتے قہقہے کو روک کر ہنسی میں بدلا۔

”شادی کو تین سال ضرور ہوئے ہیں لیکن محبت اب ہو رہی ہے۔“ وہ دل میں بولی لیکن خاتون کو کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ایک کپل ان کی ٹیبل تک آیا۔

”مسز ہادی ارنٹھی۔؟“ مرد نے پوچھا۔

”جی۔“ وہ ہولے سے مسکرا کر بولی۔

”اوہ۔۔۔ ہیلو کیسی ہیں آپ؟“ کہتے ساتھ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

”ٹھیک الحمد للہ۔“ اس نے ہاتھ کو نظر انداز کر کے مسکرا کر جواب دیا۔ آدمی نے سمجھ کر سر ہلاتے ہاتھ کو پیچھے کیا۔ اس آدمی کی نظریں صبح کو الجھن میں مبتلا کر رہی تھیں۔ عجیب جسم میں گڑ جانے والی نظریں تھیں۔

”بہت خوبصورت ہیں آپ..... صبح۔“

صبح نے کڑی نگاہ سے اسے دیکھا۔

”مسز صبح ہادی۔“ صبح نے مسکرا کر تصحیح کی۔

”آف کورس۔ مس..... از۔“ وہ بھی جواباً مسکرایا۔ صبح گھریلو لڑکی ضرور تھی مگر ڈرپوک نہیں۔ وہ پر اعتماد انداز میں اسے دیکھتے مسکراتی رہی۔ وہ اس کی نگاہوں سے سمجھ گیا کہ وہ اس کی نیت کو پڑھ چکی تھی۔

”ویسے مردوں کی عجیب فطرت ہوتی ہے۔ پہلو میں خوبصورت بیوی کے ہوتے کسی اور کی بیوی کے حسن کے قصیدے پڑھنے لگتے ہیں۔ ہاؤ مین۔“

”حسن کی تعریف ہر انسان کا حق ہے۔ ویسے لگتا ہے آپ ہادی ارنٹھی کا ذکر کر رہی ہیں۔“

وہاں موجود تینوں خواتین کے لیے یہ گفتگو حیرانی کا باعث بنی۔ صاف پتہ چل رہا تھا ایک دوسرے پر طنز کیے جا رہے تھے۔

”میرے شوہر میں ایسی بے غیرت عادتیں نہیں ہیں۔“ صبح نے مسکرا کر اسے سلگایا۔

”مسز صبح! شاید آپ جانتی نہیں ہیں کہ یہ کون ہیں۔“ اس کی بیوی صبح کو گھورتے ہوئے بولی۔

”شکر ہے، نہیں جانتی ورنہ افسوس ہوتا کہ ایسا کامیاب بندہ اور ایسی ذہنیت۔“ مجال جو صبح کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا ہوئی ہو۔

”پلیز جوس لیں نا۔“ اس ڈھیٹ آدمی نے اثر لیے ہٹائیل پر رکھا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔
”نو تھینکس۔“

”پلیز مسز صباح۔ تلخی گفتگو کو جانے دیجیے۔“ صباح نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھ کر آہستگی سے سر ہلایا۔

”شیور۔“ پھر ہاتھ بڑھا کر گلاس تھا منا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ اس آدمی کا ہاتھ اس کے ہاتھ کو چھوتا صباح نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ نتیجتاً گلاس ٹیبل پر گر کر فرش پر ٹھو کریں کھاتا کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ چھنا کے کی آواز پر سب کی گردنیں ادھر مڑیں۔ سارے ماحول میں خاموشی چھا گئی تھی۔ جوس ٹیبل پر گرتے اس ڈھیٹ آدمی کے کپڑے بھی خراب کر گیا تھا۔ ہادی تیزی سے اس تک آیا۔

”مسز صباح! یہ آپ نے کیا کیا۔“ اس کی بیوی صدے بھری آواز میں بولی۔

”کیا ہوا۔؟“ ہادی نے سب کی نظریں اس پر جتے دیکھ کر اپنا دایاں بازو اس کے گرد پھیلا لیا۔ یہ اس کے تحفظ کے لیے خود بخود ہوا تھا اور صباح نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر کر کے اس کے ہاتھ کو پکڑا۔ ہادی نے اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑا۔

”آپ کی مسز نے یہ کارنامہ کیا ہے۔“ اس عورت نے ٹیبل پر گرے جوس کی طرف اشارہ کیا۔ صباح نے دایاں ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

”آریو شیور کہ یہ میں نے کیا ہے؟“

ہادی نے گردن اس کی جانب موڑی جو سامنے کھڑی عورت کو کڑے تیوروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ عورت بنا جواب دیئے اسے گھورتی رہی۔

”کیا مسئلہ ہے؟“ ہادی نے سرگوشی کی۔ سب اس ڈھیٹ آدمی کو دیکھ رہے تھے۔

”اس ڈھیٹ آدمی نے مجھ پر لائن مارنی چاہی، نہیں لگی تو معافی کے بہانے جوس دیا۔ میں لینے لگی تو میرے ہاتھ کو ٹچ کرنا چاہا میں نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور نتیجہ سامنے ہے۔“ بول کر وہ مسکرائی۔

”اس خبیث کی یہ جرأت۔“ ہادی ایک دم سے آگے بڑھا لیکن صباح نے اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑا۔

”ہادی تماشہ بن جائے گا۔ ویسے بھی یہی کافی ہے اس کے لیے۔“

ہادی نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

”ہادی! نہیں۔ پلیز۔“ اس نے ملتی لہجہ اختیار کیا۔ میزبان جوڑا وہاں اس ڈھیٹ آدمی سے بات کر رہا تھا کہ اس کی بیوی نے صبح کا نام لے کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

”مسز ہادی؟“ میزبان خاتون نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”جی۔“ اس نے ہادی کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑے مسکرا کر ادھر رخ کیا۔ صبح نے طائرانہ نگاہ ہال پر دوڑائی۔ سب کا دھیان اب وہاں سے ہٹ چکا تھا اور تبھی ہال میں پہلے کی طرح ہلکا بیک گراؤنڈ میوزک بھی چلنے لگا۔ یعنی یہ بے معنی بات تھی۔

”آئی ایم سوری لیکن کیا.....“ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتیں ہادی بول اٹھا۔

”مسز شاہ میزبانی کا بہت شکریہ۔ میری وائف نے کچھ نہیں کیا لہذا اس بات کو رہنے دیں۔ ہم چلتے ہیں۔“ ہادی نے ایک خونخوار نگاہ اس ڈھیٹ آدمی پر ڈالی۔

”کیا ہو گیا ہے ہادی۔ کم آن یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کی مسز کی کوئی غلطی نہیں ہے۔“

”دراصل کافی وقت ہو گیا ہے۔ بچے نہ اٹھ گئے ہوں۔ مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے پھر کبھی مل لیں گے۔“

صبح نے مسکرا کر معذرت کی۔

”بالکل بھی نہیں۔ ابھی تو پارٹی چل رہی ہے اور اگر آپ ناراض ہو کر جا رہی ہیں تو.....“

”ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ ان صاحب کے جوس گرانے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کی وائف کو غلط فہمی ہوئی ہے لیکن واقعی بہت ٹائم ہو رہا ہے۔ آپ جانتی ہیں دونوں بچے چھوٹے ہیں تو میں زیادہ دیر رک نہیں سکتی۔“

ہادی اس دوران لب بچنے اس ڈھیٹ آدمی کو دیکھتا رہا جو ہادی کی نظروں سے گھبرا کر اب شرٹ صاف کرنے کے بہانے واش روم کی جانب جا رہا تھا۔ ہادی کی نظروں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔ اس کی بیوی اب کسی اور ٹیبل کے گرد کھڑی ایک خاتون سے باتیں کر رہی تھی۔ پھر صبح نے ان خاتون سے رخصت لی۔ ہادی مروتا بھی نہیں مسکرایا تھا۔ سنجیدہ چہرہ لیے سر کو خم دے کر الوداع کی رسم نبھائی تھی۔ صبح اس کے ایسے رویے پر

شرمندہ ہو رہی تھی۔

”بندہ ذرا مسکرا کر ہی خدا حافظ کہہ دیتا ہے۔“ صباح نے اس کے ساتھ چلتے آہستگی سے کہا۔

”سب کو پتہ ہے میں ایسا ہی ہوں۔ اگر مسکرا کر کسی کی بات کا جواب دے دوں تو اسے خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔“

وہ نارمل رفتار سے دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے اور ہادی سیدھ میں دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔

”بڑے ہی کوئی سڑیل قسم کے انسان ہیں آپ۔“ صباح نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی بات سن کر ہلکا سا مسکرایا اور ایک نگاہ اس پر ڈالی اور تبھی نگاہ صباح کے مسکراتے چہرے سے ذرا دور گئی۔ وہ رکا اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ پھر اسی طرح چلنے لگا لیکن صباح کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اسی لیے صباح نے ان چند لمحوں میں اس کا رکنا محسوس کیا تھا اور اس کی ہسکتی نگاہ اور سمتی مسکراہٹ کو بھی دیکھا تھا۔

”کیا ہوا؟“ صباح نے مڑ کر اس کی نگاہ کے مرکز کو ڈھونڈنا چاہا لیکن وہاں سب اپنی ٹیبلز کے گرد کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ صباح کو سمجھ نہیں آیا کہ ہادی کسے دیکھ کر رکا تھا۔ اس نے چہرہ سیدھا کر لیا اور پھر ہادی کی سمت دیکھا۔ جس کا چہرہ ساٹ ہو چکا تھا۔

”بتایا نہیں آپ نے کیا ہوا..... کسے دیکھ لیا تھا۔“

”شہرین کا بھائی، بھابھی اور اس کی بہن کھڑے تھے پیچھے۔“

وہ دونوں دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ صباح نے اس کے چہرے سے نظر اٹھا کر بے ساختہ مڑ کر پیچھے دیکھا۔ اس کی میزبان خاتون اور وہ تین لوگ انہی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے مڑ کر دیکھنے پر سب نے گردنیں سیدھی کر لی تھیں۔

”کیا ہوا۔ رک کیوں گئی؟“ ہادی دروازے کھولے اس کا منتظر تھا لیکن وہ رک کر ادھر ہی دیکھے جا رہی تھی۔

شہرین کی بہن اب دوبارہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اور صباح کو وہ آنکھیں بہت سر دگی تھیں۔

”صبح چلو۔“ ہادی نے اس کا ہاتھ دبایا۔ صباح چونک کر ہوش میں آئی۔

”آں ہاں چلیں۔“

پھر گاڑی میں بیٹھنے تک دونوں کے بیچ خاموشی رہی۔

”آپ اس وجہ سے جلدی نکل آئے کہ وہاں شہرین کی فیملی تھی؟“ خاموشی میں صبح کی آواز ابھری۔

”نہیں۔ میں تو تمہاری وجہ سے آیا کہ تم کہہ رہی تھیں کہ بچے اکیلے ہیں۔“

”چلو جی۔ میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہی تھی کہ آپ نے کہا کہ ہم جاتے ہیں۔ میں نے سوچا آپ کے لیے کوئی سولڈ بہانہ ڈھونڈ لوں۔ پھر ویسے بھی مجھے ڈر لگ رہا تھا کہیں اس ڈھیٹ آدمی کو مار پیٹ نہ شروع کر دیں آپ۔ اس لیے میں نے سوچا بس گھر جائیں اب۔“

”یہ تو ٹھیک اندازہ لگایا تم نے۔ اس ڈھیٹ آدمی کی خاطر تو وضع تو کرنی تھی میں نے لیکن وہاں نہیں۔ اور جب اسے معلوم تھا کہ تم میری بیوی ہو تو اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ تمہیں اس طرح سے ٹریٹ کرے۔“

”اب چھوڑیں اس بات کو۔ خواہ مخواہ بات بڑھ جائے گی۔“

”تم سے مشورہ نہیں مانگا میں نے۔“

صبح نے گھور کر اسے دیکھا۔

”میرے مشوروں کو مان کر اب تک کتنے نقصان اٹھائے ہیں؟“ وہ غصے سے گھورتی رہی۔ ہادی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صبح نے رخ سیدھا کر لیا۔

”سابقہ سسرال کو دیکھ کر بھاگے ہوں گے یقیناً۔“

ہادی نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر روڈ پر نگاہیں نکالیں۔

”فضول نہ بولا کرو۔ پچھلے تین سالوں میں اکثر کہیں نہ کہیں سامنا ہو جاتا ہے۔ دونوں ہی بزنس فیملیز ہیں۔ اور انہیں میں نے وہاں جاتے ہی دیکھ لیا تھا واپس آنا ہوتا تبھی آ جاتا۔ میں تو صرف اس لیے واپس آیا کہ تم بار بار کہہ رہی تھی کہ بچوں کے لیے جانا ہے۔“

”واہ! یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔“ صبح سن کر تلملائی۔ ”اور انہیں پہلے دیکھ چکے تھے تو اس وقت دیکھ کر کیوں رکے تھے؟“ اس نے جرح کی۔

”ویسے تم بچوں کی وجہ سے باؤنڈ ہو گئی ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ کوئی گورنس رکھ لیتا ہوں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے کسی گورنس کی۔ ویسے بھی بچے کسی اور سے نہیں سنھلتے۔“

”خیر، اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ ویسے اتنا جلدی تو کوئی اور گورنس ملنا مشکل ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نا عاصمہ کو بلا لیں ویسے بھی بچے اس سے بہت اچھے تھے۔“ ہادی کے لہجے میں شرارت تھی۔ صبح تڑپ کر پلٹی۔

”بڑی یاد آرہی ہے عاصمہ کی۔ اور بچوں سے اس کی اچھے منٹ تو کبھی تھی ہی نہیں۔ ہاں ان کے باپ سے ضرورت تھی شاید اس لیے اس کی یاد آپ کے دل میں انگڑائیاں لے رہی ہے۔“ وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔ ہادی نے مسکراہٹ ضبط کی ہوئی تھی۔

”لیکن میری بات یاد رکھیں، میرے گھر میں دوبارہ وہ عورت نظر آئی تو آپ کی خیر نہیں ہے۔ اتنی بے وقوف لگتی ہوں نا میں بچوں کو سنھلوانے کے بہانے ایسی عورتیں گھر میں گھسالوں گی اور اپنا شوہر انہیں دے دوں گی۔“ آخری بات آہستگی سے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہتی وہ کھڑکی کی طرف رخ پھیر گئی۔ یہ اور بات کہ ہادی سن چکا تھا اور اس کے بے ساختہ قہقہے نے صبح کو احساس دلایا کہ وہ کیا بول چکی تھی اور وہ ہادی نے سن بھی لیا تھا۔ بے ساختہ اس نے زبان دانتوں تلے داب لی۔

”اف۔“ ہادی مسلسل ہنس رہا تھا اور صبح نے غصے میں پلٹ کر دیکھا۔ ”کیا مسئلہ ہے کیوں ہنس رہے ہیں؟“

”کچھ نہیں ہوا بس ایسے ہی ہنسنے کا دل چاہ رہا تھا۔“ وہ پھر سے ہنسنے لگا۔ صبح نے چہرہ پھر سے کھڑکی کی طرف کر لیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ریگ گئی تھی۔ ہاں آسانیاں لوٹ رہی تھیں۔ زندگی کا حسن واپس آ رہا تھا۔ خزاں پلٹ رہی تھی اور بہار..... وہ دروازے پر دستک دینے کو تھی۔ اسے بہار کی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹیں چل چل جاتیں۔ ہادی نے ایف ایم چلایا۔

”کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے.....“ گاڑی میں آواز گونج اٹھی تھی اور پھر ہادی بھی ساتھ ہی گانے لگا۔ ”تجھے زمیں پہ بلا گیا ہے میرے لیے.....“

صبح نے مسکراہٹ ضبط کر کے رخ اس کی طرف کیا۔ ”شرم نہیں آتی اس طرح کا گانا سنتے۔“

”نہیں آتی کیونکہ میں کھلم کھلا فلرٹ فرمانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

ضبط کے باوجود بھی اس کے ہونٹوں کے کناروں سے مسکراہٹ چھلک پڑی تھی۔

”انتہائی لوفروں والی حرکت ہے یہ۔ اور خوبصورت لڑکیوں کو امپریس کرنے کی فضول کوشش۔“



صبح کی دوستوں نے اسے ایک آرٹ گیلری میں لگی تصویروں کی نمائش پر چلنے کا کہا۔ وہ کون سی آرٹ کی دلدادہ تھی فٹ سے انکار کر دیا لیکن پھر ان کی ڈھیروں منت بھری گالیوں کے بعد تیار ہو گئی تھی کہ شوق ان میں سے بس ایک آدھ کو تھا۔ باقی بس انجوائے منٹ کے لیے جانا چاہتی تھیں۔ اس نے ہادی کو بتایا تھا اور بچوں کو شاکرہ کے حوالے کرتے آگئی تھی۔ شادی کے ان تین سالوں میں اس نے اس شہر کو گھوم پھر کر نہیں دیکھا تھا۔ جس کی خوبصورتی کے لیے لوگ نجانے کہاں کہاں سے آیا کرتے تھے۔ وہ دوستیں ہر ایک تصویر کے پاس رک کر اس کا بغور معائنہ کرتیں اور سمجھ نہ آنے پر اگلی تصویر کا رخ کرتیں کہ شاید وہ سمجھ آ جائے۔ صرف ساڑھ اور کشور کو ان تصویروں کی سمجھ آ رہی تھی باقی ان تینوں کے لیے وہ فضول سی تصویریں تھیں جن پر بہت غور کے بعد بھی انہیں اس کی تعریف کا کوئی پہلو نہ ملتا۔ اور اپنے کمٹس سے وہ ان کو تمللانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

صبح بہت خوش تھی۔ عرصے بعد وہ ایسے باہر نکلی تھی اور اس طرح ہنسی مذاق..... اور پھر آتی بہاروں کی آہٹیں ابھی سے دل میں پھول کھلا رہی تھیں۔ چہرہ کھلا کھلا سا لگتا۔ بند ہونٹ بھی مسکراتے محسوس ہوتے اور اسے ہر دوسری بات پر بے ساختہ ہنسی آ جاتی۔ محبت شاید دل میں اترتے ہوئے یونہی ہر موسم کو بہار کی شکل دے دیا کرتی ہے۔ اس کا پہلا تجربہ تھا اور اس تجربے کے لیے وہ کتنا ترسی تھی یہ اسے ہی معلوم تھا۔

ایک تصویر کے گرد وہ پانچوں اکٹھے جا کھڑی ہوئیں تو رش سا لگنے لگتا اور پھر ان کے انہماک کو دیکھ کر انہیں وہاں سے ہٹنے کو کوئی نہ کہتا کہ چلو ہم بعد میں دیکھ لیں گے آرٹ لورز کو کیا ڈسٹرب کرنا۔ اور ہر تصویر پر سب سے خوبصورت کمٹس صبح کے ہی ہوتے۔

”یار! پچھلی سب تصویریں ایک طرف یہ ایک طرف..... بہت اعلیٰ۔“ ایک رنگوں بھری تصویر پر غور کے بعد صبح سب سے پہلے بول اٹھی۔ کشور اور ساڑھ کھل اٹھیں یہ پہلا اچھا کمٹ تھا۔ باقی دونوں نے صبح کو گھورا۔

”کیا اعلیٰ..... ذرا ہمیں بھی بتاؤ۔“

”بہت خوب۔“ صباح نے کہہ کر جیسے سر دھنا۔ ”یہ دیکھو، اتنے سارے رنگ ایک ساتھ کیڈز پر بکھرے ہیں۔ ایسے لگ رہا ہے کہ مصور بہت امیر تھا۔ سارے رنگ خرید کر ایک ہی صفحے پر دکھادیے کہ دیکھو دنیا میں کتنے رنگ ہیں۔ ان میں سے بہت سے شیڈز کے تو مجھے نام بھی نہیں آتے حالانکہ مجھے کلرز میز آتے ہیں۔“ صباح تصویر کو متاثر انداز میں دیکھتے ہوئے بولی۔ چاروں کے ایک ساتھ قہقہے نکلے تھے کہ وہاں موجود لوگوں نے مڑ کر ادھر دیکھا تھا۔

”انتہائی خبیث ہو صباح.....“ کشور ہنسی کے دوران بولی۔ ان کے قہقہوں پر وہ خود بھی ہنسنے لگی تھی۔ ”مجھے سچ میں اس تصویر سے یہی سمجھ آیا۔“ چند لمحوں بعد سب نے ان سے توجہ ہٹا لی تھی۔ وہ پانچوں اب اگلی تصویر کی جانب بڑھیں اور وہاں صباح کو اس پارٹی والی خواتین مل گئیں۔ وہ دوستوں کو چند منٹ کا کہہ کر ان کی بڑھی۔

”السلام علیکم۔ کیا حال ہیں۔“ اس نے مشترکہ سلام کر کے پارٹی کی میزبان خاتون سے مسکرا کر پوچھا۔ ”واٹ آپلیزنٹ سر پرائز مسز ہادی۔ کیسی ہیں آپ؟“ ”میں ٹھیک ٹھاک۔ آپ سنائیں۔“ صباح نے ان کے ساتھ کھڑی خواتین پر ایک نگاہ دوڑائی۔ اس ڈھیٹ آدمی کی بیوی بھی تھی اور شہرین کی بہن۔ وہ اسے دیکھتے تنفر سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ صباح کی جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔

”مسز ہادی! آپ کو تو لوگوں کو متوجہ کرنے کا فن آتا ہے جہاں بھی جاتی ہیں چند لمحوں میں سب کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں۔“ ڈھیٹ آدمی کی بیوی نے اس پر طنز کیا تھا کہ اس دن پارٹی میں بھی اس کی وجہ سے سب دیکھنے لگ گئے تھے اور آج اس کی اونچی آواز میں کیے تبصرے پر پڑنے والے قہقہوں نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ صباح اس کا طنز سمجھ گئی تھی۔

”جی پرسیلیٹی چارم..... کرزمہ۔“ صباح نے دل جلاتی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ ”آہم۔“ ایک خاتون نے اپنی مسکراہٹ روکی۔

”اور سنائیں بچے ٹھیک ہیں آپ کے۔“ دوسری خاتون نے پوچھا۔

”جی۔ اب تو احد ماشاء اللہ سے سکول جانے لگا ہے۔“

”جی میرا بیٹا بھی اسی کلاس میں پڑھتا ہے۔ ایک بار ہادی احد کو چھوڑنے آیا تھا سکول تو وہیں ملاقات ہوئی

تھی۔ بہت ذہین بچہ ہے۔“

صبح مسکراتی رہی۔

”کبھی آئیں نا ہماری طرف۔ آپ تو بالکل بھی سوشل نہیں لگتی ہیں۔“

”ایسی بات نہیں ہے۔ بس بچوں کے ساتھ مصروف رہتی ہوں۔“

”تو گورنس کیا کرتی ہے۔ بچوں کو ان کے حوالے کر کے ذرا باہر نکلا کریں۔“

صبح کو ہنسی آ گئی۔

”آپ کی بات سن کے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں خدا نخواستہ کسی قید میں رہتی ہوں۔ اور بچوں کو گورنس کے

حوالے تو کبھی نہ کروں۔ ایک ماں کے لیے اس کے بچوں سے بڑھ کر اور کون سی مصروفیت اچھی ہو سکتی ہے۔“

”ٹپیکل مڈل کلاس عورت۔“ ڈھیٹ آدی کی بیوی نے استہزاء کیا۔

”جی روایتی عورت۔“ صبح نے مسکرا کر اس کی طرف رخ کیا۔ ”جو صبح اپنے بچوں کے ناشتے سے لے کر

ان کا ہر کام خود کرتی ہے۔ ویسے کچھ عورتوں کو عادت ہوتی ہے نا اپنے بچے نوکروں کے حوالے کر کے اپنی آزاد

زندگی گزارنا۔ اور پھر ایک وقت آتا ہے ان کے بچے بہت سے وقتی مسئلوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔“ صبح نے

خوب ٹھنڈا کر کے مارا تھا۔ ”میری دوستیں میرا انتظار کر رہی ہیں۔ پھر ملاقات ہوگی۔“ وہ مشترکہ الوداعی انداز

میں کہتی مڑی۔

”دیکھیں تو، اچھی ماں ہونے کا درس کون دے رہا ہے جو خود ایک سوتیلی ماں ہے۔ ہونہ۔“

صبح جھٹکے سے مڑی اور شعلہ بار لگا ہیں اس پر گاڑیں۔

”کمال ہے، مجھے طعنہ وہ سگی ماں دے رہی ہے جو اپنے بچوں کو صرف گڈ مارنگ گڈ نائٹ ہی کہتی ہے۔ اس

کے علاوہ تو اسے فرصت کم ملتی ہے کہ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ سکے۔ ہاں کسی اور اچھی ماں کا سن کر اسے حسد ضرور

ہوتا ہے۔“ وہ چھوٹے قدم اٹھاتی عین اس کے چہرے کے برابر آکھڑی ہوئی اور اسے مسلسل گھورتی رہی۔
 ”کیا ہو گیا ہے مسز ہادی۔ جانے دیں۔“ ایک خاتون نے اس کے تیور دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔ صبح گہرا
 سانس لیتی پیچھے ہٹی اور بنا مسکرائے پلٹ گئی۔
 ”اف! بالکل ہادی ارتضیٰ کے جیسی ہے ایک جیسے مغرور غصے کے تیز اور.....“ مڑتے ہوئے صبح کے
 کانوں میں یہ باتیں پڑی تھیں وہ سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی تھی۔



یہ ہفتے کی کھلتی شام کا ایک منظر تھا۔ صبح نہا کر گیلے بال لیے پچھلے لان میں آگئی تھی۔ بچے شاکرہ اور نصیبو
 کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ وہ موبائل لیے ایک جانب رکھی کرسیوں میں سے ایک کو کھینچتی بیٹھ گئی۔ کھیلتی
 ہوئی نور عین نے اسے دیکھ کر دور سے ہاتھ ہلایا۔ صبح نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ وہ پھر سے کھیل میں
 لگ گئی۔ صبح واٹس ایپ پر بہنوں کے آئے میسجز دیکھنے لگی۔ ان چاروں بہنوں نے ایک گروپ بنا رکھا تھا۔ وہ
 میسجز دیکھ کر مسکراتے چہرے کے ساتھ تیزی سے ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔ وہ جس کرسی کے نیچے بیٹی تھی عین اس
 کے اوپر بوگن ویلیا کی ایک شاخ تھی جو پھولوں سے لدی تھی۔ ہلکی سی ہوا چلتی تو کئی پھول اس پر آگرتے۔ کچھ
 اس کے گیلے بالوں میں انک جاتے کچھ نیچے گر جاتے۔ اس نے لمبے بالوں کو کرسی کے پیچھے کیا ہوا تھا۔ یوں وہ
 ہوا کے ساتھ حرکت میں آجاتے اور ان کی نمی اور کم ہو جاتی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ لکھتے ہوئے گاہے بگاہے
 بچوں پر بھی نظر ڈال لیتی۔

”سلام۔“ ہادی نے اس کے کان کے قریب آکر سرگوشی کی۔ وہ ڈر کر اچھلی اور ہاتھ میں پکڑا موبائل نیچے جا
 گرا۔

”اف! ڈر دیا مجھے۔“

وہ ہنستا ہوا اس کی قریبی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

”سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔“

صبح نے اسے گھورتے ہوئے نیچے گرے موبائل کو اٹھایا۔

”میں نے دل میں دے دیا تھا۔“ موبائل کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ ہادی اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔ وہ جھنجھلائی لیکن ظاہر نہیں کیا کیونکہ جب ہادی سے کہتی تو اس کے قہقہے ہوتے اور بہت سے ایسے جملے جو صبح کا چہرہ سرخ کر دیتے۔

”باس جو ہیں تو جب دل چاہے گا آفس چھوڑ کر آ جائیں گے۔“ صبح نے اس کا دھیان بٹانا چاہا اور بہنوں کو ہادی کا بتاتے موبائل رکھ دیا تھا۔ ہادی بنا جواب دیئے اسے دیکھتا رہا۔ محبت بھری نظروں سے اور صبح کی زبان میں لوفروں والی نظر میں۔ پھر صبح کے گھورنے پر زبان کو زحمت دی۔

”دل نہیں لگ رہا تھا۔ تمہاری یاد آرہی تھی۔“ آخری بات اس نے شرارتی انداز میں کہی تھی۔ صبح نے مسکراہٹ روکنے کو اوپری لب کو دانتوں تلے دبایا اور سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

”ہاں، یاد آتا تم نے واثق علی کے بیٹے سے کیا کہا تھا؟“ ہادی کچھ یاد آنے پر سیدھا ہوا۔

”کون واثق علی؟“ صبح نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

”جس پر تم نے جوس گرایا تھا۔“

”اچھا ہاں، وہ ڈھیٹ آدمی؟“

صبح کی بات پر وہ ہنسا۔ ”ہاں وہی۔“

”ڈھیٹ آدمی کی بیوی بھی اس کے جیسی ہے۔ یاد ہے کچھ دن پہلے میں ایک آرٹ گیلری میں گئی تھی۔“

”ہاں۔“

”آگے صبح نے مختصر بتایا۔“

”تو ان باتوں کا اس سے کیا تعلق؟“ ہادی الجھا۔

”اس ڈھیٹ آدمی نے آپ کو کیا بتایا۔“

ہادی ہٹاتے ہوئے رکا۔

”پہلے تم پوری بات بتاؤ۔“

اس وقت ایک تیز جھونکے نے اس کے سر پر پھولوں کی بارش کر دی تھی۔ کچھ پھول ہادی پر بھی آگرے

تھے۔ ہادی نے اس کے بالوں میں انکے چند پھول چن کر ہتھیلی میں رکھنے شروع کیے۔ وہ بولتی رہی۔

”ڈھیٹ آدمی کا ایک بیٹا احد کا کلاس فیلو ہے بلکہ دوست۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ احد جس دوست کا بتاتا ہے وہ اسی کا بیٹا ہے۔ پتہ بھی ہوتا تو بچے سے کیا مسئلہ ہو سکتا تھا مجھے۔ لیکن اس دن والی باتوں کے بعد مسز ڈھیٹ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ آپ کے دوست احد کی ماما اس کی سوتیلی اماں ہیں اور وہ بہت گندی ہیں۔ پتہ نہیں اور کیا کیا کہا لیکن احد نے مجھے بس یہی دو باتیں بتائیں۔ تو احد سکول سے آنے کے بعد سارا دن کمرے میں گھسا رہا۔ میرے بلانے پر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ میں پریشان ہو گئی تھی کیونکہ آج تک تو کبھی بچوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ تنگ آ کر میں نے اسے اپنی گود میں بٹھایا تو بے تحاشا رونے لگا اور پوچھنے پر یہی بتایا۔ اس لمحے میرا دل چاہا کہ اس عورت کو گولی سے اڑا دوں۔ پتہ نہیں لوگوں کو کسی کے گھر کا سکون برداشت کیوں نہیں ہوتا۔ احد کو اتنا بہلاتی رہی، اسے سمجھاتی رہی تب جا کر اس کی طبیعت سنبھلی۔“

صبح کی آنکھوں میں پھر سے وہی منظر تازہ ہوا تھا۔ احد رو کر ٹنڈا ہال ہو رہا تھا۔

”وہ کہتا ہے آپ میری ماما نہیں ہیں۔“ اس کا رونا صبح کے دل کو چیر رہا تھا۔

”اور اسے کیسے پتہ؟“

”اس کی ماما نے اسے کہا۔“

”ان کی ماما نے مجھ سے جھگڑا کیا تھا کچھ دن پہلے کیونکہ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو ناشتہ بنا دیں۔ آپ کو پتہ ہے ان کے سروٹ ان کا کام کرتے ہیں ان کی ماما تو ان کے سکول ٹائم سوئی رہتی ہیں۔ وہ خود تو اپنے بچوں کا خیال نہیں رکھتی ہیں جب میں نے بتایا کہ میرے بچے تو اتنے اچھے ہیں اور میں ان کا اتنا خیال کرتی ہوں تو وہ جلیس ہو گئیں اور اس لیے انہوں نے غصے میں یہ سب کہا۔“ صبح ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے الفاظ کتنا اثر کر رہے ہیں۔

”آپ سے کوئی بھی کہہ دے کہ میں آپ کی ماما نہیں تو آپ مان لیں گے؟ مجھے اگر کوئی کہے کہ آپ میرے بیٹے نہیں ہیں میں اس سے کبھی بھی بات نہ کروں۔“ اور پھر احد اس کے گلے لگ گیا تھا۔ صبح نے سکھ بھری سانس لی تھی۔ دنیا میں ایسے خبیث لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن کا آپ کی زندگی سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا لیکن

وہ اپنے حسد سے مجبور ہو کر آپ کی زندگیوں میں زہر گھول دیتے ہیں۔ پھر صبح نے اسے کہا تھا کہ وہ اپنے دوست کو سنڈے اپنے گھر بلائے۔ بنایہ بتائے کہ وہ اپنی ماما کو اس کی باتیں بتا چکا ہے اور پھر صبح نے بہت محبت سے اس بچے سے یہی کہا تھا۔ ”آپ کی ماما ڈاکٹر ہیں؟ ان سے پوچھئے گا کہ جب احد پیدا ہوا تھا تو کیا وہ میرے ساتھ تھیں؟“ یہ دو جملے ہی اس عورت کے لیے کافی تھے۔ اگر جو ذرا سی عقل ہوئی تو سنہل جائے گی۔“ صبح نے بتا کر کندھے اچکائے۔

”تم نے اس بچے سے واقعی یہی کہا تھا؟“ ہادی منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ صبح نے کندھے اچکا دیئے۔

”مجبوری تھی۔ ایسی وارننگ دینی پڑی ورنہ میں بچوں کو نشانہ نہیں بناتی۔ اور پھر میرا نشانہ صحیح لگا۔ اسی دن شام کو کال کر کے مسز ڈھیٹ نے کافی بھڑاس نکالی کہ میرے بیٹے کو اس سب میں انوالونہ کریں۔“ وہ تلخی سے ہنسی۔ ”اور ہمارے بیٹے کو کمر ہی تھیں وہ۔“

”وہی کہا میں نے۔ آگے سے کہتی ہیں مسز ہادی مجھ سے دشمنی مول نہ لیں میں ناگن ہوں۔ اور میں نے کہا آپ ناگن ہیں تو یقین کریں میں بھی ایسی نیک نہیں ہوں کہ آپ ایک بار ڈسین گی تو اگلی بار خود پیش ہو جاؤں۔ میں بھی ہاتھ میں ڈنڈا لے کر ناگن کا سر کچل دوں گی۔“

ہادی کا اس بار قہقہہ بلند ہوا۔ صبح بھی ہنسنے لگی۔ ہادی کافی دیر ہنستا رہا۔

”کیا چیز ہو تم یار۔“ پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولا۔ ”بچوں کو شہرین کا نہیں پتہ کیا؟ میرے کمرے میں تصویریں لگی ہوئی ہیں اور ان کے اپنے کمرے میں بھی۔“

”وہ تصویر والی آنٹی بابا کی بیسٹ فرینڈ تھیں جو اب نہیں رہیں۔“ صبح کہہ کر ایسے مسکرائی جیسے کوئی خبر پڑھ کر سنائی ہو۔ ہادی نے لب بھینچ کے چہرے کا رخ موڑ لیا اور بچوں کو دیکھنے لگا۔

”اگر جو یہ بات ناگوار لگی ہے تو یاد رکھیں میں نے یہ بچوں کے لیے کیا ہے بچوں کے لیے واحد ماں باپ ہی ہونے چاہئیں ورنہ ان کے دل و ذہن ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے ٹوٹی پھوٹی شخصیت کے مالک ہوں۔ جب وہ بڑے ہو جائیں گے میں انہیں خود بتا دوں گی۔ اس دن احد کی حالت

میں نے دیکھی تھی میں پھر کبھی ایسا رسک نہیں لینا چاہتی۔“ وہ ہموار لہجے میں بولی۔ ہادی نے بچوں سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔

”یقیناً اچھا ہی سوچا ہے تم نے لیکن کوشش کرنا ان کی ماں سے انہیں جلد متعارف کروادو تا کہ اپنی ماں کے لیے صدقہ جاریہ بن سکیں۔“

اتنے چھوٹے بچے کیسے صدقہ جاریہ بن سکتے تھے۔ صبح نے نہیں پوچھا۔ بس ایک تکلیف کی لہر اٹھی تھی اور پھر دب گئی۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ ہر بات کو جھکتی مسکرائی۔ ہادی بھی مسکرا دیا۔ کاش کہ وہ بتا سکتی کہ یہ اس کے لیے کتنا تکلیف دہ تھا کہ وہ اس کے بچے نہیں تھے۔ انہیں پالتے وہ تو یہ بھول ہی گئی تھی اور آج یاد آنے پر کیسی تکلیف سی اٹھی تھی۔ ٹھیک ہے وہ اس کی اولاد نہیں تھے لیکن کوئی اور تو یہ نہ کہے نا۔ وہ سر کودائیں بائیں کرتی اس بات کو جھٹکنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کہاں؟“ ہادی نے پوچھا۔

”واک کرتی ہوں۔“

ہادی بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

”تمہیں پتہ ہے تم میری آئیڈیل ہو۔“

”اس دن ایک خاتون کہہ رہی تھیں کہ بالکل اپنے شوہر کی طرح ہے صبح۔ سڑیل۔ میں نے کہا نہیں میں بہت خوش اخلاق ہوں۔“

دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اب اس کے کچھ بال سوکھے تھے اور اندر سے کچھ گیلے رہ گئے تھے۔ صبح نے اڑتے بالوں کو چہرے سے پیچھے کیا۔

ایک تو تم خواتین.....“ ہادی نے اس کی بات پر منہ بنایا۔

”یہ خاتون کسے بولا آپ نے؟“ صبح نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

”آپ محترمہ کو۔“

”میں لڑکی ہوں۔“

”میں پہلی لڑکی دیکھ رہا ہوں جو دو بچوں کی اماں بھی ہے۔“

”اور جب تک میرے بچوں کی شادیاں نہیں ہو جاتیں میں نے لڑکی ہی رہنا ہے۔“

ہادی کا قہقہہ بلند ہوا۔ صبح ایسے بنی رہی جیسے بہت کام کی بات کی ہو۔

”آئی لو یو پار۔“

”کمینہ.....“

ہادی پھر ہنسنے لگا۔

”لڑکی مان لو سچی محبت کرنے لگا ہوں تم سے۔“

”آپ کہیں گے اور میں مان لوں گی اور ویسے بھی آپ کو ہوئی ہے مجھے نہیں۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

”ہاں بھئی، محبوب ظالم نہ ہو تو کیسا محبوب ہوا۔“ ہادی نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ ایک تیز جھونکے نے صبح کے

بالوں کو پھر سے بکھیر دیا تھا۔

”اف۔“ صبح نے جلدی سے چہرے پر آئے بال ہٹائے۔ کچھ لٹیں پھر سے چہرے پر بکھر گئیں۔ اس بار

ہادی نے چلتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ان لٹوں کو کان کے پیچھے کیا۔ صبح جھجک گئی تھی اور ایک دم سے اسے دیکھا۔

”اسباب محبت پیدا کر رہا ہوں۔ تاکہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہو۔“

وہ رخ پھیر گئی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے کی کیفیت گم ہونے لگی

تھی۔ پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑے واک کرتا رہا اور صبح نے یوں ظاہر کیا تھا کہ اسے پتہ ہی نہیں کہ اسباب محبت

میں کیا ہو رہا ہے۔



احد کی فرمائش پر سٹیک بیٹیز کی تیاری کی جارہی تھی۔ دونوں بچے کچن میں بیٹھے پٹر پٹر بولے جا رہے تھے۔

صبح مسکراتے ہوئے ان کی باتوں کو سن رہی تھی بیچ میں ایک آدھ لقمہ بھی دے دیتی۔ تبھی نصیب و افلاں و خیزاں

دوڑی چلی آئی۔ صبح نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

”کیا ہوا نصیبو۔“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ جی بیگم صاحبہ.....“ وہ پھولی سانسوں کے ساتھ بولی پھر بچوں پر نگاہ پڑتے خاموش ہو گئی۔ صبح نے مڑ کر ہاتھ دھوئے اور اس کے قریب گئی۔

”جی اب بتائیں۔ کیا ہوا؟“

”وہ جی میڈم شہرین کی چھوٹی بہن آئی ہیں۔ انہوں نے کہا بچوں کو لے آؤ ان سے ملنے آئی ہوں۔“ نصیبو سراپاں سی تھی۔ جانے کیوں۔ صبح کے ماتھے پر بل پڑے۔

”ٹھیک ہے۔ تم چلو بچوں کو لے کر، میں آرہی ہوں۔“

”وہ جی اس نے کہا میں تمہاری بیگم صاحبہ کو نہیں دیکھنا چاہتی۔ مجھے اپنے بھانجوں سے ملنا ہے۔“ نصیبو نے من و عن اس کا پیغام دہرایا۔ صبح کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی۔

”تم چلو، میں آرہی ہوں اس کے بھانجوں کو لے کر۔“ پھر بچوں کی طرف مڑی۔ جو اپنی بحث میں لگے تھے۔

”احد، نور عین! آج آپ کے لیے سرپرائز ہے۔ کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔“ بچے سن کر خوشی سے کھڑے ہو گئے۔

”کیا دادو اور پھوپھو آئی ہیں۔“ دونوں نے پر جوش انداز میں پوچھا۔

”نہیں آج آپ کی خالہ آئی ہیں آپ سے ملنے۔“

وہ خوشی سے نعرے لگاتے کچن سے باہر بھاگے۔ صبح بھی ان کے پیچھے باہر گئی۔ اس کے ڈرائنگ روم تک داخل ہونے سے پہلے وہ اپنی خالہ کے گلے لگ چکے تھے۔ صبح کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔ اس کے شرارتی بچے۔ خالہ بھی دونوں کو ساتھ لپٹائے خوب پیار کرتی رہی۔ صبح چلتے ہوئے عین اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی کیونکہ وہ صبح کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور صبح۔ اماں نے کہا تو تھا وہ الٹی کھوپڑی تھی۔ شہرین کی بہن سے کس نے کہا تھا کہ وہ اس کے گھر میں آ کر یہ کہتی کہ اسے صبح کو نہیں دیکھنا۔

”مجھے کچھ دیر کے لیے بچوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیں۔“ خالہ صاحبہ نے نصیبو اور شا کرہ کو دیکھ کر کہا۔ حالانکہ

یہ صبح کے لیے کہا گیا تھا لیکن صبح اسی طرح مسکراتے ہوئے ان تینوں کو دیکھتی رہی۔ نصیبو اور شا کرہ نے صبح کو دیکھا تو اس نے سر ہلا کر جانے کا کہا اور خود مسکراتے ہوئے بچوں کے پر جوش چہرے کو دیکھتی رہی۔ خالہ صاحبہ نے اس کی موجودگی پر ناک چڑھا کر ہونہہ کیا۔

”جاہل لوگ پرائیویسی کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔“ اس نے واضح کر کے کہا تھا۔

”جاہل لوگ گھر آئے مہمان کی عزت کرتے ہیں ورنہ پرائیویسی کا مطلب سمجھنا اتنا بھی مشکل نہیں۔“ صبح نے کہہ کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ خالہ صاحبہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ صبح سے ڈائریکٹ بات نہیں کی تھی لیکن اتنا تو پتہ تھا ہادی کے جیسی ہی ہے ایک کی دس سنا دے گی۔ لہذا خاموشی میں عافیت تھی۔ صبح نے نصیبو کو آواز دے کر بلایا تھا کہ مہمان کی خاطر مہارت کا انتظام کیا جائے لیکن اس نے نصیبو کی طرف رخ کر کے منع کر دیا تھا۔ صبح نے کندھے اچکا دیئے۔ جیسے آپ کی مرضی اور صبح سے بول چال سے تو خالہ کا ایسا پرہیز تھا کہ جیسے حرام ہو۔ پھر آدھے گھنٹے بعد خالہ صاحبہ نے رخت سفر باندھا تھا۔ صبح بچوں کے ساتھ ہی رہی۔

جب ہادی گھر آیا تو صبح نے شہرین کی بہن کا بتایا۔

”کون، عائشہ آئی تھی؟“ اس نے ایک دم پلٹ کر پوچھا۔

”نام کا تو پتہ نہیں لیکن اس دن پارٹی میں بھی تھی۔“

”ہاں اسی کا نام عائشہ ہے۔ کیوں آئی تھی؟“

”اسی کو پتہ۔ لیکن کہا یہی کہ بھانجوں کی یاد دہانی بے کل کر رکھا تھا اسی لیے دوڑی چلی آئی۔“

ہادی کے ماتھے کی تیوریاں ایک دم سے گم ہوئی تھیں وہ ہنس دیا۔ صبح کے دلچسپ طنزیہ جملے۔

”پھر آتے ہی فرمائش کی کہ بچوں کے ساتھ پرائیویسی مہیا کی جائے تو میں نے نصیبو اور شا کرہ کو باہر بھیج دیا۔“

ہادی بے اختیار ہنس دیا اور کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔

”اف صبح اف..... یار کیا چیز ہو تم۔“

صبح نارمل انداز میں اسے ہنستا دیکھتی رہی۔

”میں تو تمہارا فین ہو گیا ہوں۔ اتنی سخت قسم کی پرائیویسی مہیا کرنے پر۔“

اب کی بار صبح کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آئی۔

”ہاں تو اتنا عرصہ بچوں کی یاد نہیں آئی اب آ کے کہتی ہیں کہ بچوں کے بغیر سانس لینا بھی مشکل تھا۔ میں بے وقوف تو نہیں ہوں کہ پھر ان کے ساتھ بچوں کو اکیلا چھوڑ دوں اور ان کی پرائیویسی کی خواہشات کا احترام کروں۔“

ہادی اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”شادی کے بعد عائشہ اور اس کی اماں شہرین کو ملنے آئی تھیں۔ آئیں تو میری غیر موجودگی میں تھیں لیکن شہرین نے بتا دیا تھا۔ تو انہیں لگتا ہے کہ مجھے نہیں پتہ کہ وہ شہرین کو ایک بار نہیں کئی بار ملنے آتی رہی ہیں۔ یہ نہیں معلوم کتنی بار ملیں لیکن جب بھی ملیں شہرین کے ابا، بھائی شہر سے باہر ہوتے یا ملک سے باہر۔“

صبح نے سن کر سر ہلایا۔

پھر دو دن ہی گزرے ہوں گے کہ شام کے وقت شہرین کی اماں اور بہنیں آ گئی تھیں۔ بچوں سے ملنا تھا۔ ان تینوں خواتین نے صبح کو ایسے نظر انداز کر دیا تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ شہرین کی ماں بچوں کو ساتھ لگائے کتنی ہی دیر روتی رہیں۔ جو بھی ہو وہ ان کی مری ہوئی بیٹی کی اولاد تھے۔ صبح خاموشی سے اٹھ آئی تھی۔ صبح نے یہی سوچ کر انہیں ڈرائنگ روم میں بچوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن کچھ ہی دیر گزری ہوگی وہ تینوں بچوں کو لیے گھر کے کونے کونے کا وزٹ کرنے لگیں۔ ان کے گھر کا ڈرائنگ روم گھر کے انٹرنس ڈور سے آگے تھا اور وہاں سے گھر کی اندرونی عمارت نظر میں رہتی تھی۔

صبح جو ڈرائنگ روم سے باہر بیٹھی تھی حیرت سے انہیں ہر کمرے میں انسپکشن کرتا دیکھتی رہی۔ کوئی بڑی ہی مستعد قسم کی انسپکشن ٹیم تھی۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر غور کر کے تبصرے کر رہی تھی۔ نصیبو اور شا کرہ بھی اپنے کام روکے انہیں دیکھتی رہیں۔ نصیبو کو صبح پر ترس آیا وہ بے چاری اکیلی تھی۔ شہرین کی ماں بہنوں کے مزاج وہ دونوں جانتی تھیں۔ شا کرہ اور اس نے ایک دوسرے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اظہارِ افسوس کیا۔ اگر جو یہ بچوں کے بہانے سے اس گھر میں آنا جانا رکھتیں تو صبح کا اس گھر میں سکون سے رہنا بہت مشکل تھا۔ صبح غصے

کی تیز تھی۔ اکثر ہر بات کا جواب بھی موجود ہوتا تھا لیکن وہ چالاک نہیں تھی۔ اس قسم کی سیاست کا مقابلہ وہ شاید نہ کر پاتی۔

سارے گھر کی انسپکشن کے بعد اب وہ ٹیم ہادی کے بیڈروم میں داخل ہو گئی اور صبح جو حیرت کا مجسمہ بنی ان کی حرکتیں دیکھ رہی تھی ایک دم سے ہوش میں آئی۔ اور ان کے پیچھے گئی۔

”معاف کیجیے گا لیکن یہ ہمارا بیڈروم ہے۔“

لیکن انہوں نے معاف نہیں کیا۔ تینوں آگے پیچھے بیڈروم میں داخل ہو گئیں۔ صبح کا منہ کھلا۔

”پاگل ہیں کیا یہ.....“ پھر منہ بند کرتی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ تینوں کمرے میں لگی ہادی اور شہرین کی تصویروں کو دیکھ کر یوں خوش ہو رہی تھیں جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہو۔

”ہادی بھائی آج بھی شہرین آپنی سے محبت کرتے ہیں۔“ اس کی چھوٹی بہن نم آنکھوں سے ایک تصویر کو دیکھتے خوشی سے بولی۔ صبح کا دل دھک سے رہ گیا۔

”ہاں۔ گھر کی ہر چیز ویسے ہی رکھی ہے جیسے شہرین آپنی کے ہوتے تھی۔ ایسے لگتا ہے جیسے وہ اس گھر سے کہیں گئی ہی نہیں۔“

کوئی صبح سے پوچھتا یہ گفتگو کیسے اس کے دل کو تکلیف کے نئے سبق سے روشناس کروا رہی تھی۔

”یہ آج بھی میری بیٹی کا گھر ہے۔ اور ویسے بھی دونوں کی محبت کی شادی تھی۔ ہادی نے ثابت کر دیا اس نے میری بیٹی سے سچی محبت کی تھی۔“ شہرین کی ماں بولی۔ وہ تینوں مختلف تصویروں کے آگے کھڑی تھیں۔

”مما۔“ نور عین جو خالہ کے پاس تھی، صبح کی جانب بازو پھیلائے۔ وہ اس سے زیادہ دیر اس سے دور نہیں رہ سکتی تھی۔ صبح نے آگے بڑھ کر اسے اس کی خالہ سے لینا چاہا۔ تینوں نے ممّا کی پکار پر اسے دیکھا تھا۔ صبح سنجیدگی سے اسے لیے ایک طرف ہوئی۔

”مما خالہ نے کہا ہے کہ وہ ہمیں پلے لینڈ لے کے جائیں گی۔ بہت انجوائے کریں گے۔ ممّا آپ کو پتہ ہے ہمارے بہت سارے کزنز ہیں۔ آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔“ احد کو اس کی نانی نے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ پر جوش سا صبح کو دیکھتے بول رہا تھا۔

”ہونہہ مہما۔“ اس کی نانی نے منہ کے زاویے بگاڑے تھے۔

”مجھے خود بھی نہیں پتہ تھا۔“ صباح نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا تھا۔

”بے چارے میرے بچے، کوئی تربیت کرنے والا ہوتا تو بتاتا ہر ایری غیریری عورت ماں نہیں ہوتی۔“ اس کی نانی صباح کو دیکھتے بڑبڑائی کیونکہ مقصد اسے سنانا تھا اور اس نے سن لیا تھا۔ صباح ان عورتوں کے سامنے کوئی ریری ایکشن نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس نے چہرہ سپاٹ کیے رکھا۔ ایک دل چاہا ہا ہر چلی جائے لیکن انہیں اس کمرے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی ان سے کیا بعید کہ وہ وارڈروب کھول کر بیٹی کے کپڑوں کی یاد تازہ کرنے لگ جاتیں۔

”مہما! جو نانو ہوتی ہیں وہ مہما کی مہما ہوتی ہیں اور خالہ مہما کی بہن۔“ احد بولا۔ بچوں کے لیے رشتے نئے تھے تو وہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صباح نے بمشکل مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

”تو نانو آپ کی مہما ہیں۔“

نانو مہما بچپن میں کیسی تھیں۔“ نور عین نے پوچھا۔

”تمہاری مہما بہت اچھی اور بہت پیاری تھیں۔ ان سے تو کوئی نہیں مل سکتا بھلے لاکھ کوششیں کر لے۔“ نانو نے مسکرا کر جواب دیا۔ صباح خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر بہت دیر بعد وہ تینوں وہاں سے نکلی تھیں۔ بچوں کو پیار کر کے وہ ان سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی تھیں۔ صباح کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ دماغ میں بار بار ان کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔ نصیب وادور شا کرہ نے اس کی سنجیدگی کو غور سے دیکھا تھا لیکن خاموش رہی تھیں۔

رات کو ہادی گھر آیا تو صباح کو اتنا سنجیدہ دیکھ کر حیران ہوتا رہا۔ اب تو وہ ہر وقت اچھے موڈ میں ملتی اور ہمہ وقت ہونٹوں پر سچی خوبصورت مسکراہٹ۔ ایک دو بار اشاروں کنایوں میں پوچھا۔ صباح نے نفی میں سر ہلادیا۔ بچوں کی وجہ سے وہ کھل کر کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ پھر بچوں نے بتایا کہ آج ان کی دو خالائیں اور نانو آئی تھیں۔

”بابا! ہمیں تو پتہ بھی نہیں تھا ہماری نانو ہیں۔ نانا ہیں۔ خالہ ماموں اور اتنے کزنز۔ بابا وہ پہلے ہمارے گھر کیوں نہیں آتے تھے۔ ہم کیوں نہیں جاتے تھے۔“ احد سوال پوچھ رہا تھا۔ صباح کو ہادی کے جواب میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ وہ دھیان بیٹانے کوئی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ روز رات کو صباح لازمی بچوں کو باپ کے ساتھ

بٹھاتی تاکہ بچوں کو باپ سے بھی انچ منٹ ہو اور ہادی بھی اولاد سے انچ ہو۔ یہ روٹیں صبح نے اپنی ساس کے وزٹ کے بعد بنائی تھی جو ابھی تک قائم تھی۔ ہادی اور نور عین مل کر اس سے ڈھیروں باتیں کر رہے تھے۔

صبح چینل پر چینل تبدیل کر رہی تھی۔ پتہ نہیں یہ کیبل والے کچھ اچھا کیوں نہیں چلاتے۔ ہادی بچوں کو جواب دیتے گا ہے بگا ہے اسے بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر بچوں کے سونے کا ٹائم ہوا تو صبح انہیں کمرے میں لے آئی۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ جا کر سوئے تھے۔ ہادی نے کافی دیر بعد اس کے کمرے میں جھانکا۔ بیڈ پر آلتی پاتی مارے وہ سوچوں میں گم نظر آئی۔ دونوں بچے اس کے دائیں بائیں سو رہے تھے۔ ہادی نے ہلکا سا دروازہ کھٹکایا۔ صبح نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر دوبارہ سے اسی طرح سر جھکا گئی۔ ہادی کو تشویش ہوئی۔ وہ اندر آیا اور بیڈ کے دائیں جانب رکھے صوفے پر بیٹھا۔

”ادھر آ جاؤ۔“ ہادی نے بیٹھ کر اسے بلایا۔ صبح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”یہیں ٹھیک ہوں۔“

”صبح کیا ہوا ہے؟ تمہارا رویہ مجھے پریشان کر رہا ہے۔“ دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹکاتے وہ اس کی طرف جھکا۔

”کچھ خاص نہیں۔“ وہ گہری سانس بھرتی بولی۔ ہادی دیکھتا رہا۔ ”یہ گھر شہرین کی پسند پر بنا تھا؟“ بالآخر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

”نہیں یہ گھر پہلے سے بنا ہوا تھا میں نے خرید کے اسے فرنشڈ کروایا تھا۔“ ہادی کو اس کے سوال نے الجھایا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات تھی۔

”یعنی شہرین کی پسند پر۔“ صبح نے اسے غور سے دیکھا۔

”نہیں، میں گھر فرنشڈ کروانے کے بعد شہرین کو اس گھر میں لایا تھا۔ اس گھر کی ہر چیز میں نے خود پسند کی ہے کیونکہ مجھے بہت کم کسی اور کی پسند کی چیزیں پسند آتی ہیں۔ شہرین کو پتہ تھا اور اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔“

صبح نے ہولے سے سر ہلایا۔

”کیا آپ کا کبھی شہرین سے جھگڑا ہوا تھا؟“ یہ سوال پہلے والے سے زیادہ عجیب لگا تھا اسے۔ کہاں تو وہ شہرین کا نام سنتے ہی ماتھے پر بل لے آتی اور آج اس کا اور شہرین کا تعلق جاننا تھا اسے۔

”جھگڑا..... ہمارے بہت سے جھگڑے ہوتے تھے کبھی کسی بات پہ تو کبھی کسی بات پہ۔“

”کیوں؟ آپ لوگوں کی تو محبت کی شادی تھی۔“ وہ سنجیدہ اور کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”جہاں محبت ہو، وہاں لڑائیاں بھی چلتی رہتی ہیں۔ اب جنت کی زندگی تو نہیں ہے کہ ایک بار کسی سے محبت ڈکلیز کرنے کے بعد پھر اس سے کوئی اختلاف نہ ہو۔ اور اختلاف ہو تب بھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ یہ اسی دنیا کی زندگی ہے جہاں آپ کسی سے اعتراف محبت کرتے ہیں تو پراس پر آزمائے بھی لازمی جاتے ہیں۔“

”آپ دونوں میں کون سے اختلافات تھے؟“

ہادی نے اسے دیکھتے گہری سانس خارج کی۔ ”میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”لیکن میں سننا چاہتی ہوں۔“ وہ فٹ سے بولی۔ ہادی نے گردن ہلائی۔

”شہرین بہت لاڈلی تھی تو گھر کے کاموں سے نا بلد تھی۔ اور پھر اسے بچے بھی نہیں چاہیے تھے۔ احد کو سنبھالنا اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہوتا تھا۔ اور جب میں کہتا کہ گورنس رکھ لو پتہ نہیں کیوں فٹ سے انکار کر دیتی۔“ ہادی بول کر خاموش ہو گیا۔

”یعنی جس سے محبت ہو یہ ضروری نہیں وہ آپ کو پسند بھی ہو۔“

صبح نے سمجھ کر سر ہلایا۔ ہادی خاموش رہا۔

”ویسے لوگ کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے میرا خیال ہے کہ محبت وسیع ظرف ہوتی ہے۔ جہاں آپ محبوب کی ہر خامی کو دیکھتے ہیں لیکن نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہر دل دکھاتی بات کو یوں بھول جاتے ہیں کہ جیسے یہ کبھی ہوا ہی نہ ہو۔“

صبح اسے دیکھتی رہی۔

”آئی ایگری۔“ ہادی نے اسے دیکھتے کہا۔ صبح مزید اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔ کتنی ہی دیر دونوں کے بیچ خاموشی چھائی رہی۔ ہادی اس سے مزید اپنے اور شہرین کے تعلق کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چند

لحوں بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔ صبح بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ پھر بچوں کی پوزیشن ٹھیک کرتی لیٹ گئی۔

نصیبو اور شا کرہ نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔ شہرین کی ماں بہنوں کا آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ صبح چاہ کر بھی انہیں منع نہیں کر پائی تھی اور جب ہادی سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو آنے سے منع کرے تو اس نے کہا تھا کہ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ وہ خود ہی آنا جانا بند کر دیں گی۔ اور پھر ان کی بیٹی کی یادیں ہیں یہاں۔ وہ کیسے منع کر سکتا ہے اور نجانے کیوں صبح کا کھلتا دل خوف سے سکڑ سکڑ جاتا۔ وہ کھلتا پھول لمحہ لمحہ مرجھانے کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ ان عورتوں کی بچوں سے گفتگو۔ صبح خوف میں جکڑی رہتی بچوں کو اس سے متفرق نہ کر دیں۔ بچے بہت تیزی سے ان کے قریب ہوئے تھے۔ دادی پھوپھو سے اس لیے اُلجھ نہیں ہو پائے تھے کہ ان کا رویہ اتنا محبت بھرا نہیں ہوتا تھا لیکن یہ تو جیسے ان پر واری صدقے جانتیں۔

شہرین کی چھوٹی بہن عائشہ وہ ہر دوسرے دن آ جاتی اور ہادی کی گھر پر موجودگی کے وقت آتی۔ صبح اسے بچوں کے ساتھ جب ہادی پر بھی واری صدقے ہوتے دیکھتی تو کھٹک جاتی لیکن پھر وہم سمجھ کر سر جھٹک دیتی۔ ہادی تو شاید شہرین کی وجہ سے اس سے مسکرا کر بات کرتا تھا لیکن صبح کے دل میں بے چینی بڑھ جاتی اور پھر عائشہ کی شکل بہت حد تک شہرین سے ملتی تھی۔ صبح کا دل چاہتا کہ کاش اس کی ساس آجائیں تاکہ ان عورتوں سے جان چھوٹے کیونکہ ان کے ہوتے تو ناممکن تھا کہ شہرین کے گھر سے کوئی یہاں قدم بھی رکھ سکتا پھر بھلے ہادی کی جو مرضی ہو۔

صبح کڑھتے ہوئے کچن میں آگئی تھی۔ فریج کھول کر اندر دیکھتی رہی کیا بنائے۔ دماغ بار بار عائشہ کی طرف جا رہا تھا۔ اسی وقت عائشہ بھی کچن میں آئی۔

”میں بچوں کے لیے پاستا بنانے آئی ہوں۔“ وہ فون پر بات کر رہی تھی۔ صبح نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے دوسرے ہاتھ سے کچن کی بیٹ کھول کھول کر مطلوبہ سامان دیکھ رہی تھی۔ صبح کے اندر غصے کی لہر اٹھی۔ وہ زور سے فریج بند کرتی عائشہ کے قریب گئی اور ہاتھ بڑھا کر ڈبے دو بارہ مطلوبہ جگہ پر رکھ کر دروازے بند کر دیئے۔ عائشہ نے صبح کو گھورا۔ صبح بھی جواباً گھور کر سلیب سے ٹیک لگائے کھڑی ہو گئی۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟“

”وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ صبا اسی طرح گھورتی رہی۔

”میں اپنے بھانجوں کے لیے پاستا بنانا چاہ رہی تھی اور آپ نے آکر دخل اندازی کی ہے۔“

”محترمہ! اپنی چاہتیں اپنے گھر میں پوری کیا کریں۔ یہ میرا گھر ہے جہاں آپ کسی مسٹنڈے کی طرح دندناتی پھرتی ہیں۔ اور بچوں کے لیے اتنا ہی کچھ بنانے کا شوق تھا تو گھر سے بنا کے لے آتیں۔ مجھے بالکل بھی پسند نہیں کہ میرے مہمان میرے کچن میں دخل اندازی کریں۔“

”میں ہادی سے کہتی ہوں۔“ عائشہ نے شکایتی انداز میں کہتے اسے ڈرایا۔

”واہ بھئی۔ اب تک تو وہ ہادی بھائی تھے اب ہادی ہو گئے۔“

”ہاں کیونکہ میں اپنی بہن کے بچے کسی غیر عورت کے سائے میں نہیں پلنے دوں گی۔“

صبا زور سے ہنس دی۔

”یعنی تمہارا بھی بہن کی طرح چوری چھپے شادی کا ارادہ ہے؟ کیونکہ ہادی تو وہی ہے۔ یعنی دشمنوں کی اولاد۔ خیر میری بلا سے جیسے بھی ارادے رکھو۔ میرے گھر سے دور رہو ورنہ جب میں دور کرنے پر آئی تو یہ تمہارے حق میں کچھ اچھا نہیں ہوگا۔“ صبا نے اسے سخت انداز میں وارن کیا۔ وہ چند لمحے صبا کو گھورتی رہی پھر پیر پختی وہاں سے چلی گئی۔ صبا کے دل میں صحیح معنوں میں ٹھنڈک پڑ گئی تھی۔ اس کا موڈ فریش ہو گیا تھا۔ وہ گنگناتی ہوئی اب بچوں کے لیے پاستا بنانے کی تیاری کرنے لگی کہ شاید ان کا کھانے کا موڈ ہو بھی تو خالہ اٹھ کر بنانے آئی ہوگی اور آدھے گھنٹے بعد وہ بچوں کو دیکھنے جب ڈرائنگ روم میں پہنچی تو وہ خالی تھا۔

”احمد، نور عین۔“ اس نے بچوں کو آوازیں لگائیں۔ ہر طرف خاموشی چھائی رہی۔ کہاں چلے گئے۔

”ہادی۔“ صبا نے آگے بڑھ کر آواز لگائی۔

”بیگم صاحبہ۔“ کہیں سے شا کرہ آن وارد ہوئی۔

”شا کرہ بچے کہاں ہیں۔ انہیں کچن میں لے آؤ۔ ان کے لیے پاستا بن رہا ہے۔“

”وہ جی بیگم صاحبہ۔ وہ دونوں تو اپنی خالہ کے ساتھ کہیں چلے گئے ہیں۔“

”کیا۔“ صبح بے یقینی سے چیخی۔ ”اور ہادی۔“

”وہ جی اسٹڈی روم میں ہیں۔“

صبح بے یقینی سے شاکرہ کو دیکھتی رہی۔

”کس سے پوچھ کر وہ میرے بچوں کو لے گئی ہے۔ اور کہاں۔“

شاکرہ اس کے تاثرات سے بوکھلائی۔

”وہ جی انہوں نے ہادی صاحب سے پوچھا تھا اور پتہ نہیں کہاں لے گئی ہیں۔“

صبح اس کی بات مکمل ہوتے ہی تیز قدموں سے اسٹڈی روم کی جانب گئی۔

”ہادی۔“ اندر داخل ہوتے ہی اس نے پکارا۔

”جی۔“ ہادی نے کرسی پر بیٹھے مڑ کر پیچھے اسے دیکھا۔ وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے وہ بند کر دی

اور مسکرایا۔ ”ہو گئی کچن سے فارغ۔“

”بچے کہاں ہیں؟“ اس کی بات کو نظر انداز کرتے وہ بولی۔

”عائشہ کے ساتھ گئے ہیں۔“ ہادی حیرت سے اس کے تیور دیکھ رہا تھا۔

”کس سے پوچھ کر؟“

”مجھ سے پوچھ کر۔“

”مجھ سے پوچھنا تو ایک طرف بتانا بھی گوارا نہیں کیا کسی نے۔“ وہ سلگ اٹھی۔ ہادی کرسی پیچھے کرنا اٹھ کر

اس تک آیا۔

”کیا ہو گیا ہے۔ اپنی خالہ کے ساتھ گئے ہیں اور مجھ سے پوچھ کر گئے ہیں۔“

صبح کے زاویے بگڑے رہے۔

”کوئی مسئلہ ہے؟“ ہادی نے نرمی سے پوچھا۔ صبح نے خود پر قابو پایا اور دھیمی آواز میں بولی۔

”عائشہ کا نمبر دیں۔ بچوں کی خیر خیریت پوچھ لوں۔“

ہادی اسے بغور دیکھتا رہا۔

”نمبر دے دیتا ہوں لیکن ابھی آدھا گھنٹہ ہی ہوا ہے۔ اتنا پنک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”بچوں کو میرے بغیر کہیں جانے کی عادت نہیں ہے۔ میں بھی کہیں جاؤں تو آپ کو پتہ ہے میں فون پر ان سے بات کرتی رہتی ہوں۔ اب خالہ کے ساتھ گئے ہیں تو تھوڑی دیر بعد میری یاد ستانے لگے گی انہیں۔ خالہ کے ساتھ پہلی بار گئے ہیں انجوائے کر لیں۔ ورنہ گھر آنے کی ضد لگا دیں گے۔“ صباح نے سارا غصہ اپنے اندر دبا لیا تھا۔ ہادی اس کی بات سن کر مسکرایا۔

”ابھی مسیج کر دیتا ہوں۔“

صبح زبردستی مسکرائی اور پھر پلٹ گئی۔

”کہاں؟“ ہادی نے پیچھے سے پوچھا۔ ”آؤ بیٹھو۔ میں تو تمہارے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔“

”ابھی کچن میں کام رہتا ہے۔“ صباح نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور باہر چلی آئی۔ ہادی کو وہ ابھی ابھی لگی لیکن یہ بھی پتہ تھا بہت پوچھنے پر بھی بتائے گی نہیں۔ وہ اسے ہی سوچتا دوبارہ اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔
صبح نے اپنے کمرے میں رکھا موبائل اٹھایا۔ ہادی کا مسیج مل چکا تھا۔ صباح نمبر ڈائل کرتی کچن میں آ گئی۔ عائشہ نے انجان نمبر دیکھ کر کال ریسیو کی تھی۔
”ہیلو۔“

”صبح بات کر رہی ہوں۔ بچے کہاں ہیں؟“

”میرے ساتھ ہیں۔ کیوں؟“

”احد کو موبائل دو۔“ صباح اس سے زیادہ بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور گھنٹہ پہلے ہی تو اس کی طبیعت صاف کی تھی۔ دوسری طرف عائشہ نے حیرانگی سے موبائل احد کی طرف بڑھایا تھا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کال آئی کیوں تھی۔ جبکہ احد نے آرام سے موبائل لے لیا تھا اسے پتہ تھا اس کی ماما ہی ہوں گی۔
”ہیلو ماما۔“

”کیسا ہے میرا بچہ۔“ پہلی بار صباح کی مسکراہٹ ابھری تھی۔ دوسری جانب احد بھی محسوسیت سے مسکرایا۔
”ٹھیک ہیں دونوں۔ اور انجوائے کر رہے ہیں۔ خالہ ہمیں شاپنگ کروا رہی ہیں۔ پھر ہمیں پلے لینڈ بھی

لے جائیں گی۔“

احد کو پتہ تھا ماں کے سوال کا کیا جواب بنتا تھا۔ صبح کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”چلو ٹھیک ہے انجوائے کرو۔ اپنا اور نور عین کا خیال رکھنا۔“ صبح نے مخصوص جملہ دہرایا اور پھر اطمینان بھری سانس لے کر کال کاٹ دی۔ احد نے کال کٹ جانے پر موبائل خالہ کو واپس کر دیا۔

”کوئی مسئلہ ہے؟“ عائشہ نے پوچھا۔

”نہیں خالہ۔ روٹین کال۔“

عائشہ نے رک کر اسے دیکھا۔ ”مطلب؟“

”مطلب۔ ماما کہیں جائیں تو ہر گھنٹے بعد ہمیں کال کرتی ہیں۔ ہم آج پہلی بار ماما کے بغیر باہر آئے ہیں تو ماما نے آپ کے موبائل پر کال کی۔ گھر میں نصیبو آنٹی یا شاکرہ آنٹی کے موبائل پر کال کرتی ہیں۔“ احد نے نور عین کے ہاتھ کو پکڑا۔ ماں کی نصیحت یاد تھی۔

”ڈرامے باز عورت ہے۔“ عائشہ نے تنفر سے کہا۔

”کون خالہ۔“ نور عین نے سوال کیا۔ وہ لوگ اب چلتے ہوئے ایک فوڈ کورٹ میں داخل ہو رہے تھے۔

شاہنگ بیگز عائشہ کے ہاتھ میں ہی تھے۔

”یہی تمہاری نقلی ماں اور کون۔“

احد اس کی بات سن کر رک گیا تو نور عین بھی ساتھ رک گئی جبکہ خالہ نے ایک ٹیبل پر جا کر بیگز رکھے۔

”کیا ہوا، رک کیوں گئے۔ آؤ بیٹھو۔“

احد خاموشی سے بہن کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ٹیبل تک آیا۔

”خالہ! میری ماما کے بارے میں دوبارہ برے الفاظ میں بات نہ کیجیے گا۔“

عائشہ نے حیرت سے مڑ کر اس چار سالہ لڑکے کو دیکھا جو ایک کرسی پیچھے کیے بہن کو بٹھارہا تھا۔ پھر اس کے ساتھ رکھی کرسی کھینچی اور پاؤں اوپر کر کے وہاں بیٹھا۔ جب وہ کرسی پر بیٹھا تو اس کے پاؤں زمین پر نہیں نکلتے تھے اور وہ لڑکا اسے اپنی ماں کے لیے اچھے الفاظ میں بات کرنے کو کہہ رہا تھا۔ عائشہ نے بنا کچھ کہے سر ہلا دیا۔ پھر جو

بچے کچھ دیر پہلے خوب چھپہارہے تھے۔ اب بالکل سنجیدگی سے بس کھانے کی طرف متوجہ تھے۔ عائشہ تو انہیں دیکھ دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہوئی جارہی تھی۔ ایک ان کے گھر کے بچے تھے جو ذرا دیر میں سب بھول بھال جاتے تھے اور پھر وہ سامنے بیٹھے بچے تھے۔ جو اپنی ماں کا گلہ برداشت نہیں کر پائے تھے۔ نور عین تو شاید اس لیے چپ تھی کہ بھائی چپ تھا ورنہ اسے کہاں خالہ کی بات سمجھ آئی ہوگی۔

پھر کھانا کھا کر وہ انہیں بہلاتی پلے لینڈ لے آئی تھی۔ نور عین تو نارمل ہو گئی تھی لیکن احدا اس کی بات پر نپا تلا مسکراتا۔ ورنہ یہ بھی زحمت نہ کرتا۔

”اللہ ابھی سے اتنا ایٹی ٹیوڈ ہے اس میں۔ سگا بھانجا نہ ہوتا تو میں سمجھتی زیادہ عمر کا ہے۔ پورا باپ پر گیا ہے۔“ عائشہ تو احد کے رویے سے حیران ہو رہی تھی۔ جو گیم کھیلتے ہوئے بہن سے تو مسکرا کر بات کرتا لیکن عائشہ بات کرتی تو ایسی سنجیدگی سے جواب دیتا کہ جیسے شاید ہی کبھی مسکرایا ہو۔

”اللہ.....“ پھر جب پلے لینڈ سے باہر نکلے تب عائشہ کا موبائل بج اٹھا۔ عائشہ نے پرس کھول کر دیکھا۔ صبح کی کال تھی۔ اس نے بجنے دیا۔

”مما کی کال ہے؟“ احدا اور نور عین نے اسٹھے سوال کیا۔

”نہیں میری ایک فرینڈ کی ہے۔ ابھی میں آپ لوگوں کے ساتھ انجوائے کر رہی ہوں۔ اس سے بعد میں بات کر لوں گی۔“ عائشہ نے مسکرا کر بچوں کو جواب دیا۔ اسے پتہ تھا وہ بچے نہیں تھے وہ تو.....

پھر فون وقفے وقفے سے بجتا رہا۔ احد ہر بار اس کے ہاتھ کو پرس کے اندر جاتا دیکھتا لیکن وہ نمبر دیکھ کر موبائل دوبارہ پرس میں ڈال دیتی۔

”خالہ! ممما کی کال نہیں آئی؟“ احد نے پوچھا۔

”نہیں ابھی تو نہیں آئی۔ جب آئے گی تو آپ کو دے دوں گی۔“ پھر وہ ایک شوژ شاپ میں داخل ہوئے کہ موبائل پھر بجنے لگا۔ اس بار عائشہ نے اسے ساکنٹ کر دیا۔

”بھائی! مجھے لگتا ہے ممما کی کال ہوگی خالہ جان بوجھ کر نہیں اٹھا رہیں۔“

احد نے چونک کر نور عین کو دیکھا۔

”ہاں بھائی۔ مجھے لگتا ہے خالہ اور ماما کا کوئی جھگڑا ہوا ہے اس وقت خالہ ماما کو غلط غلط بول رہی تھیں۔“
 نور عین نے وہ الفاظ بھی نہیں کہنے چاہے۔ لوجی کون کہتا ہے کہ وہ بچے تھے وہ تو افلاطون تھے۔ ماں کے لیے ایسے
 باریک بین بن گئے تھے۔ عائشہ ان کی سرگوشیوں سے لاعلم اپنے لیے جوتے پسند کر رہی تھی۔
 ”ہم دوبارہ ان کے ساتھ نہیں آئیں گے۔“ نور عین نے اسی وقت کیا اپنا فیصلہ بھائی کو سنایا۔
 ”اب خیال آرہا ہے۔ اس وقت تو بڑا ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی ان سے۔“ احد نے اسے چڑایا۔ نور عین
 نے غصے سے بھائی کو دیکھا۔

”یاد نہیں ماما کہتی ہیں بڑوں کے ساتھ تمیز سے بات کرتے ہیں۔“ احد نے سن کر اُن سنا کیا اور اس کا ہاتھ
 پکڑے آگے ہوا۔ خالہ ایک کرسی پر بیٹھی تھیں اور ان کے سامنے جوتوں کا ڈھیر لگتا جا رہا تھا کہ انہیں پسند ہی کچھ
 نہیں آرہا تھا۔

صبح بے چینی سے یہاں وہاں پھر رہی تھی۔ پانچواں گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اور بچے ابھی تک نہیں آئے
 تھے۔ عائشہ اس کی کال نہیں اٹھا رہی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اسے تنگ کرنے کے لیے ہی ایسا کیا جا رہا تھا لیکن
 صبح کو کب عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو اتنی دیر کے لیے نظروں سے اوجھل رکھتی۔ وہ گھر سے دور رہ کر بھی زیادہ
 سے زیادہ ایک گھنٹہ صبر کرتی پھر فوراً ویڈیو کال کرتی۔ اب صبح کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔ غصہ تھا کہ بڑھتا
 ہی جا رہا تھا۔ ہادی پر کہ بچوں کو کیوں جانے دیا۔ بچوں پر کہ بغیر پوچھے اور بتائے کیوں گئے۔ اور سب سے زیادہ
 دراصل عائشہ پر غصہ تھا وہ لے ہی کیوں گئی تھی بچوں کو۔ کیا ضرورت تھی اسے۔ غصہ پھر بے بسی میں بدلتا جا رہا
 تھا۔

ٹہلٹے ٹہلٹے اب چھٹا گھنٹہ بھی ختم ہونے کو تھا اس کے ساتھ ہی صبح کی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ وہ تیز
 قدموں سے چلتے ہادی کے کمرے میں جا پہنچی۔ وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ صبح
 بیڈ کے نزدیک جا کر اور بے چینی سے اس کی کال کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ ہادی نے اسے دیکھتے تیزی
 سے بات سمیٹی۔ آج اس نے آفس سے چھٹی ضرورت تھی لیکن آفس کا کام پھر بھی ہو رہا تھا۔
 ”بیٹھو۔ کیا ہوا؟“ ہادی نے ساتھ کھڑی صبح کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھایا اور پھر اس کی حالت دیکھ کر پوچھا۔

”چھ گھنٹے ہونے کو آئے ہیں۔ بچوں کا کچھ پتہ نہیں۔“ بولتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

”ریلیکس یار۔ کیا ہو گیا ہے۔ اپنی خالہ کے ساتھ گئے ہیں۔“ ہادی نے اس کا ہاتھ تسلی کے انداز میں تھپتھپایا۔

”عائشہ کو کال کر رہی ہوں پچھلے پانچ گھنٹوں سے وہ اٹھا نہیں رہی۔ مجھے ٹینشن ہو رہی ہے۔“

”اچھا میں کال کرتا ہوں اسے۔“

”اسے کہیں بس بہت ہوا۔ بچوں کو گھر پہنچائے۔“

ہادی نے سن کر سر ہلایا۔ ایک ہاتھ سے موبائل پکڑے وہ نمبر ڈائل کر رہا تھا کیونکہ شہرین کے گھر کے کسی فرد کا نمبر وہ سیو نہیں کرتا تھا ہاں زبانی آتے تھے۔ دوسرے ہاتھ میں صبح کا ہاتھ تھا جو اپنی بے چینی اور غصے کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ شدید غصے کی وجہ سے اسے رونا آرہا تھا لیکن وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ ہادی اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ کال جا رہی تھی لیکن عائشہ نہیں اٹھا رہی تھی۔ کتنی دیر بیل بجتی رہی پھر کال نہ ملنے کی صورت میں مشینی آواز کے بعد کال ختم ہو گئی تھی۔ ہادی کے ماتھے پر بل پڑے۔

”کیا ہوا؟“ صبح نے فون کان سے ہٹانے پر بے چینی سے پوچھا۔

”کال نہیں اٹھا رہی۔“ کہہ کر دوبارہ کال ملائی۔ پھر تیسری کوشش پر اس نے کال اٹھا لی تھی۔

”ہیلو ہادی۔“

”عائشہ! کال کیوں نہیں اٹھا رہی تھی۔“ اس نے ماتھے پر بل ڈالے خشک لہجے میں پوچھا۔

”موبائل سائلنٹ پر تھا۔“ اس کے لہجے کی خشکی کو محسوس کر کے وہ گھبرا گئی تھی۔ آج ہی تو وہ اس سے ہنس کر بات کر رہا تھا اور اب اس قدر خشک انداز۔ وہ ہادی ار ترضی تھا بالکل غیر متوقع۔

”بچے تھک گئے ہوں گے گھر لے آؤ۔“ دو ٹوک بات۔

”جی وہ میں سوچ رہی تھی کہ بچوں کو اپنے گھر لے جاؤں امی بہت دنوں (تین دن) سے ملی نہیں ہیں تو

انہیں بچوں کی یاد آ رہی تھی۔ پھر ابھی تو بس تھوڑی سی شاپنگ کی ہے۔“

”پھر کبھی۔ ابھی بچوں کو گھر چھوڑ جاؤ۔“ ہادی صبح کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ جو بے صبری سے اسے بولتا

دیکھ رہی تھی۔ پھر پیچھے کہیں سے کسی بچے کی رونے کی آواز آنے لگی اور پھر چند لمحوں میں احد کی آواز آئی۔

”خالہ! گھر چلیں۔ ماما کی یاد آ رہی ہے اور نور عین اب مجھ سے چپ نہیں ہو رہی۔“ عائشہ اس کی بات سنتے یہ بھول گئی کہ وہ ہادی سے بات کر رہی تھی۔

”کیا ہوا نور عین کو وہ کیوں رو رہی ہے۔“ ہادی تیزی سے بولا اور صبح کا دل جیسے مٹھی میں آیا اس کے آنسو بس چھلکنے کو آئے۔

”کیا ہوا اسے۔“

ہادی نے صبح کی بات پر اسے دیکھا۔

”ہوا تو کچھ نہیں بس ماما کی رٹ لگائے جا رہی ہے کب سے۔ بس آرہے ہیں ہم۔“ عائشہ نے بے زاری سے کہہ کر کال کاٹ دی۔

”کیا ہوا نور عین کیوں رو رہی تھی۔“

”پتہ نہیں بس آرہے ہیں۔ تم پریشان نہ ہو۔“

”کیوں بھیجا بچوں کو اس کے ساتھ۔ اور تو اور مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔“ صبح بھر کر بولتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہادی نے لب بھینچے اسے دیکھا۔

”صبح! بہت ہوا۔ مجھے پتہ ہے تم بچوں کے لیے بہت پوزیٹو ہو لیکن وہ اپنی سگی خالہ کے ساتھ گئے ہیں۔ کیا بار بار ایک ہی بات کہ کیوں بھیجا اور مجھے نہیں بتایا۔“

”سگی خالہ کے ساتھ گئے ہیں تبھی رو رہی ہے نور عین۔“ صبح نے طنز کیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔

”تمہیں کبھی سمجھ نہیں آئے گی کہ مجھے کس بات کا خوف ہے۔“ صبح بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ ہادی اسے جاتا دیکھتا رہا پھر اس کی دکھی کیفیت کو دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ صبح خوش قسمت تھی کہ وہ صبح تھی جس کے لیے ہادی اپنا غصہ بھی پس پشت ڈال دیتا تھا لیکن صبح کو کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ ہادی اس کے لیے کتنا اپنے اصولوں سے پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ کاش کہ اسے معلوم ہوتا۔

”صبح!“ ہادی اسے آواز لگاتا اس کے پیچھے گیا جو ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھی رو رہی تھی۔

”اف یار اصرار حد کرتی ہو یہ کوئی رونے والی بات ہے۔۔“ اس کے ساتھ جا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ صبح تیزی سے وہاں سے کھسکی اور فاصلہ بڑھایا۔

”اچھا رونا کیوں آرہا ہے؟ میری بات پر؟“ ہادی نے بولتے ہوئے پھر فاصلہ کم کیا۔ صبح نے غصے سے اسے دیکھا۔

”آپ کو اچھی طرح سے پتہ ہے میں بچوں سے زیادہ دیر دور نہیں رہ سکتی۔ کب آپ نے دیکھا کہ میں کئی گھنٹے بچوں سے غافل رہی ہوں جو اس محترمہ کے ساتھ اتنی دیر کے لیے میرے بچوں کو بھیج دیا۔ مجھے بھی پتہ ہے وہ خالہ ہے لیکن میرے بچوں کو بھی عادت نہیں ہے کہ وہ اتنی دیر مجھ سے دور رہیں۔ احد تو چلو سکول جانے کے بعد عادی ہوا ہے لیکن نور عین تو ابھی چھوٹی ہے۔ آپ نے ایک بار بھی نہیں سوچا۔“

”صبح! یہ نارمل سی بات ہے بچے خاندان میں کسی کے ساتھ بھی اتنا ناظم لگا دیں کوئی پریشانی والی بات نہیں ہوتی اس میں کہ تم رونے لگ جاؤ۔“

”نہ میں نارمل ہوں نہ میرے بچے۔“ وہ تڑخ کر بولی۔ ہادی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”بچوں کو چھوڑ دو تمہارا مجھے پتہ ہے نارمل نہیں ہوں۔“

صبح کے ہونٹوں کو بھی مسکراہٹ چھو گئی تھی۔ پھر بیس منٹ بعد بچوں کا شور آنے لگا۔ گھر میں جیسے زندگی لوٹ آئی تھی۔ نور عین تڑپ کر صبح کی طرف بھاگی تھی جیسے صدیوں سے ماں سے نہ ملی ہو۔ صبح کے چہرے کی رونق لوٹ آئی تھی۔ وہ عائشہ کو نظر انداز کیے بچوں کو لیے کچن میں چلی گئی اور عائشہ ہادی کے روڈ انداز پر کڑھتی وہاں سے جا چکی تھی۔

”مما! میں آج کے بعد خالہ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ نور عین نے پاستا کا نوالا نگلتے ہی اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ جب اسے ماں سے بات منوانی ہوتی تو اس چیز سے بے زاری اور چہرے پر ایکسٹرا معصومیت۔ اور تو تلے پن کو خیر باد کہنے کے باوجود وہ ایسے وقت اسے بھی کھینچ لاتی۔ پتہ نہیں اس بچی کے خیال سے وہ ایسے زیادہ کیوٹ لگتی ہوگی شاید..... لیکن ہاں وہ کیوٹ سی چالا کو ماسی لگتی تھی۔ اور صبح اس کے اس انداز پر بمشکل اپنے قہقہے روکتی تھی۔ لیکن مجھے ایک بات بتانے دیں کہ صبح تین سال کی نور عین کو اب یہ باور کراتی رہتی تھی کہ

وہ اب چھوٹا بے بی نہیں ہے اب وہ بڑی ہے۔ نور عین بھی بڑی خوشی سے یہ بات مانتی تھی لیکن جب بھی کوئی مطالبہ ہوتا اس کے خیال سے ٹٹلنے سے وہ چھوٹا بے بی بن جاتی تھی جسے کوئی کچھ نہیں کہتا کیونکہ وہ تو چھوٹا بے بی ہے۔

تین سالہ نور عین نے دماغ میں حساب کتاب لگایا تھا کہ کیونکہ خالہ تو ماما کی بہن ہوتی ہے اگر جو وہ ماما سے کہے گی وہ ان کی بہن کے ساتھ باہر نہیں جانا چاہتی تو کہیں ماما کو برا نہ لگے۔ وہ بہت حساس اور چالاک سی بچی اب چھوٹا بے بی بن گئی تھی۔ صبح کی کوفت، بے چینی، غصہ سب ہوا ہو چکا تھا۔ وہ بچوں کی باتیں سن کر ہنسی روک رہی تھی۔

”کیوں نہیں جانا خالہ کے ساتھ۔“ صبح نے ہنسی روکی ہوئی تھی۔

”ماما! ایک تو خالہ اپنے فون سے آپ سے بات نہیں کرواتی ہیں میں کتنا کہتی رہی۔ پھر ایک شاپ کیپر انکل نے مجھے ڈرایا پھر بھی خالہ نے اسے نہیں ڈانٹا۔ ویسے خالہ بہت اچھی ہیں۔“ وہ بول کر مخصوص انداز میں یہاں وہاں دیکھنے لگی۔ صبح کی مسکراہٹ پھسکی پڑی۔ اس بار وہ اس کی معصومیت پر نہیں مسکرا سکتی تھی۔

”شاپ کیپر انکل نے کیوں ڈرایا تھا؟“

”یہ بار بار کہہ رہی تھی خالہ گھر چلو تو اس انکل نے غصے سے اسے آنکھیں دکھائیں تو یہ رونے لگ گئی بس پھر اس کے بعد چپ ہی نہیں ہوئی۔“ جواب احد نے دیا تھا۔ صبح نے نور عین کو دیکھا جو اپنی بات کو منوانے کے لیے چہرے پر معصومیت طاری کیے اسے دیکھ رہی تھی۔ صبح نے محبت سے اسے خود سے لگایا اور پھر باری باری اس کے گال چومے۔ احد بھی قریبی کرسی سے اٹھ کر صبح کے قریب ہوا یعنی مجھے بھی پیار کیا جائے۔ صبح نے اس کے بھی گال چومے۔

”اب کبھی آپ کو کسی اور کے ساتھ نہیں جانے دوں گی۔ اور شاپ کیپر انکل کا احد کو بتاتی آپ۔ بھائی تو ساتھ تھا۔“

”مجھے بعد میں بتایا اس نے ورنہ ان انکل سے تو میں پوچھتا۔ میری بہن کو کیوں ڈرایا۔“ احد کو افسوس ہوا۔ اسی لمحے ہادی کچن میں داخل ہوا۔ وہ مسکراتا ہوا احد کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ کیونکہ دائیں بائیں

دونوں بچے تھے۔ پھر بچے اپنی باتیں بتاتے رہے صبح اور ہادی مسکراتے ہوئے انہیں سنتے رہے۔
رات کو جب نور عین سو گئی تو احد نے اسے متوجہ کیا۔

”مما۔“

”جی۔“

احد سوتے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”ایک بات بتانی ہے آپ کو۔“

”جی بچہ بتاؤ۔“ صبح بھی لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔

”مما! عائشہ خالہ اور نانی لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔ جب بھی اکیلے آپ ہمیں ان کے ساتھ بٹھاتی ہیں وہ ہم سے آپ کی برائیاں کرنے لگ جاتی ہیں۔ آپ اچھی نہیں ہیں اور آپ ہماری ریل مد نہیں ہیں۔“ احد نے بات اپنی طرف سے لپیٹ کے بتائی تھی لیکن صبح کا دل جیسے گہرائی میں جا گرا تھا۔ وہ فق چہرے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ احد نے ماں کے تاثرات دیکھے تو آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا۔

”مما! آپ ان کی باتوں پر دکھی نہ ہوں وہ آپ سے پیار نہیں کرتی ہیں اس لیے آپ کو برا کہتی ہیں۔ لیکن میں ہوں نا اور نور عین بھی۔ آپ کو پتہ ہے میں پوری دنیا میں سب سے زیادہ آپ سے پیار کرتا ہوں۔“ وہ اب پیچھے ہوا اور دونوں ہاتھ اس کے چہرے پر رکھے۔ صبح بنا کچھ بولے اسے دیکھتی رہی۔

”مما! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں چھوٹا بچہ نہیں ہوں مجھے پتہ ہے جن کی اپنی ممان کا خیال نہ کریں وہ پھر دوسروں کی ممان کو سٹپ مد رکھتے ہیں۔ نانی بھی خالہ عائشہ کا خیال نہیں رکھتی ہوں گی اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ میں احد اور نور عین کو بھی دکھی کر دوں۔ اینڈ آئی گیس کہ نانو کی ممان بھی ان کا خیال نہیں کرتی تھیں وہ بھی اس لیے کہتی ہیں۔“ وہ بڑا بن کر اسے بہلا رہا تھا۔

”اور ممما! خالہ عائشہ اتنی بڑی ہو گئی ہیں انہیں اتنا بھی نہیں پتہ بہن بھائیوں کے بارے میں کبھی برا نہیں بولتے۔ اور کسی اور کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ ٹھیک ہے میں ان کا بھانجا ہوں لیکن آپ تو ان کی بہن ہیں۔ مجھ سے تو پہلے ہیں ان کے لیے۔ لیکن وہ کچھ نہیں سوچتی ہیں۔ کبھی آپ کو ڈرامے باز، سوتیلی ماں اور.....“ وہ صبح

کے متغیر ہوتے چہرے کو دیکھ کر چپ ہو گیا۔

”سوری ماما! آپ کی بہن ہیں وہ۔ آپ کو ان کی برائی اچھی نہیں لگ رہی۔ سوری ماما! دوبارہ ایسی بات نہیں کہوں گا۔ لیکن میں ان سے پھر بات نہیں کروں گا۔“ وہ معذرت کرتے محبت بھرے انداز میں اس کے ہاتھ پکڑے بولا۔

”اور ماما! آپ پریشان نہ ہوں میں نے ان کی باتوں پر نور عین کو بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ لوگ اپنے دکھ میں آپ کو برا کہتی ہیں تم اس وقت اپنا دھیان کہیں اور لگا دیا کرو۔ اور پھر جب وہ ایسی باتیں کرتیں تو میں نور عین کو کھیلنے کے لیے اٹھا دیتا۔“

صبح بمشکل احد کے لیے مسکرائی لیکن درحقیقت اس کا دل جیسے ڈوبتا جا رہا تھا۔ پھر احد کو بہلا کر اسے سلا دیا تھا لیکن اس کی اپنی نیند اڑ چکی تھی۔ خوف، اندیشے اور سو سے..... وہ کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی۔ نیند نہ آئی تھی نہ آئی۔ یہ پہلی بار تھا کہ اس کی نیند اڑی تھی ورنہ تو جیسے بھی کر کے وہ سو جاتی تھی کہ نیند پر تو کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی وہ۔ ہر چیز سے بڑھ کر کچھ بہت برا ہونے کا وہم دل سے نہیں نکال پارہی تھی اور وہ وہم اسے خوف میں مبتلا کرتا جا رہا تھا۔

”کاش کہ میں اپنی انا کی وجہ سے اپنے اور ہادی کے رشتے کو نظر انداز نہ کرتی۔ آج شاید میری زندگی اتنی بے یقینی کا شکار نہ ہوتی۔“ ایسے کئی افسوس تھے جو اسے سونے نہیں دے رہے تھے۔



اور پھر صبح نے اپنی غلطیوں کو سدھارنے کا عزم کیا۔ اسے اب ہادی کی محبت کو مزید نہیں آزمانا تھا بس بہت ہوا۔ یہ اصل زندگی تھی۔ جہاں کوئی بھی اپنی محبت کا اس قدر امتحان نہیں دیتا جتنا ہادی دے چکا تھا کہ اس نے صبح کے فیصلے کو مانا تھا اور اس کی خود سے محبت کا بہت صبر سے انتظار کرتا رہا۔

آج صبح کی سالگرہ تھی۔ وہ اچھے دن نئی زندگی کی اچھی شروعات کرنا چاہتی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ کچن میں گھسی تیار یوں میں لگی ہوئی تھی۔ احد سکول سے آچکا تھا اور دونوں بچے کھیلتے ہوئے پورے گھر کو کھیل کا میدان بنا چکے تھے۔ کبھی بھاگتے ہوئے کچن میں آجاتے اور کبھی باہر چلے جاتے۔ صبح گنگنا تے ہوئے کام کر رہی تھی

وہ اس فیصلے کو کر کے جیسے ہر خوف سے آزاد ہو گئی تھی۔ طبیعت بٹاش تھی اب۔ یوں کہ جیسے کوئی اتنے دن جان لیوا بیماری بھگتا کراٹھے۔

”بیگم صاحبہ! شہرین میڈم کی امی اور بہنیں آئی ہیں۔“ نصیبو نے اسے اطلاع دی۔

”بچے کہاں ہیں؟“ اس نے مڑ کر پوچھا۔

”بچے انہیں سلام کرتے بھاگ گئے۔ وہ اب لان میں کھیل رہے ہیں۔“

صبح کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

”آپ چلیں، میں آرہی ہوں۔“ اسے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ انہیں بٹھاؤ۔ وہ گھر کے جس کونے

میں جانا چاہتی ہوں گی بنا کہے پوچھے چلی جائیں گی۔ ہوتے ہیں نا کچھ لوگ تہذیب سے عاری۔

صبح آٹھ بج چکی تھی۔ پہلے تو اسے اپنے مہمانوں کے وزٹ کی جائے وقوعہ تلاش کرنی

تھی پھر ہی ان سے بات ہو سکتی تھی۔ عین اس کے اندازے کے مطابق وہ ہادی کے بیڈروم میں تھیں۔ جہاں اب

صبح نے بھی رہائش اختیار کرنی تھی۔ صبح اندر داخل ہوئی۔ نانی ایک جانب رکھے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ایک

خالہ سامنے بیڈ پر اور عائشہ وارڈ روبر کھولے صبح کے کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اور ساتھ کچھ تبصرے

بھی کر رہی تھی۔ ہادی اور اسے اپنی الماریوں کو لاک کرنے کی عادت نہیں تھی اور اب اس کا انجام سامنے تھا۔

صبح نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے اور دروازے سے ٹیک لگائے ان تینوں ماں بیٹیوں کو طنز بھرے

انداز میں دیکھنے لگی۔ عائشہ نے اسے دیکھا۔

”ویسے بھو، لوگ جتنی بھی کوششیں کر لیں۔ یہ گھر تو شہرین آپنی کا ہی ہے اور ہادی شہرین آپنی سے محبت

کرتے ہیں وہ کیوں کسی اور کو منہ لگائیں گے۔“

تینوں ماں بیٹی نے قہقہہ لگایا۔ صبح نے مسکرا کر عائشہ کو دیکھا۔

”صحیح کہا۔ ہادی کیوں کسی اور کو منہ لگائیں گے جب اتنی خوبصورت بیوی ہے اور سب سے بڑی بات اس

بیوی سے بہت محبت ہے۔“ صبح نے اپنا آگ والا کرتب کھیلنا شروع کیا۔ مسکرا کر آگ لگانا اور پھر جلا کر رکھ کر

دینا۔ ان تینوں کی مسکراہٹ سمٹی۔

”زیادہ بنو نہیں، ہمیں پتہ ہے ہادی کو شہرین سے بہت محبت تھی اس نے کبھی تمہیں منہ لگایا ہی نہیں۔“ بھو صاحبہ نے تمسخر اڑایا۔

”آپ کی بات کے جواب میں جو مجھے کہنا چاہیے وہ بہت رومینٹک ہے اور میں اپنی بیڈروم لائف کسی سے ڈسکس نہیں کرتی۔“ صباح نے اسی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ ”اور میں آپ عزت مآب خواتین سے گزارش کرتی ہوں کہ بیٹھنے کے لیے گھر کے ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھیں۔ اچھے اور عزت دار لوگ یوں کسی کے بیڈروم میں نہیں گھستے۔ وہ اچھے مہمانوں کی طرح بس وہیں بیٹھتے ہیں جہاں میزبان بٹھائے۔“

”ہو کون تم دو ٹکے کی لڑکی۔ اور یہ میری بیٹی کا گھر ہے۔ میں اس گھر کے جس کو نے میں بھی جاؤں۔“

”آپ کی یادداشت کی بحالی کے لیے بتاتی چلوں کہ آپ کی بیٹی کو مرے تین سال ہو گئے ہیں اب یہ اس کا گھر نہیں رہا۔ اس گھر کی مالکن اب میں ہوں اور مجھے تہذیب والے مہمان پسند ہیں۔ ورنہ میں چاہوں گی کہ وہ میرے گھر آنے کی زحمت نہ کریں۔“

تینوں خواتین کو اس کے تیوروں نے چوکنا کر دیا تھا اور وہ بحث کے لیے پرتو لے لگیں۔

”بیٹی مری ہے لیکن اس کی اولاد زندہ ہے۔ اور یہ گھر صرف میری بیٹی کا نہیں میرے نواسوں کا بھی ہے۔“

”بالکل ان کا بھی گھر ہے لیکن پھر بھی مالکن میں ہی ہوں۔ اور ایک اور بات میرے بچوں کے کان بھرنے کی کوششیں نہ کیا کریں۔ کیونکہ ابھی وہ بہت چھوٹے ہیں ایسی باتیں ان کے لیے اچھی نہیں ہیں۔“ صباح نے سنجیدگی سے نانی کو دیکھا۔

”تم ہوتی کون ہو مجھے میرے نواسوں کے معاملے میں کچھ کہنے والی۔ میں صرف انہیں یہ بتاتی ہوں کہ ہر عورت ماں نہیں ہوتی۔“

”غلط کرتی ہیں یہ بتا کر..... کیونکہ ایسے میں وہ صرف مجھ سے متنفر نہیں ہوں گے بلکہ ان کی ذہنی تربیت کے لیے بھی ایسی نفرت انگیز باتیں نقصان دہ ہیں۔“ صباح نے افسوس سے اس خود غرض عورت کو دیکھا۔

”تم بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کر کے ہادی کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہو میں جانتی ہوں۔“ عائشہ پھنکاری۔ صباح کے چہرے پر طنز یہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہادی میرے شوہر ہیں۔ بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کروں تب بھی میرے ہی رہیں گے اور جہاں تک رہی کوششیں کرنے کی بات یہ چور کی داڑھی میں تنکے والی بات ہوگئی لیکن میں ان کوششوں کو جانتی ہوں جو تم میرے شوہر کے لیے کر رہی ہو۔ ہاں البتہ میرا شوہر بغیر کوششوں کے بھی میرا ہی ہے۔ اور ویسے تمہیں کیا مسئلہ ہے کہ میں اپنے شوہر کے لیے کچھ کروں یا نہیں۔“

عائشہ اس کی بات سن کر خاموش ہوگئی۔

”اب باہر چل کر بیٹھیں۔“ صبح نے بات دہرائی۔

”یہ میری بیٹی کا گھر ہے تم غاصب بن کر اس کے گھر میں گھس آئی۔“

”میں غاصب بن کر کبھی نہ آتی اگر جو آپ کی بیٹی چوری شادی نہ کرتی کیونکہ سسرال کو معلوم ہوتا کہ بیٹا شادی شدہ ہے تو وہ کیوں کسی اور عورت کو سڑنے کے لیے لے آتے۔“

”تمہیں شرم نہیں آتی تم میری مری بیٹی کے لیے برے الفاظ استعمال کر رہی ہو۔“ وہ تینوں خواتین غصے میں کھڑی ہوگئی تھیں۔ صبح اسی طرح اطمینان سے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

”ہونہہ، مرنے سے عمل تبدیل نہیں ہوتے۔ بائے داوے میں آپ کی بیٹی کی برائی نہیں کر رہی بلکہ جو اس نے کیا اس کا نقصان بتا رہی تھی آپ کو۔“

نانی اور خالائیں غم و غصے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس کے بعد جیسے ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ تینوں اونچی آواز میں بولتی رہیں اور وہ بیچ میں ایک آدھ لقمہ دے کر ان کی سپیڈ کو بڑھا دیتی۔ کمرے کے باہر نصیبو اور شا کرہ منہ پر ہاتھ رکھے یہ سب سن رہی تھیں۔ بالآخر صبح بور ہوگئی تھی اس شو سے۔

”آپ لوگ خود جانا پسند کریں گی یا میں کسی کو بلواؤں جو باہر کا راستہ دکھائے۔“

وہ اور اونچا بولنے لگیں اور رونے لگیں۔ صبح نے بے زاری سے رخ پھیر لیا اور پھر وہ بولتی ہوئی باہر جانے لگیں۔

”اور ہاں ایک اور بات۔ اب بیٹی نہیں رہی تو اس کا گھر بھی نہیں رہا۔ دوبارہ یہاں آنے کی زحمت نہ کیجئے گا آپ لوگ..... اور جہاں تک رہی بچوں کی بات تو جس طرح اب تک انہیں بھولے رہی ہیں آگے بھی بھول

جائیں، ہاں جب وہ بڑے ہوں گے تو آپ سے ملنا چاہیں تو اور بات ہے۔“

پھر بد دعاؤں کے طوفان تھے جو صبح کی طرف پھینکے جا رہے تھے۔ صبح خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر بالآخر وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔

”بچے کہاں ہیں؟“ اس نے شاکرہ سے پوچھا۔

”پچھلے لان میں سب بچے کھیل رہے ہیں۔“

وہ سر ہلاتی کچن کی جانب جانے لگی۔ یعنی شاکرہ اور نصیبو کے بچوں کے ساتھ وہ کھیل رہے تھے۔ آج کا شو تھا تو بہت ٹینس لیکن وہ ہر بات کو سر سے جھٹکتی کچن میں چلی آئی۔ بس آج سے خوشیوں کی شروعات کرنی تھی۔ وہ ہادی کاری ایکشن سوچ کر مسکرائے جا رہی تھی کہ جب وہ آج صبح کا جھنڈا لہرائے گی تو وہ کیاری ایکٹ کرے گا۔ سب تیاریوں سے بس وہ فارغ ہی ہوئی تھی کہ ہادی کے آنے کی اطلاع ملی۔ صبح نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ چھ بج رہے تھے۔ صبح نے خود پر نگاہ ڈالی۔ وہ خود ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ اپنے پیچھے سے ابھرتی قدموں کی آواز پر وہ مسکرائی۔ ایپرن اتار کر دراز میں رکھا اور مڑ کر دیکھا۔ ہادی کچن کے دروازے سے اندر آیا۔ صبح اسے دیکھ کر خوبصورت انداز میں مسکرائی۔

”خوش آمدید۔“

ہادی، وہ نہیں مسکرایا تھا۔ صبح نے محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کی گرم جوشی کے بدلے ہادی کاری ایکشن بہت ٹھنڈا تھا۔ وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے اس کی جانب گئی اور چند قدموں کے فاصلے پر جا کر رکی۔

”کیسا رہا آج کا دن۔“

”تم نے شہرین کی اماں اور بہنوں کو کیا کہا تھا۔“

صبح کی مسکراہٹ سمیٹتے معدوم ہوئی۔

”آج ہمارا دن ہے ان کا یہاں کیا ذکر؟“ صبح کو ناگواری محسوس ہوئی تھی۔ کیا اپنی سالگرہ کا سارا دن وہ ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ یا ان کا ذکر کرتے گزارے گی۔

”تم نے ان سے کیا کہا تھا؟“ ہادی نے اسی انداز میں بات دہرائی۔

”وہی جو بہت پہلے کہہ دینا چاہیے تھا۔“ صبا نے بھی اسی کا انداز اپنایا۔ سخت اور بے لچک۔

”اور مجھے بتانا پسند کرو گی کہ کیا بہت پہلے انہیں کہہ دینا چاہیے تھا؟“

”یہی کہ ان کی بیٹی نہیں رہی تو ان کا اس گھر میں آنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔“

ہادی نے غصے سے اسے دیکھا۔

”تمہیں ذرا بھی احساس ہے کہ تم نے انہیں کتنی تکلیف پہنچائی ہے؟ بیٹی نہیں رہی بیٹی کی اولاد تو ہے ان

کی۔ ویسے بھی چند دن تک ہی آتیں۔ تمہاری باتوں کی وجہ سے وہ ہاسپٹل نرڈ ہو گئی ہیں۔“

”شکر مری نہیں ہیں۔“ صبا تنفر سے بولی۔ ہادی نے لب بچنے اسے دیکھا۔

”تم ہمیشہ سے ہی ایسی خود غرض ہو۔ مجھ سے ہی تمہیں سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ وہ بیمار رہتی ہیں کچھ تو

بولتے ہوئے خیال کر لیا کرو۔“

”بہت خوب۔ محبوبہ کی ماں کی تکلیف بھی اتنا تڑپا رہی ہے۔ جو میں اس گھر میں اتنا تکلیف سہتی رہی ہوں۔

اور جو اگر وہ بیمار تھیں تو انہیں خود ہی اپنا احساس کرنا چاہیے تھا نہ بولتیں نہ سنتیں آخر کب تک میں ان کی فضول

باتوں اور حرکتوں کو سہتی۔“

ہادی افسوس اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ”اور تم نے کہا کہ شہرین نے بھاگ کر شادی کی

تھی۔“

”تو کیا غلط کہا تھا؟“ صبا نے چیلنج کرتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”صبا.....“ ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کر دے۔ ”یہ گھر شہرین کا تھا وہ نہیں رہی لیکن

اس کی اولاد ہے اس گھر میں۔ اور شہرین کی اولاد سے اس کا خاندان مل سکتا ہے۔“

اب کے صبا کو لگی تھی۔

”وہ میرے بچے ہیں۔ میں جس سے ان کا ملنا مناسب سمجھوں گی ملنے دوں گی۔“

”صبا.....“ ہادی ٹھنڈے انداز میں بولتا اس کے قریب ہوا۔ ”وہ میرے اور شہرین کے بچے ہیں۔

میرے اور..... شہرین کے۔ تمہارے نہیں۔ دماغ میں بٹھالو۔“

خون تک کو جمادینے والا ٹھنڈا انداز تھا کہ وہ سنتے ہی برف ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی بے جان سی ہو کر چند قدم پیچھے ہوئی۔

”وہ میرے بچے ہیں.....“ وہ ہادی کو بے یقینی سے دیکھتی بڑبڑائی۔

”میرے اور شہرین کے.....“ ہادی نے اسے دیکھ کر اپنی بات پر زور دیا۔

”نہیں ہیں وہ شہرین کے بچے۔۔۔ ان کے لیے راتوں کو میں اٹھ اٹھ کر جاگی ہوں۔۔۔ ان کے آرام کے لیے میں اپنے آرام کو قربان کرتی آئی ہوں۔“ وہ ہولے سے بولتی پیچھے کو ہوتے جا رہی تھی۔ ہادی اسی انداز میں اسے دیکھتا پلٹ گیا تھا۔ اور پھر وہ تو گھر سے باہر چلا گیا تھا پیچھے صبح کی حالت بری ہو گئی تھی۔ وہ کچن کے فرش پر بیٹھی بری طرح روتی جا رہی تھی۔ بہاریں روٹھ گئی تھیں۔ محبت، توجہ، سب جھوٹ تھا۔ وہ تین سال بعد بھی کہیں نہیں تھی اور شہرین مرنے کے تین سال بعد بھی زندہ تھی۔ محبتوں کی ہر کہانی جھوٹی تھی۔ صبح روئے جا رہی تھی۔ سب جیسے ختم ہو گیا تھا۔

”وہ میرے بچے ہیں۔ ان کے لیے میں نے اپنا آپ بھلا دیا۔ اپنی خوشیاں، اپنی انا، غرور..... ہر شے سے برتر انہیں رکھا۔ تم کہتے ہو وہ شہرین کے بچے ہیں۔“ تکلیف سی تکلیف تھی۔ جو صبح کو خاموش نہیں ہونے دے رہی تھی۔ ”نہیں ہیں وہ شہرین کے بچے وہ صرف میرے بچے ہیں.....“ وہ روتے روتے چیختی۔ اور پھر بہت دیر وہ رو رو کر بولتی رہی شا کرہ اور نصیبوا سے روتا دیکھ کر بو جھل دل سے وہاں سے ہٹ گئی تھیں اور دونوں بچوں کو باہر بھلاتی رہیں۔ یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ آج تک صبح نے ہادی سے یوں اونچی آواز میں جھگڑا نہیں کیا تھا۔ تین سال بعد اس گھر میں پھر سے اونچی آوازیں گونجی تھیں۔ نصیبوا اور شا کرہ بوکھلا گئی تھیں لیکن بات سمجھ آتے ہی دونوں وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ اور وہ صبح فاروق تھی جو زیادہ سے زیادہ بھی بس دو گھنٹے رو سکتی تھی اس کے بعد اسے اپنے رونے کا حل چاہیے ہوتا تھا۔

جب وہ رو رو کر تھک گئی تو غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ سامنے بیڈ پر اس کی استری کی ہوئی ساڑھی رکھی تھی۔ صبح نے غصے سے اسے اٹھا کر نیچے پھینکا اور پھر درازیں کھول کر کچھ تلاش کرتی رہی۔ پھر مطلوبہ چیز لے کر اس ساڑھی کو کاٹنا شروع کر دیا۔

”تم اس قابل ہی نہیں تھے کہ میں تمہارے لیے کچھ اچھا سوچتی۔“ وہ غصے سے فینچی چلا رہی تھی۔ لمحوں میں وہ خوبصورت ساڑھی لیروں میں بدل چکی تھی۔ اس کا غصہ پھر بھی کم نہیں ہوا تھا۔ اس نے الماری سے اپنی شادی کا سوٹ نکالا اور کچن میں لے گئی۔ فرش پر پھینک کر مپس کی تیلی جلا کر اس پر ڈال دی۔ کپڑا تھوڑا سا جلتا اور پھر آگ بجھ جاتی۔ صبح تمللا کر پھر سے نئی تیلی جلا کر اس پر ڈالتی۔ پھر وہی ہوا۔ غصے میں اس نے پورا لہنگا چو لہے پر ڈال دیا اور برز آن کر دیا۔ اب جیسے شعلے تھے وہاں۔

”صرف میں ہی کیوں جلوں۔ تم بھی تو جلو ہادی ارنٹھی۔“ وہ آگ کے شعلوں کو دیکھتی تیز قدموں سے ہادی کے کمرے کی طرف گئی۔ ٹھاہ کر کے اس نے دروازہ کھولا۔ گلابوں کی خوبصورت خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ آج کے دن کے لیے صبح نے کمرے میں کئی گلابوں کے پھول لا رکھے تھے۔ اسے پھر سے رونا آیا اور گالوں پر لڑھکتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اور پھر وہاں لگی ہر تصویر کو وہ غصے سے فرش پر پھینکتی گئی۔ فریم ٹوٹنے کی آواز بلند ہوتی اور شیشوں کی چٹخ۔ صبح جیسے بہری ہو چکی تھی۔

”میری بلا سے جہنم میں جاؤ ہادی ارنٹھی۔ یہ آخری تکلیف تھی جو تمہاری ذات سے مجھے ملی۔ اب بس۔ اور نہیں۔ ایک دن بھی اور نہیں ایک لمحہ بھی نہیں دوں گی تمہیں۔“

کانچ کے ٹکڑے یہاں وہاں بکھرتے جا رہے تھے۔ بالآخر ساری تصویریں نیچے آچکی تھیں۔ صبح نے ارد گرد بکھرے کانچ کو دیکھا اور پھر قدم بڑھا کر ایک تصویر کانچ کے بلے تلے سے نکالی۔ اس کی جوتی کے نیچے آ کر ٹوٹا کانچ مزید ٹکڑوں میں بٹا۔ صبح جھک سب تصویریں نکالتی رہی اور پھر سب تصویروں کو اکٹھا کیے کچن میں لے آئی۔ جہاں اس کے لہنگے سے شعلے بھڑک رہے تھے اور پھر کپڑا جلتا ہوا نیچے فرش پر آگرا۔ صبح نے ساری تصویریں جلتے لہنگے پر ڈال دیں۔

”آؤ اکٹھے جلیں ہادی۔“ کاغذ نے تو لمحوں میں آگ پکڑ کر رکھ ہونا شروع کر دیا تھا۔ صبح آخری تصویر کے جلنے تک وہیں کھڑی رہی۔ پھر اپنے کمرے میں آ کر اپنا بیگ پیک کیا۔ ایک مجبوری بچے تھے۔ لیکن وہ اس کے نہیں تھے تو وہ کیوں ان کے لیے تکلیف سہتی اور پھر بھلے وہ ساری عمر بھی لگا دیتی تب بھی ان کی ماں نہیں بن سکتی تھی۔ تو ان بچوں کے لیے اپنی قربانی فصول تھی۔

بیگ پیک کر کے اس نے ڈرائنگ روم میں آکر شا کرہ اور نصیب کو آواز دی۔ کوئی نہیں آیا۔ اس بار وہ بلند آواز میں دھاڑی۔ چند لمحوں بعد دونوں پھولی سانسوں کے ساتھ اس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔ ان کے پیچھے بھاگتے ہوئے بچے۔

”میں جارہی ہوں۔“

”کہاں؟“ دونوں نے بے اختیار ایک ساتھ پوچھا۔ صبح نے گھور کر دونوں کو دیکھا۔

”بچوں کا خیال رکھنا۔“ وہ اپنی محبت اور عادت سے مجبور ہو کر بولی کہ جب بھی گھر سے باہر جاتی۔ اس کا آخری جملہ یہی ہوتا۔ دونوں نے ڈر کر اسے دیکھا۔ اس کا انداز ہمیشہ سے جدا تھا۔ الوداعی انداز۔

”مما آج سارا دن آپ ہمارے ساتھ نہیں کھیلیں۔“ نور عین نے اس سے لپٹتے ہوئے شکوہ کیا۔ صبح اس کے لیے جھکی اور جھک کر اسے چوما۔

”مما کچن میں بڑی تھیں۔“ صبح کا لہجہ نرم ہوا۔ احد خوفزدہ انداز میں اس کے بیگ کو دیکھ رہا تھا۔ صبح نے نور عین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔ صبح چوکی۔

”احد میرے پاس آؤ۔“ ہاتھ بڑھا کر اسے بلایا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔ صبح نے اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگایا۔

”کیا ہوا میرے بیٹے کو۔“

احد نے اپنی گرفت اس پر مضبوط کی۔

”مما! کیا آپ گھر چھوڑ کر جارہی ہیں؟“ احد نے کانپتے لہجے میں سرگوشی کی۔ صبح نے لبوں میں سسکی دبائی۔ اس کی آنکھیں پھر بھر آئی تھیں۔ ایک مقام ہوتا ہے جہاں آپ ہر ضبط ہار بیٹھتے ہیں۔ صبح کے لیے یہی وہ مقام تھا اس نے تو اولاد کی طرح پالا تھا اور اس کا دل ماں کے دل کی طرح اولاد پر ہی آکر موم ہوتا تھا۔ ر کے آنسو پھر سے گالوں پر بہنے لگے تھے۔ احد نے اپنے بازو کو مزید کسا۔

”مما! آپ کو بابا نے ڈانٹا ہے نا..... آپ ان سے ناراض ہو کر جارہی ہیں۔ میں جانتا ہوں۔۔۔“

صبح نے جھکے سے اسے خود سے الگ کیا اور اپنے سامنے کیا۔

”کس نے کہا آپ سے؟“ اس نے مشکوک انداز میں نصیبو اور شا کرہ کو دیکھا۔

”میں نے آپ کا اور بابا کا جھگڑا سن لیا تھا۔“

صبح دھک سے رہ گئی۔

”میں بابا سے کبھی بات نہیں کروں گا انہوں نے آپ کو ڈانٹا ہے۔“

صبح نے گہری سانس لیتے دونوں گالوں پر ہاتھ پھیر کر نمی صاف کی۔

”احد میرا بچہ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ میں آپ کی ممانہیں ہوں۔“ بولتے ہوئے اس کی آواز پھر

سے بھرا گئی تھی۔ احد نے سن کر نفی میں سر ہلایا۔

”میں بابا سے کبھی بات نہیں کروں گا انہوں نے آپ کو ڈانٹا ہے۔“

نور عین اسے روتا دیکھ کر اس سے لپٹ گئی۔

”مما! کیا ہوا۔ کیوں رو رہی ہیں۔ میں ہوں نا، نہ روئیں۔“ اس نے صبح کے انداز میں بولا۔ جب کبھی

وہ کسی بات پر روتے تو صبح انہیں ایسے ہی چپ کر داتی۔ احد اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا۔ صبح نے احد کو بھی

بازوؤں میں لے لیا۔

”آپ کو پتہ ہے اپنی اماں کے بعد میں سب سے زیادہ آپ دونوں سے محبت کرتی ہوں۔ آپ یہ بات کبھی

نہیں بھولنا۔ ماما دنیا میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتی ہیں۔“ پھر کتنے لمحے وہ خود پر قابو پاتی رہی۔

”احد! بہن کا خیال رکھنا۔“ پھر باری باری دونوں بچوں کو چوما۔ نور عین اس کے اٹھتے ہی رونے لگ گئی۔

”مما! مجھے بھی لیتی جائیں۔“ احد کے چہرے پر پھیلا حزن صبح کا دل چیر رہا تھا۔ وہ بیگ اٹھاتی تیز

قدموں سے باہر آ گئی تھی۔ پیچھے روتی نور عین کی آواز تھی اور احد دبی آواز میں رو رہا تھا۔ باہر مغرب کے بعد کا

اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ سڑک پر بیگ گھسیٹتی جا رہی تھی۔



ہادی رات کو جب گھر پہنچا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ صبح پر آیا غصہ ختم ہو چکا تھا اور اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ

خواجہ اتنا ڈرامہ کریٹ ہو گیا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا صبح کے کمرے میں گیا۔ کمرہ خالی تھا لیکن کپڑوں

کے کلڑے پڑے تھے۔ وہ ایک دم سے رکا۔

”یہ کیا۔ صبح!“ اس نے آواز دی۔ چند لمحے انتظار کے بعد اس نے نیچے جھک کر ان کلڑوں کو دیکھا۔ وہ یقیناً ساڑھی تھی جو اب وجود کھو چکی تھی۔ ہادی نے دائیں ہاتھ سے ماتھا مسلا۔ صبح بہت غصے میں تھی۔ یہاں نہیں تھی تو یقیناً کچن میں ہوگی۔ وہ صبح کی متوقع باتوں کو سوچتا کچن کی جانب جانے لگا۔ یہ تو طے تھا کہ اس کی یہ بیوی اس سے دبنے والی نہیں تھی۔ خیر وہ بیوی کو دبا کر رکھنے والا مرد بھی نہیں تھا لیکن صبح ذرا جو فرمانبردار ہوتی۔ وہ تو اپنے طرز پر ہی زندگی جیتی تھی بھلے ہادی کچھ بھی کہتا رہے۔ ایسی برابری کرنے والی بیویاں یا پھر نہ جھکنے والی بیویاں عموماً مردوں کو پسند نہیں آتیں لیکن جو اگر سوال کجخت دل کا ہی اٹھ کھڑا ہو تو پھر انسان ان باتوں کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ ایسا ظرف ہادی کا شہرین کے لیے نہیں تھا۔ ہادی کو اعتراف تھا ہانا مائے معافی تو وہ دنیا میں بس صبح کو ہی دے سکتا تھا۔ بغیر غلطی جتائے۔ دل میں محبت کا پھر بھی بڑھتے رہنا۔ شاید ایسی محبتیں ہی معجزہ ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ معجزہ صبح فاروق کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔ لیکن جو صبح کو معلوم ہوتا تب نا۔

ہادی نے کچن میں داخل ہوتے ہی صبح کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ صبح تو نہ ملی ہاں وہاں ہوئی تباہی ضرور نظر آگئی تھی۔ ہادی بے یقینی سے چولہے پر گری راکھ کو دیکھ رہا تھا پھر فرش پر راکھ کا ڈھیر۔ وہ تیزی سے فرش پر گری راکھ کی جانب بڑھا۔ اسے ہاتھ سے یہاں وہاں کیا۔ اوپر کاغذوں کی راکھ تھی اور نیچے لال رنگ کے کپڑے کی..... جو ابھی بھی کہیں کہیں سے بچ گیا تھا۔ وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ صبح کا شادی کا لہنگا تھا۔

”صبح.....“ وہ بیٹھے بیٹھے چیخا۔ ”صبح.....“

وہ ہوتی تو جواب آتا۔ وہ تیزی سے بھاگتے قدموں سے اپنے کمرے میں گیا۔ اس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ غصے سے ایک پٹ کو دھکیلتے وہ اندر داخل ہوا۔ گلابوں کی خوشبو اور ٹوٹے کاغذ۔

”اف! صبح اف.....“ اس نے جھک کر ٹوٹے فریم دیکھے سب خالی تھے۔ یعنی وہ کاغذوں کی راکھ دراصل اس میں لگی تصویروں کی راکھ تھی۔

”ڈیم اٹ.....“ پاگل عورت یہ میرے پاس شہرین کی آخری تصویریں تھیں۔ تم نے سب جلا دیں۔“ وہ غصے

سے چیخا۔ صبح پر آیا غصہ پھر سے عود آیا تھا صرف غصہ نہیں۔ دکھ، افسوس کہ شہرین کی ایک بھی تصویر اس کے ساتھ والی نہیں رہی تھی۔

”یہ تم نے کیا کر دیا۔“ ہادی بھنچے لیوں سے ٹوٹے فریموں کو دیکھ رہا تھا۔ ”بچے کہاں ہیں؟“ بچوں کا خیال آتے ہی وہ اٹھا۔ پھر پورا گھر دیکھ لیا نہ صبح تھی نہ بچے۔ وہ پریشانی سے صبح کا نمبر ملارہا تھا جو بند جا رہا تھا۔ پھر اس نے شا کرہ کو کال ملائی۔

”صاحب جی! بچے میرے ساتھ ہیں۔ بیگم صاحبہ چلی گئیں تو بچے بہت رو رہے تھے۔ پھر میرے اپنے بچے بھی میرے لیے رو رہے تھے تو ان دونوں کو یہاں اپنے کوارٹر میں لے آئی۔ اب آ کر سوئے ہیں دونوں۔ نور عین نصیبو کے پاس ہے اور احد میرے پاس۔“ وہ کال کاٹ کر بچوں کو لینے وہاں گیا۔ پھر احد کو خود اٹھایا اور شا کرہ نور عین کو اٹھائے ہوئے تھی۔

”بچوں کو میرے کمرے میں لے چلو۔“
شا کرہ اس کے کمرے کی حالت دیکھ کر نظریں چرا گئی۔

”معاف کیجئے گا صاحب جی۔ بچے ایک لمحے کے لیے بھی چپ نہیں ہو رہے تھے تو میں اور نصیبو ان کو سنبھالنے میں لگے رہے۔ کمرے کی صفائی نہیں کر سکے۔“
ہادی ماتھے پر ہل لیے خاموش رہا۔
”نور عین مجھے دو۔ بیڈ صاف کرلو۔“

شا کرہ نے جلدی سے بیڈ صاف کیا۔ پھر نور عین کو اس سے لے کر سلایا۔ پھر ہادی نے احد کو آہستگی سے لٹایا۔ خود بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ شا کرہ جھاڑوا اٹھائے صفائی کر رہی تھی۔ ہادی نے کمرے میں ارد گرد رکھے گلابوں کے گلدستے دیکھے۔

”یہ کس نے رکھے تھے؟“ پوچھنا فضول تھا پتہ تھا صبح نے رکھے ہوں گے لیکن کیوں؟ شا کرہ جو سارا کچرہ صاف کر چکی تھی۔ اس کے سوال پر اسے دیکھنے لگی۔

”آپ کو نہیں معلوم آج بیگم صاحبہ کی سالگرہ تھی۔ سارا دن کچن میں کام کرتی رہیں۔ بہت خوش تھیں۔“

شاکرہ کے لہجے میں صاف ہمدردی تھی۔

”شاکرہ! یہ سب گلاب اٹھا لو۔ اور دھیان رکھنا کوئی کانچ کا کلڑا رہ نہ جائے۔ صبح بچوں کو لگ نہ جائے۔“ اس کا مطلب تھا بس اپنا کام کرو اور جاؤ۔ شاکرہ خاموش ہو گئی اور پھر چند منٹ بعد اپنا کام ختم کرتی وہ چلی گئی۔ ہادی نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر تناؤ بھرے تاثرات کو کم کرنا چاہا۔ پھر گہری سانس لیتا اٹھ کر الماری کی طرف گیا اور نائٹ سوٹ نکالنے لگا۔ پھر ایک دم سے ساتھ والا پٹ کھولا۔ وہاں صبح کے کپڑے تھے۔ ہادی نے ایک دم سے مڑ کر کمرے پر نگاہ دوڑائی۔ اسے وہاں رکھے گلابوں کے گلہ تے یاد آئے۔ ہادی نے مڑ کر صبح کے لٹکے کپڑوں کو چھوا۔ اسے آج کچن میں صبح کی استقبالی مسکراہٹ یاد آئی۔ سب بہت الگ تھا۔ وہ خوبصورت مسکراہٹ، صبح کا اس کمرے میں شفٹ ہونا..... اور گلاب۔ مطلب بہت واضح تھا۔ اس نے نئی زندگی کی شروعات کے لیے اپنی سالگرہ کا انتخاب کیا تھا۔

اوہ شٹ..... ہادی بے جان سا کھڑا تھا۔ آج جب نئی شروعات ہونی تھی آج شہرین اور اس کے گھر والوں کے لیے اس کا جھگڑنا صبح کو کیسے انگاروں پر لے گیا ہوگا۔ ہادی افسوس سے سوچتا رہ گیا۔ صبح نے کبھی اس قدر شدید رد عمل نہیں دیا تھا اور اب اس سب کا مطلب ہادی پر بہت واضح ہو گیا تھا وہ اپنی طرف سے اس رشتے کو ختم کر گئی تھی۔ شادی کا جوڑا جلانا اور پھر اس کی اور شہرین کی تصویروں کو جلانا۔ ہادی نے خالی خالی نظروں سے کمرے کی دیواروں کو دیکھا۔ وہ کس کا افسوس کرتا۔ صبح کے جانے کا یا پھر شہرین کے جانے کا۔



صبح جب گھر پہنچی تو فجر کے بعد والا سویرا پھیل رہا تھا۔ بیل دینے کے بعد وہ چند لمحے انتظار کرتی رہی۔ پھر اسے قریب آتے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ سنجیدہ چہرہ لیے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ ابا کا چہرہ نمودار ہوا۔ صبح کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ابا.....“ وہ خوشی سے بولتی ابا سے لپٹ گئی۔ ابا اتنی صبح اسے دیکھ کر حیران بھی ہو رہے تھے اور خوش بھی۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔ اماں لان میں کھڑی منتظر نظروں سے دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر ابا کے ساتھ صبح کو آتے دیکھ کر وہ بھی حیرت بھری خوشی اور جوش سے اس جانب بڑھیں۔ صبح کی نظر اماں پر پڑی تو

وہ بیک نیچے ڈالتی بھاگتی ہوئی اماں کے پاس گئی۔

”میرا بچہ صبح.....“ اماں اسے اپنے ساتھ لپٹائے بولے جارہی تھیں۔

”کیسی ہیں میری پیاری اماں!“ اتنے گرم جوش استقبال پر اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اماں نے اسے خود سے الگ کیا۔ اس کے چہرے پر محبت بھری نگاہ ڈالی اور پھر ساتھ لپٹایا۔ ابا ماں بیٹی کے ملاپ پر ہنستے ہوئے اس کا بیک لیے ان تک پہنچے۔

”اتنی صبح کیسے۔ سب خیریت ہے نا۔ کس کے ساتھ آئی ہو؟ ہادی کہاں ہے؟“ اماں نے ایک ساتھ سوال کیے۔ صبح نے چہرے پر مسکراہٹ برقرار رکھی۔

”رات کا سفر کیا تو اسی وقت ہی پہنچنا تھا نا۔ اکیلی آئی ہوں۔ ہادی امریکہ ہیں۔“ وہ آتے ساتھ ہی ماں باپ کو جھٹکے نہیں دینا چاہتی تھی۔

”تم ہر بار تو اس کے ٹور پر ساتھ جاتی ہو اب کیوں نہیں گئی؟“ اماں نے پریشانی سے اسے دیکھا۔
”کیا ہو گیا ہے نیک بخت۔ اب بیٹی ماں باپ کے گھر بھی نہ آئے ایک تو ویسے بھی یہ خیر سے پہلی بار رہنے کے ارادے سے آئی ہے۔“ ابا نے اماں کو دیکھ کر کہا۔

”جی اماں۔ میرا امریکہ کا ویزہ نہیں تھا اور میں نے ہادی کو کہا کہ اس بار میں اپنے میکے چلی جاتی ہوں۔ آپ آرام سے اپنا کام کریں۔“

ابا اس کی بات پر مسکرائے۔

”بہت اچھا کیا۔“

”کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟ سن لو اس بار میں نے جلدی نہیں جانے دینا۔“ کچھلی بار بھی ہوا کے گھوڑے پر سوار تھی تم۔“ صبح ان کا شکوہ سن کر مسکرائی اور وہ دن دماغ میں تازہ ہوا کہ جب اماں سے ناراض ہو کر نکلی تھی۔
”اس بار بہت دنوں کے لیے آئی ہوں آپ تھک جائیں گی روز مجھے دیکھ کر۔ پھر کہیں گی بی بی اپنے گھر

جاؤ۔“

اماں نے خفگی سے اسے چپت لگائی۔

”بھلا مانیں بھی بچوں کو دیکھ کر تھکتی ہیں۔ سدا الٹی کھوپڑی رہنا۔“ صباح نے اس بے عزتی پر مسکراہٹ دہائی۔ یہ صبح کا وقت تھا اور اس وقت سوائے اماں ابا کے گھر میں کوئی نہیں جاگتا تھا۔ جب تک صباح تھی تو وہ بھی نماز کے بعد نہیں سوتی تھی۔ وہ ہر بات کو ذہن سے جھٹکتی اماں کے ساتھ اندر آگئی تھی۔

”بہنوں والے کمرے میں رہو گی یا الگ کمرے میں۔“ اماں نے بیٹی کے مزاج کے مد نظر پوچھا۔

”وردہ کے کمرے میں۔ باقی اس سے پوچھ لوں گی۔“

”وہ تمہاری طرح نہیں ہے کہ کمرہ شیئر نہ کرے۔“ وہ اماں ہی کیا جو سچ نہ بولے۔ صباح کی مسکراہٹ میں ذرا جو فرق آیا ہو۔

”جانتی ہوں سب بہت نیک اولاد ہے آپ کی سوائے میرے۔“

”اب اس بات پر ناراض نہ ہو جانا۔“ اماں نے بھی مسکرا کر بیٹی کے چہرے کو دیکھا۔

”ہو تو جاؤں گی لیکن ابھی بہت نیند آئی ہے۔“

ابا اس کی بات پر زور سے ہنسے۔ صباح نے ان سے اپنا سامان لیا۔

”اب خود اٹھا لیتی ہوں۔ اب میں ذرا سولوں۔ آپ لوگ اپنی رومینگ مارنگ واک جاری رکھیں۔“ وہ شرارتی انداز میں بولی۔ اماں نے گھورا۔ ابا نے ہنستے ہوئے ہیک اسے دیا۔

”بیٹا کچھ کھا لو پھر سونا۔“

”نہیں ابا! ابھی بھوک نہیں ہے۔“

اماں ابا کی یہ مارنگ واک سب کو پتہ تھی کہ اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے سارے مسئلے شیئر کیا کرتے تھے۔ لیکن اس مارنگ واک کی چشم دید گواہ صرف وہ تھی کہ باقی سب تو بس نماز پڑھتے پھر سے بستروں میں گھس جاتے تھے اور وہ کچن کی کھڑکی سے کھڑی ہو کر انہیں دیکھتی رہتی۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے باتوں میں مگن دکھائی دیتے۔ صباح اس منظر کو دیکھ دیکھ نہیں تھکتی تھی۔ جہاں اکثر لوگ یہ کہتے سنائی دیتے کہ بڑھاپے میں میاں بیوی ایک دوسرے سے بے زار ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے ابا کا اماں کے لیے محبت بھرا انداز دل میں جذب کرتی رہتی۔ وہ دونوں جتنی دیر واک کرتے صباح کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی رہتی۔ جب کبھی ابا

اماں کے کندھوں پر بازو پھیلا لیتے۔ تب صبح کی مسکراہٹ گہری ہو جاتی۔ اور اماں ابا کے خیال سے ان کی مارنگ واک پر انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا۔



صبح کی آمد کا پتہ چلتے ہی اس کی بہنیں بچوں سمیت اماں کے گھر آ گئی تھیں۔ اماں کے گھر آج رونق تھی۔ صبح کو وی آئی پی پروٹوکول دیا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اب ماں بہنوں سے سچ کیسے بولے۔ بات منہ تک آ کر واپس لوٹ جاتی۔ یہ جو اتنی محبت عزت مل رہی تھی اماں نے تو خوب ہی عزت افزائی کر دینی تھی اور ڈرتھا کہیں ہاتھ پکڑ کر وہاں چھوڑ ہی نہ آئیں۔ وہ تذبذب میں تھی۔ کرے تو کیا کرے۔ پھر بہنیں تو اسی دن شام کو چلی گئیں تھیں وہ وردہ کے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔

ماننے کی بات تھی کہ اس کی بہنیں اس کی نسبت کھلے دل کی تھیں۔ صبح نے بیڈ سے ٹیک لگائے موبائل آن کیا۔ وردہ اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھی کتابوں میں سر جھکائے ہوئے تھی۔ موبائل آن ہوتے ہی اس کا موبائل کسی ڈھول کی طرح مسلسل بجنے لگا۔ میسجز اور ٹیٹیکیشنز کی بھرمار تھی۔ جھکی ہوئی وردہ نے ہنستے ہوئے سراٹھا کر اسے دیکھا۔

”لگتا ہادی بھائی نے دو دنوں میں خوب ہی مس کیا تمہیں۔“

صبح نے جلدی سے سالنٹ موڈ آن کیا۔

”کچھ زیادہ ہی۔“ صبح بچتے موبائل کے خاموش ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ ہادی، شاکرہ اور نصیبہ کی ڈھیروں کالز۔ ہادی کے میسجز۔۔۔ وہ خاموشی سے ہر ایک میسج کو پڑھتی رہی۔ کچھ غصے میں بھرے ہوئے تھے کہ تصویریں کیوں جلائیں۔ صبح کے ماتھے پر بل آئے۔

”بڑے درد اٹھ رہے ہیں۔ زندگی میں پہلی بار اچھا کام کر کے آئی ہوں۔ شاباش صبح۔“ اس نے خود کو تھپکی دی۔ پھر بچوں کا رونا لکھا تھا۔ صبح نے آگے کے میسج پڑھے بغیر ہی ڈیلیٹ کر دیے۔ موبائل ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔ وردہ نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”خیریت۔“

”ہاں کیوں؟“

وردہ نے نفی میں سر ہلایا۔ صبح اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”پانی پینے جا رہی ہوں۔ تمہارے لیے کچھ لاؤں کچن سے؟“

”نیکلی اور پوچھ پوچھ۔“ وردہ نے مسکرا کر کہا۔ صبح جوتی اڑتی کچن میں آگئی۔ تینوں بھابھیاں میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھی باتوں میں مگن تھیں۔ صبح کچن کے دروازے کے قریب رکھے کولر سے ٹھنڈا پانی بھر کر پی رہی تھی۔ وہ کولر فریج کی آڑ میں تھا اس لیے اس کی آمد کا بھابیوں کو پتہ نہیں تھا۔ بائے چانس گفتگو کا موضوع وہ ہی تھی۔

”مجھے تو لگتا ہے شوہر سے جھگڑا کر کے آئی ہے۔ آج تک تو میکے کی یاد آئی نہیں اب ایک دم سے اتنے دن رہنے آگئی۔“ بڑی بھابی کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ صبح گھونٹ گھونٹ پانی پیتی رہی۔

”ہاں ویسے مزاج کی بھی تیز لگتی ہے۔“ یہ سہرین تھی۔ اس کی وہ بھابی جس سے وہ اس کی شادی کے بعد اب آ کے ملی تھی۔ صبح نے پانی ختم کر کے گلاس کولر کے اوپر رکھ دیا اور فریج کی آڑ سے ہٹ کر سامنے سے آ کر فریج کھولا۔ بھابیوں کو مکمل نظر انداز کر دیا۔ فریج میں جھک کر دیکھ رہی تھی کہ وردہ کے لیے کیا لے جائے۔ اسے دیکھ کر تینوں ایک دم سے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

”ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔“ بڑی بھابی نے مسکرا کر کہا۔

”جی میں نے آتے ہوئے سن لیا تھا۔“ وہ فریج میں منہ دپے بولی۔ بھابی کے چہرے پر تپانے والی مسکراہٹ آگئی۔ وہ ہمیشہ کھل کر کھیلتی تھیں کیونکہ اس کا رزلٹ چھپ کے کھیلنے سے اچھا آتا تھا۔ صبح جیسی جذباتی لڑکی ان کی باتوں پر فوراً غصے میں آ جاتی تھی اور پھر وہ بھابی کو جب سناتی تو اس کے بدلے اپنی اماں اور بھائی سے خوب سنتی۔ اب بھی بھابی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

”ہاں بھئی صبح! تو بتاؤ شوہر سے جھگڑا کر کے آئی ہو کہ ایسے ہی.....“

صبح اس انداز کو خوب پہچانتی تھی۔

”نہیں بھابی! ہادی امریکہ گئے ہیں اور میرا وہاں کا ویزا نہیں ہے تو میں اکیلے گھر میں رہنے کی بجائے

یہاں آگئی۔“ پچھلے سالوں میں اس میں تھوڑی سی سمجھداری آچکی تھی کہ ہر بات پر غصے میں نہیں آجایا کرتے۔
 ”ہاں صحیح کیا۔ تمہارے تو بچے بھی نہیں ہیں اکیلا گھر تو کاٹ کھاتا ہے۔“ بھابھی نے ایک اور تیلی
 ڈالی۔ صبح بنا جواب دیے اپنی مطلوبہ چیزیں اٹھائے کچن سے باہر چلی گئی۔ دل ہی دل میں بھابھی کو سنواتی وہ
 کمرے میں آگئی۔

”پتہ نہیں اماں ڈھونڈ ڈھانڈ کے ڈانٹوں کو ہی کیوں گھر کی بہوئیں بنالائی ہیں۔ ایک جو کام کی بہولے کے
 آئی ہوں۔ سب فساد اور حاسد۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی بیڈ پر آکر بیٹھی۔ وردہ نے اس کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑی
 جس میں وہ تھوڑی تھوڑی کر کے مختلف چیزیں ڈال کر لائی تھی۔

”اب کیا کر کر دیا بھابیوں نے؟“

”وہی جو ہمیشہ سے کرتی آئی ہیں۔“ وہ جل کر بولی۔

”تم بھابیوں سے پنگے نہ لیا کرو۔“ وردہ اطمینان سے بولی۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے ان سے پنگے لینے کا۔ البتہ بڑی بھابھی تو جیسے میکے سے ٹارگٹ لے کر آئی تھیں
 کہ مجھ سے دم دار دشمنی رکھیں گی اور گھر کے ہر فرد کو میرے خلاف کریں گی۔ اب سرین سے میں اتنا ملی بھی نہیں
 اسے بھی پر لگے ہوئے ہیں۔ میرے خلاف بول کر وہ بھی ثواب لوٹ رہی ہے۔“ وردہ ایک دم سے سیدھی ہوئی۔
 ”سرین بھابھی؟“

”جی.....“

”ویسے یہ تو سامنے کی بات ہے بھائی تم سے بہت پیار کرتے تھے اور بڑی بھابھی کو دشمنی کے لیے یہی کافی
 تھا۔“ وردہ نے اسے کام کی بات یاد دلائی۔

”قسم سے جس دن سے آئی ہیں مجھ سے خصوصی دشمنی پال بیٹھیں۔ اور مجھے سمجھ ہی نہیں آیا کہ بھائی کیوں
 بدلتے گئے۔“

”بس اب تم جتنے دن رہنے آئی ہو احتیاط سے رہنا۔ بھابھی تو وہی ہیں لازمی کچھ نہ کچھ کریں گی۔“ وردہ
 نے نصیحت کی۔

”ہاں بڑی اماں، میں احتیاط ہی کر رہی ہوں اور ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی۔“ صبا چڑ گئی۔

”ہم ہی احتیاط کرتے رہیں انکا جودل چاہے کریں۔۔۔“ وہ چڑ کر بولتی وردہ سے رخ پھیر گئی۔ وردہ نے گہری سانس بھری۔ اس کی بہن اپنی جلد بازی کی وجہ سے جتنا بھی نقصان اٹھاتی تھی پھر بھی نہیں سیکھتی تھی۔

کچھ دن بعد کی بات تھی صبا بچپن کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ احد اور نور عین کی یاد کو وہ دل سے نکال پھٹکنا چاہتی تھی۔ اماں تو اس تبدیلی سے بہت خوش تھیں۔ وہ صبا میں بہت سی مثبت تبدیلیاں دیکھ رہی تھیں۔ وہ انہیں کچھ اداس اور بچھی بچھی سی لگتی لیکن ان کے خیال سے شادی کے بعد پہلی بار شوہر سے دور رہ رہی تھی تو یہ نارمل تھا۔ لیکن پھر بھی احتیاطاً پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ایسا کچھ نہیں۔ لان میں بچوں کے کھیل نے گھر میں شور برپا کیا ہوا تھا۔ صبا بھی ان کے ساتھ تھی۔ پھر سب بچے تھک کر نیچے بیٹھ گئے۔

”بھاگ بھاگ کر ناگوں میں درد ہو رہا ہے اور پیاس بھی لگ رہی ہے۔“ سب بچوں نے مل کر یہی کہا۔ صبا ہنستی ہوئی ان کے لیے جوس لینے کچن میں جانے لگی۔ اماں اور دونوں بھابھیاں لان میں چیمبرز پر بیٹھی انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔ صبا بچوں کو جوس دینے کے بعد ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

”بہت تھک گئی ہوں میں تو۔۔۔۔۔“ وہ بیٹھتے ہی بولی۔

”بچے آج بہت کھیل لیے اور بہت خوش بھی ہیں۔ تمہارے ساتھ تو اب بہت گھل مل گئے ہیں۔“ اماں نے مسکرا بیٹی کو دیکھا۔ جواباً وہ بھی مسکرائی۔

”جب اپنی اولاد نہ ہو تو پھر دوسروں کی اولاد پر بھی بندہ واری داری جاتا ہے۔“ بڑی بھابھی نے اسے دیکھ کر کہا۔ صبا کے مسکراتے لب ساکن ہوئے۔ اماں نے بہو کو سرزنش بھری نظروں سے دیکھا۔

”بہو بولتے ہوئے کچھ خیال کر لیا کرو۔“

”سچ ہی تو کہا ہے اماں۔ ورنہ یہی اپنی صبا ہوتی تھی کیسے بچوں سے چڑتی تھی۔“ بھابھی نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ صبا معذرت کرتے اٹھ آئی تھی۔ اماں افسوس سے بیٹی کو جاتا دیکھتی رہیں۔ بہو کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ لیکن صبا کے لیے دل سے مزید دعائیں نکلنے لگی تھیں کہ وہ صاحب اولاد ہو جائے۔

ہر رات صبا کی آنکھ مخصوص وقت پر کھل جاتی تھی۔ جب نور عین اٹھتی یا احد۔ اب تو صبا کی بچوں کے

لیے اٹھنے کی عادت پختہ ہو گئی تھی۔ وردہ جو پڑھائی کے لیے جاگتی رہتی تھی۔ کبھی بارہ تو کبھی ایک بجے اچانک سے اس کے اٹھ کھڑے ہونے پر حیرت سے اسے دیکھتی۔ وہ تو بہت گہری نیند سوتی تھی اور جو کوئی نیند سے اٹھا دیتا تو ایک جنگ سی چھڑ جاتی تھی۔ وقت کتنی تبدیلیاں لے آتا ہے انسان میں کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ وہ کیا سے کیا بن چکا ہے۔ بعض دفعہ تبدیلی اچھی ہوتی ہے اور بعض دفعہ انسان کے لیے مشکلیں کھڑی کرتی جاتی ہے۔ صبح میں مثبت تبدیلیاں آئی تھیں۔ جو دیکھنے والوں کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیتی تھیں۔

”صبح تم پہلے سے بہت اچھی ہو گئی ہو۔“ وردہ ہر بار اسے یہ کہہ کر چھیڑتی تھی۔



صبح جس دن سے گئی تھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ہادی کچھ دن تو اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر غصے میں چھوڑ دیا۔ بچوں کی پرواہ کیے بنا چلی گئی تھی ادھر بچوں کے لیے اس کے بغیر جیسے سانسیں تنگ ہوئی جا رہی تھیں۔ احد تو اس سے بات ہی نہیں کرتا تھا۔ پہلے تو ہادی اسے وہم سمجھتا رہا کہ وہ جب بھی احد کے ساتھ بیٹھتا وہ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس کی بات کا اتنی دیر بعد جواب دیتا وہ بھی اس کے بار بار کہنے پر۔ ہادی بیٹے کے رویے پر حیران تھا اور جب احد سے پوچھا کہ کوئی مسئلہ ہے تو اس نے باپ کو یوں دیکھا تھا کہ پوچھنا یاد آ گیا۔ اب احساس ہوا۔

”احد بیٹا! آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“

”جی ہاں۔“ اس نے فٹ سے جواب دیا لیکن رکھائی ہے۔

”کیوں؟“ ہادی کو اپنے اندازے کی درستگی پر حیرت ہوئی۔

”آپ نے ماما سے جھگڑا کیا تھا۔ آپ نے ان سے اونچی آواز میں بات کی تھی۔ اس لیے ماما بہت روتی رہیں اور پھر گھر سے چلی گئیں۔“

ہادی کا منہ تنک جاتا چچ والا ہاتھ رکا۔ ”آپ سے کس نے کہا؟“

”اس دن میں نے خود دیکھا تھا۔“ ہادی نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔ ”اس لیے اب آپ مجھ سے فری نہ ہوا کریں۔“ احد نے باپ کی آنکھوں میں دیکھتے وارنگ جاری کی۔ ہادی کا منہ کھل گیا۔ ”جب تک آپ میری

مما سے سواری نہیں کریں گے اور انہیں واپس نہیں لے آئیں گے تب تک مجھ سے بات نہ کریں۔“ وہ کرسی کی پشت سے گھسٹ کر ذرا آگے کو ہوا اور پھر پیر زمین سے ٹکاتا باپ کو سنجیدگی سے دیکھتا چلا گیا۔ ہادی پہلے تو بے یقینی سے احد کے تیور ملاحظہ کرتا رہا۔ پھر پیچھے سے چلایا۔

”میں تمہارا باپ ہوں۔“

”اور جن سے آپ نے جھگڑا کیا وہ میری مما ہیں۔“ وہ جاتے جاتے مڑ کر بولا۔ نور عین تو ڈائمنگ ٹیبل پر بیٹھ کر بھی ممّا کے نعرے بلند کر کے رونا پسند کرتی تھی اسی لیے ابھی بھی ماں کا ذکر سنتے ہی اس کا رونا سٹارٹ ہو چکا تھا۔ ہادی کا کھانا پینا تو صحیح معنوں میں حرام ہو چکا تھا۔ وہ اب اپنا کھانا بھول کر بیٹی کو چپ کرانے میں لگ گیا۔ شہرین کی اماں اور بہنیں دوبارہ آئی تھیں۔ بچوں نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر ہادی سمجھا بھکا کر ان کے پاس لے گیا۔ احد تو مجال ان سے ایک لفظ بھی بولا ہو۔ نور عین ممّا کے پاس جانا ہے بول کر منہ بسورتی اور پھر سر جھکا کر رونے لگتی۔ ہادی تو بچوں کی اس حالت پر چکرا کر رہ گیا۔ صبح کی قدر و قیمت اب معلوم ہو رہی تھی۔

ایک دن نور عین رو رو کر نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔ اسے کھیلتے ہوئے چوٹ لگی تھی تو سسکیاں بھرتے ممّا کہتی تو ہادی کا دل جیسے مٹھی میں آ جاتا۔ پھر اس نے عائشہ کو کال کر کے بلایا تھا کہ نور عین کو سنبھالے۔ اور جب اس کی بہت کوششوں کے بعد بھی نور عین اس سے چپ نہ ہوئی تو وہ زچ ہوا ٹھی۔

”آپ کی بیوی نے تو بچوں کو سر پر چڑھا رکھا تھا۔ ذرا جوا چھی تربیت کی ہو۔“

”کیسی خالہ ہو گئے بھانجے نہیں سنبھلتے تم سے۔“ ہادی کو اس پر غصہ آیا۔

”ضرور سنبھال لیتی اگر جو یہ صبح جیسے فتنے نہ ہوتے۔ بالکل اسی پہ گئے ہیں۔“ وہ بھی غصے میں بولی اور اس کی رنگت لال ہوئی جا رہی تھی۔

”میری ممّا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں۔“ احد فوراً اٹھ کر عائشہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ ”اور آپ کے آنے کا بہت شکریہ، آپ جائیں میں اپنی بہن کو خود سنبھال لوں گا۔“ وہ ننھا فتنہ ماتھے پر بل ڈالے خشک لہجے میں بولا اور پھر آگے بڑھ کر نور عین کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ ہادی کو اتنی سیریس سچویشن میں بھی ہنسی

”جب سے تم گئی ہو بچے بیمار ہو گئے ہیں ہر وقت تمہیں یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔“

”کیوں ان کے ننھیالی رشتے دار پھر سے مر گئے کہ بچے ایسے حالوں کو جا پہنچے۔“ وہ صبح ہی کیا جو طنز کا کوئی موقع چھوڑے۔

”تم جانتی ہو وہ تمہارے علاوہ کسی سے نہیں سنہلتے۔“ ہادی ضبط سے بولا۔

”میرا خیال ہے بچوں کو اب سمجھا دیں کہ میں ان کی ماں نہیں شہرین تھی۔ اب شہرین نہیں رہی تو اس کی اماں بہنیں اس کی اولاد سنبھالیں۔ میں بچوں کی کچھ نہیں لگتی۔“

”تم ان کی ماں ہو۔“

”نہیں، ان کی ماں شہرین ہے۔ اور پرانے بچوں پر نہ کبھی میں نے محبتیں لٹائی ہیں اور نہ لٹاؤں گی۔ بہتر ہوگا بچوں کو بھی اچھے الفاظ میں آپ یہ بات سمجھا دیں۔ اور میں بھی ان کی ماں نہیں تھی جب محبت دی تو مجھ سے بھی اٹھ ہو گئے۔ ان کی نانی اور خالاؤں سے کہیں دوسری باتوں کی بجائے مری ہوئی بیٹی کی اولاد پر توجہ دیں۔ محبت دیں۔ پھر ان کے ساتھ بھی اٹھ ہو جائیں گے۔ بچے تو ہوتے ہی محبت کے ہیں۔“ ہادی جو یہ سوچ رہا تھا نور عین کا سن کر وہ تڑپ اٹھے گی اور شاید آج ہی آجائے اور اب تک ہادی یہی سوچتا رہا تھا کہ اس کی بس ایک کال کی دیر ہے وہ دوڑی چلی آئے گی لیکن وہ صبح ہی کیا جو امیدوں پر پوری اترے۔

”صبح! پلیز نور عین بار بار بے ہوشی میں بھی تمہیں پکار رہی ہے۔“ ہادی نے جیسے منت کی۔ صبح نے آنکھوں سے بہتے پانی کو صاف کیا اور مضبوط لہجے میں بولی۔

”جب وہ سگی ماں کے بغیر نہیں مرے تو تسلی رکھیں میرے بغیر بھی انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کی اور شہرین کی بیٹی ٹھیک ہو جائے گی۔ زیادہ پریشانی ہو رہی ہے تو اپنی ہونے والی تیسری بیوی کو بلا لیں۔ اسے بڑا شوق ہے اپنی بہن کے بچوں کی والدہ بننے کا۔“

”تو تم نہیں آرہی؟“ ہادی نے دو ٹوک پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ بھی ایک لفظی بولی۔

”تمہیں پتہ ہے تم بہت ظالم اور خود غرض ہو۔“

”جی مجھے پتہ ہے۔ اور کچھ؟“

”صبح! پچھلی سب باتیں ایک طرف لیکن میں یہ کبھی نہیں بھولوں گا۔“

”ٹھیک ہے نہ بھولیے گا۔“

ہادی نے غصے میں کال کاٹ دی۔



صبح بے چینی سے بار بار دل کو مسلتی پھر گردن پر ہاتھ رکھتی۔ اسے سانس لینے میں مسئلہ ہو رہا تھا۔ ہادی کو تو سب کہہ دیا تھا لیکن اپنے دل کا کیا کرتی۔ یہاں سے وہاں چکر کاٹتی وہ زیر لب آیت الکرسی اور زبانی یاد سورتیں پڑھ پڑھ کر غائبانہ پھونک مارتی رہی۔ آنکھوں میں نمی کو وہ بار بار پیچھے دھکیل دیتی۔ آپنی اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئیں تو اسے بے چینی سے ٹپکتے دیکھ کر اس کے پاس آئیں۔

”کیا ہوا صبح تم ٹھیک ہو؟“

”پتہ نہیں آپنی، مجھے سانس لینے میں مسئلہ ہو رہا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں میرے ساتھ ایسا کبھی نہ کبھی ہو جاتا ہے۔“ وہ ان کے پریشان چہرے کو دیکھتے خود ہی انہیں تسلی دینے لگی۔

”آپ چلیں میں آرہی ہوں۔“

”چندا! اپنا چہرہ دیکھو ایک دم سے کمزور لگنے لگی ہو۔ کچھ ہوا ہے؟ ابھی تم ہادی سے بات کر رہی تھی۔“

”آپنی کچھ نہیں ہوا۔ ان سے تھوڑی دیر بات کی۔ ایسے ہو جاتا ہے کبھی کبھار۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ چلیں

میں آرہی ہوں۔“

آپنی اس کے کہنے پر چلی تو گئیں لیکن بار بار مڑ کر اسے دیکھتی رہیں۔ صبح ان کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ بار بار شا کرہ کا نمبر ملانے سے پہلے کاٹ دیتی۔

”صبح حوصلہ۔ جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس کیا گننا۔ جب ان بچوں کے پاس نہیں رہنا تو انہیں وقتی

تسلی کیوں دوں۔“ وہ گردن اوپر کیے سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر بے بسی سے رو دی۔

”اللہ! میرے بچوں کی حفاظت کرنا۔“ اس کے لب پر مسلسل دعائیں تھیں۔ کہہ دینے سے رشتے ختم تو نہیں

ہو جاتے اور نہ ہی کہہ دینے سے کوئی دل سے نکلتا ہے اور بھلا اولاد کبھی دل سے نکلتی ہے؟ وہ اپنی انا تو سر بلند کر چکی تھی لیکن اس دل کا کیا کرتی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کوئی معجزہ ہو اور بچے اس کے پاس آ جائیں۔ اسے ہادی کے ساتھ تو اب نہیں رہنا تھا اور بچے ہادی کے تھے وہ کیسے اس کے پاس آ سکتے تھے۔

وہ بے بسی سے روئے جا رہی تھی۔ اسے ہادی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ وہ کیوں اسے ایسی سچویشن میں لایا تھا۔ جب زندگی میں سب ٹھیک ہونے جا رہا تھا۔ کیا ضروری تھا کہ وہ شہرین کے لیے ایک بار پھر اپنی محبت اسے دکھاتا۔ بہنوں کی موجودگی کا خیال کر کے وہ چہرہ صاف کرتی باہر آ گئی تھی۔

ہال روم میں جاتے ہوئے اس کی نظر اپنے پانچ سالہ بھتیجے واسع پر پڑی جو میٹرھیوں کی گرل سے لٹک کر میٹرھی کے ایک کنارے پر پاؤں جمائے نیچے جھپ لگا چکا تھا۔

”حسی اللہ۔“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ نیچے بچے اس کا میاب سنٹ پر اسے داد دے رہے تھے۔ وہ اب جوش میں پہلے سے زیادہ اونچائی سے جھپ لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ صبح بھاگ کر وہاں گئی۔

”واسع! نیچے اترو۔ کیا طریقہ ہے یہ کھیلنے کا۔ چوٹ لگ جائے گی۔ چلو نیچے آؤ۔“ اس نے سختی سے اسے پکارا۔

”کیا پھوپھو میں ابھی سپر مین کی طرح جھپ لگاؤں گا۔ آپ دیکھنا۔“

”واسع! چلو جلدی سے نیچے آؤ۔ شاباش۔“ وہ جو گرل سے لٹکا کھڑا تھا۔ منہ بنائے اسے دیکھنے لگا۔ نیچے کھڑے بچے صبح کے ڈر سے چپکے کھڑے تھے۔

”واسع! صبح نے اسے گھورتے ہوئے آواز لگائی۔“ آپ نیچے آتے ہو کہ میں اوپر آؤں۔“

”پھوپھو! بس آخری۔“ وہ اپنے جھپ کی پوری تیاری کر چکا تھا۔ صبح جلدی سے میٹرھیوں پر چڑھی۔ جتنا اس گھر کے بچے ضدی تھے۔ اسے اندازہ تھا وہ بھی ایسی ہی ہوا کرتی تھی اپنا کہا پورا کرنا۔ اگر واسع نے سوچا تھا کہ وہ جھپ لگائے گا تو وہ لگاتا۔ صبح تیزی سے میٹرھیاں چڑھ رہی تھی۔

”واسع! آج میں آپ کے اندر کے سپر مین کو نکالتی ہوں۔“ وہ جیسے ہی واسع کے قریب پہنچی، اس نے جھپ لگا دیا۔ صبح کی چیخ بلند ہوئی۔ پیچھے سے بڑی بھابھی کی۔ اور اوپر سے گرنے کی وجہ سے واسع کو جب چوٹ لگی تو

اس کی بھی چیخیں بلند ہوئیں۔ صبح تیزی سے سیڑھیاں اترتی واسع تک گئی۔ بڑی بھابھی بھی اس تک پہنچ گئی تھیں۔

”منع کیا تھا نہ کہ اوپر سے جمپ نہ لگاؤ۔ کہاں چوٹ لگی ہے اب۔“ وہ روتے ہوئے واسع کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

”دفع ہو جاؤ تم یہاں سے۔ پہلے اسے اوپر سے دھکا دیتی ہو پھر پوچھتی ہو چوٹ تو نہیں لگی۔“ بڑی بھابھی نے زور سے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اسے پیچھے کیا۔ صبح نے حیرت سے بھابھی کو دیکھا۔

”بھابھی! آپ ہوش میں تو ہیں۔ میں کیوں اسے دھکا دوں گی؟ وہ اوپر سے جمپ لگا رہا تھا تو میں اسے پکڑنے لگی تھی۔“

”تم شروع سے میری اور میرے بچوں کی دشمن ہو۔ آج تمہیں موقع ملا تو میرے معصوم بچے کو اوپر سے دھکا دے دیا۔“ وہ روتے واسع کو بھول کر اسے سنار ہی تھیں۔

”آپ یقیناً اپنے ہوش کھو چکی ہیں۔“ صبح نے اس الزام پر اپنے دل میں ان کے لیے تنفر محسوس کیا تھا۔ اس عورت کی بلا وجہ کی اس نفرت کی کوئی حد بھی تھی؟ وہ انہیں نظر انداز کرتی واسع کی طرف متوجہ ہوئی۔

”واسع بیٹا! آپ کو کہاں چوٹ لگی ہے؟“

”پھپھو! ٹانگ میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ وہ روتے ہوئے بولا۔ بچے بھاگ کر اماں اور باقی لوگوں کو بلانے گئے تھے۔ دونوں بھابھیاں اس شور کی وجہ سے وہاں آچکی تھیں۔

”خود کی اولاد نہیں ہے تو ہماری اولاد کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟“

”بھابھی!“ صبح نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ”میں صرف اسے سمجھا رہی تھی کہ اوپر سے جمپ نہ لگائے۔ اسے چوٹ لگ جائے گی۔“

”میں خود اپنے بچوں کو سمجھا سکتی ہوں۔ تم میرے بچوں سے دور رہا کرو۔“ وہ چیخیں۔

”اگر پہلے سمجھاتیں تو آج یہ نوبت نہ آتی۔“ صبح نے گرے ہوئے واسع کی طرف اشارہ کیا اور کھڑی ہو گئی یہاں بیٹھنا تو فضول ہی تھا۔

”واہ بی بی! اب آپ ہمیں بتائیں گی کہ ہمیں اپنے بچوں کو کیسے سمجھانا ہے۔ اب ہاں مجھ عورتیں ہمیں بچوں کی تربیت کرنے کا بتائیں گی۔“

صبح جاتے جاتے مڑی۔ بھابھی کی بات نے جیسے دل میں خنجر گاڑ دیا تھا۔ وہ تکلیف کے احساس سے ہلبلا اٹھی۔

”مجھے ہاں مجھ پن کے طعنے دینے سے بہتر ہوگا کہ آپ اپنی اولاد کی زندگی کی فکر کریں۔ کیونکہ جو اللہ اولاد دے کر غرور دیتا ہے وہ اولاد لے کر وہ غرور مٹا بھی سکتا ہے۔ ذہن نشین کر لیں۔“

اس کی یہ باتیں وہاں آتے ہوئے اماں اور اس کی بہنوں نے بھی سنی تھیں۔

”تم میری اولاد کے مرنے کی بددعا دے رہی ہو؟“ بڑی بھابھی شیرنی کی طرح غرائیں۔

”صبح!“ پیچھے سے اماں کی سخت آواز آئی تھی۔ واسع ان کی باتوں کو سنتا اپنا رونا بھول چکا تھا۔ چھوٹی بھابھی اور سبرین نے مل کر اسے اٹھایا تھا۔ بڑی بھابھی میدان جنگ میں ہی رہیں۔ صبح تلخی سے سر جھٹکتی مڑی۔ اماں عین اس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

”تمہیں ذرا بھی شرم آتی ہے؟ کوئی اپنے بچوں کو بھی بددعا دیتا ہے؟“

”اماں! میں نے کوئی بددعا نہیں دی۔ آپ کی بہو کو صرف یاد کروایا ہے کہ اللہ بے نیاز ہے۔ کسی کو ہاں مجھ رکھ کر آزما تا ہے تو کسی کو دی اولاد چھین کر..... اس لیے.....“

اماں نے ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔ صبح نے پلکیں جھپک کر اماں کو دیکھا۔

”اماں!“ اس کی بہنیں تیزی سے اس کے آگے آکھڑی ہوئیں۔ ”اماں بس۔“ آپ نے جیسے التجا کی۔

”ہٹو میرے سامنے سے۔ ایسی بہن کا دفاع کر رہی ہو جو میرے پوتوں کو بددعا میں دیتی ہے۔“ اماں جلال میں آچکی تھیں اور یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا تھا۔ بڑی بھابھی کی لگائی آگ میں ہمیشہ صبح کو جلنا پڑتا تھا اور اس پر پہلی لکڑی اس کی اماں ہی ڈالتی تھیں۔ آج بھی کچھ انوکھا نہیں تھا جو ہوتا آیا تھا ہو رہا تھا۔ صبح آنسو ضبط کیے بہنوں کے جھر مٹ سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کی دو بھابھیوں نے تو اس منظر کو حیرت سے دیکھا تھا البتہ بڑی بھابھی کے سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

صبح کمرے میں آکر ہمیشہ کی طرح بستر میں پڑ کر منہ چھپائے روتی رہی۔ پتہ نہیں کون سی مائیں ہوتی ہیں جو بیٹیوں کو تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ اسے تو اماں سے کبھی بھی نہیں ملا تھا اور دوسری جانب اماں کو شکایت رہتی تھی کہ ساری اچھی اولاد میں سے وہ اتنی زبان دراز اور ناشکری کیوں تھی۔ اس کی بہنیں اس کے پیچھے آئی تھیں۔ صبح نے مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھا۔ اہانت اور تذلیل کا احساس تھا۔ شادی شدہ بیٹی گھر رہنے آئی تھی اور اس کی اماں نے اسے سب کے سامنے تھپڑ دے مارا تھا۔ ذلت سی ذلت تھی۔ آج صبح کے پاس بہت کچھ تھا رونے کو..... ہادی، احد، نور عین اور اماں۔

پھر اس کی بہنیں شام تک وہیں اس کے لیے بیٹھی رہیں۔ جب وہ رو رو کر تھکی تو اٹھ کر منہ دھو کر آئی۔ آپنی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔ غناء آپنی یقیناً اماں کے پاس تھیں۔ کمرے میں وردہ اور آپنی تھیں۔ پھر آپنی اسے سمجھاتی رہیں۔

”چندا! ایسے کون بولتا ہے جیسے تم بول آئی ہو؟ بڑی بھابھی اور اماں کا دل کتنا دکھا ہے تمہیں اندازہ ہے؟ خود ہمیں اتنا دکھ ہوا ہماری بہن اس طرح بھی بول سکتی ہے؟“ وہ ہمیشہ کی طرح اسے چھوٹا بچہ سمجھ کر سمجھا رہی تھیں۔

”کتنی بار کہا ہے بڑی بھابھی سے پنگے نہ لیا کرو۔ وہ ویسے بھی تمہیں پسند نہیں کرتیں۔“ وردہ نے افسوس سے اس کی روٹی آنکھوں کو دیکھا جو لال لال ہو رہی تھیں۔

”جتنا بھی فضول بولیں چپ کر کے سن لیا کرو۔“ صبح اب چپ کر کے انہیں سن رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ جنہیں آپ بیٹھے بھی نظر نہ آئیں ان کے لیے کھڑے ہونا فضول ہے۔

”میں جانتی ہوں تمہیں اولاد نہ ہونے کا دکھ ہے مجھے بھی اس کا دکھ ہے لیکن اس کے لیے کسی اور کا دل دکھانا.....“ آپنی افسوس سے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔ صبح کی خشک آنکھیں پھر سے نم ہوئیں۔

”اور اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہو۔“

صبح نے تیزی سے پلکیں جھپک کر نمی جذب کی۔

”آپی! بانجھ..... کا طعنہ آپ نے نہیں سنا۔ ہر دوسرے شخص کے منہ سے بچے نہیں ہیں کیوں نہیں ہیں بھی آپ نے نہیں سنا اس لیے آپ اس تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتی ہیں۔ آپ اولاد والی ہیں اس لیے اولاد کے مرنے

کی بات نے آپ کو زیادہ تکلیف دی بہ نسبت اس بات کہ مجھے ہر آئے دن میرے باپ کے گھر میں بانجھ کا طعنہ سننے کو ملتا ہے۔ آپ کو افسوس ہے کہ مجھے سننا پڑتا ہے لیکن آپ کو دکھ نہیں ہے۔ ایک بار نہیں کئی بار بڑی بھابھی کیا سب بھابھیاں اکیلے اور اماں کے سامنے مجھے یہ کہہ چکی ہیں..... کیا آپ کو میں انسان نہیں دکھتی؟ کہ جس کو اللہ نے ایک دل لگایا ہوگا جہاں اس کی کیوں کا دکھ ہوتا ہوگا؟ بھابھیاں تو چلو غیر ہیں میری سگی ماں تک کو تب میری تکلیف محسوس نہیں ہوتی کہ یہ باتیں مجھے کتنا تکلیف دیتی ہیں کیونکہ میں یہ تکلیف انہیں بھی نہیں دکھاتی۔ نہیں دکھاتی تو مطلب نہیں ہوتی کیا؟ میں شور مچاؤں واویلا کروں سب کو ہر بار اس بات پر اکٹھا کروں پھر کیا آپ لوگ بڑی بھابھی سے یہ سب کہو گے ایسی باتیں نہ کیا کرو صبح کو تکلیف ہوتی ہے؟ نہیں کریں گے میں جانتی ہوں۔ بھابھی اتنا عرصہ مجھے نارچہ کرتی رہیں لیکن آج میں نے ایک بات کہی تو سب کا کلیجہ حلق میں آ گیا۔ اب اگر مجھے کسی نے بھی کہا کہ میری اولاد نہیں ہے میں بانجھ ہوں یقین کریں میں بھی ان کی اولاد سے ہی ان کا دل دکھاؤں گی۔ جہاں میرے دل پر ہاتھ رکھا جائے گا میں بھی وہیں سے رکھوں گی..... اور مجھے اپنے الفاظ پر بالکل بھی افسوس نہیں ہے اچھا کیا میں نے..... مجھے خوشی ہے کہ آج بھابھی کا دل بھی ایسی ہی تکلیف میں آیا جیسے میں محسوس کرتی ہوں۔“ وہ صبح تھی جو کبھی بھی ایک اچھی آئیڈیل لڑکی کے روپ میں نہیں آ سکتی تھی۔ آپنی اور وردہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اماں اور غناء آپنی دروازے میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔

”دیکھو اس کے لیے مجھے منار ہی تھیں تم۔ اس بد بخت کے لیے جو دل میں بغض پالے رکھتی ہے۔“ اماں نے غناء کو جتنی نظروں سے دیکھا۔ صبح نے نظریں اماں کی جانب کیں وہ سنجیدگی سے اماں کو دیکھتی رہی۔ اماں نے تنفر بھری نگاہ بیٹی پر ڈالی۔ غناء آپنی ان کا ہاتھ پکڑے کمرے کے اندر لے آئیں اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر اماں صبح کے عین سامنے آ کر بیٹھ گئیں۔ صبح نے نظروں کا رخ پھیر لیا۔

”آج مجھے بتا دو کہ تمہارے دل میں اتنا زہر کیوں ہے؟“

صبح نے گہری سانس لی۔ ”میں بانجھ نہیں ہوں۔“ پھر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ ”پیاری اماں میں بانجھ نہیں ہوں۔ یہ بات اپنی بہو کو بھی بتا دیں۔ میری زندگی میں بہت سے مسئلے رہے ہیں لیکن اولاد کا مسئلہ کبھی نہیں رہا..... اور میں دل میں بغض یا زہر نہیں رکھتی آپ بھی جانتی ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ کبھی بھی کسی کو

تکلیف دینے میں پہل نہیں کرتی۔ جو تکلیف دیتے ہیں انہیں بھی معاف کرنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن پیاری اماں.....“ اس نے وقفہ دیا۔“ ہر شخص کو معاف نہیں کرتے یہ میری زندگی کا تجربہ ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ آپ کی معافی کو آپ کی کمزوری سمجھتے ہیں جیسے کے آپ کی بہو..... ہر بار مجھے اولاد کا نام لے کر تکلیف دیتی رہیں۔ میں ہر بار خاموش رہی۔ رہی نا..... آپ کے سامنے تھی۔ ایک لفظ بھی نہیں کہتی تھی ان سے..... لیکن وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں معاف کیا جائے۔ اگر میں پہلے دن ہی انہیں ایسا جواب دیتی تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ خیر اب میں واضح کر دوں اگر آپ کی بہو نے دوبارہ اسی بات پر مجھے نارچہ کرنے کی کوشش کی واللہ میں انہیں نہیں چھوڑوں گی۔ وہ اپنی زبان سے مجھے جتنی تکلیف دیں گی میں بھی اتنی ہی دوں گی۔ میرے دل سے ان کا احترام اور لحاظ آج ختم ہوا۔ یہ بات جتنا بیٹھے انداز میں اپنی پیاری کو بتا سکیں بتا دیں اب میں لحاظ کا ایک ذرہ بھی نہیں آنے دوں گی دل میں۔“

وہ روئی آنکھوں سے مضبوط لہجے میں بولتی کمرے میں موجود خواتین کا دل دہلا گئی تھی۔ پھر وہ ان سب کو کمرے میں چھوڑتے باہر آ گئی تھی۔ اسے سانس لینے تھی کھل کے آزادی کے ساتھ۔ اسے وردہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ واسع کو کوئی فریکچر نہیں ہوا تھا بس اوپر سے گرنے کی وجہ سے ہلکی سی چوٹیں آئی تھیں۔ مجموعاً وہ ٹھیک تھا۔ جب رات کو ڈنر پر سب گھر والے ٹیبل پر اکٹھے ہوئے۔ صبح سب سے آخر میں بچہ۔ صبح جیسے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھی بڑے بھائی کھانے کی پلیٹ دور کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صبح سمیت سب نے انہیں دیکھا۔

”ہشام! کیا ہوا؟“ ابا نے سوال کیا۔

”میں ایسے لوگوں کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھ کر نہیں کھا سکتا جو میری اولاد کے دشمن ہوں۔“ واضح اشارہ صبح کی طرف تھا۔ صبح کا دل بھرا گیا۔ وہ اس کا سگا بھائی تھا۔ ابا کو واسع والی بات اور اس پر ہونے والا جھگڑا اماں بتا چکی تھیں۔

”آرام سے بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔“ ابا نے سختی سے انہیں کہا۔

”ابا! آپ کو اپنی اولاد پیاری نہیں ہے لیکن مجھے ہے۔ جو میری اولاد کو بددعا میں دے اور انہیں دھکے دے

کر گرائے مجھے ان کے ساتھ ایک ٹیبل پر نہیں بیٹھنا۔“

ابا نے افسوس سے بیٹے کو دیکھا۔ ”یہ کیا بچپنا ہے شام۔ صبح تمہاری بہن ہے اور بہنیں کبھی بھی بھائیوں کا برا نہیں سوچتی ہیں۔“

”اسی بات کا افسوس ہے کہ بہن ہے ورنہ میں اسے زندہ زمین میں گاڑ دیتا۔“ وہ اسے دیکھتے غرائے۔
صبح کے آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے لیکن وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔

”ابا! مجھے بھی سن کے افسوس ہوا کہ صبح نے ایسی حرکت کی اور ایسی بات کی۔“ اس کا دوسرا بھائی بولا۔
”جب سے آئی ہے روز کوئی نا کوئی مسئلہ اس کی وجہ سے ہوتا ہے جب گھر آؤ یہی سننے کو ملتا ہے آج صبح نے یہ کیا اور میں ہر بار چپ کر جاتا کہ بہن ہے پھر چند دن کے لیے رہنے آئی ہے لیکن آج اس نے ہر حد پار کر دی۔ بہتر یہی ہوگا یہ اپنے گھر چلی جائے تاکہ ہمارے گھر کا سکون برقرار رہے۔“

”ابا! میرا بھی یہی خیال ہے۔ صبح کی زبان کی تیزی کا آپ کو پتہ ہے۔ باقی بہنیں بھی رہنے آتی ہیں لیکن جب سے یہ آئی ہے مسلسل ٹینشن والا ماحول بنا رہتا ہے۔“ اس کے تیسرے بھائی نے بھی صبح پر ایک نظر ڈال کر اب کو دیکھا۔ وہ تینوں بھائی اس گھر کا ستون۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے گھر نہ رہے۔

صبح نے سختی سے دل کو دوبار کھا تھا یہاں ان سب کے سامنے اس کے آنسو چھلکنا اس جیسی لڑکی کے لیے باعث تو ہین تھا۔ جو اپنے نہیں، انہیں اپنی تکلیف کے آنسو نہیں دکھاتے۔ ساٹ چہرہ لیے وہ باری باری بھائیوں کو دیکھ لیتی۔ اماں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ وردہ لب کاٹ رہی تھی۔ اس کی بھابھیاں نارمل تھیں۔ اور ابا وہ ڈھیلے کندھوں کے ساتھ بیٹوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی سلطنت کے وارث تھے۔ صبح نے ابا کو دیکھا۔ وہ اس سے بہت پیار کرتے تھے لیکن..... راجدھانی تو شہزادوں کی ہوتی ہے وہ چپ چاپ اٹھ آئی۔ پھر پتہ نہیں کب اماں اور وردہ کمرے میں آئی تھیں۔ دونوں آپیاں گھر چلی گئی تھیں۔ اماں اور وردہ افسوس سے اور دکھ سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”صبح! میرا بچہ، کتنی بار سمجھایا تمہیں اپنی زبان پر قابو پاؤ۔“ وہ بولتے ہوئے چپ کر گئیں۔

”اماں! ایک دو دن میں چلی جاؤں گی آپ پریشان نہ ہوں۔ مزید اپنی ذات سے آپ کو تکلیف نہیں دوں

گی۔“ وہ اماں کو دیکھتے آہستگی سے بولی۔

”تمہیں لگتا ہے میں تم سے پیار نہیں کرتی۔“ اماں نے بیٹی کے چہرے پر پیار سے ہاتھ رکھا۔

”نہیں میں ایسا نہیں سوچتی۔ اولاد ہوں آپ کی اور اولاد تو سب کو پیاری ہوتی ہے۔“ وہ تھل سے بولی۔

اماں کی ہمیشہ سے خواہش رہی تھی کہ ان کی بیٹی میں برداشت اور تحمل آجائے۔ وہ اس کے چیخنے چلانے اور پھر اپنی سختی کا سوچ کر آئی تھیں اور زندگی میں پہلی بار ان کی بیٹی ان کے سامنے تحمل کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ان کے دل میں تکلیف کی لہر اٹھی تھی۔ وردہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ صبح نے مسکرا کر اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔ یہ وہ تہدیلیاں تھیں جو اس گھر کے لوگ کبھی بھی اس سے امید نہیں کر سکتے تھے۔

”اماں! میں آپ سے یا ابا سے اس بار ناراض نہیں ہوں۔ واقعی ناراض نہیں ہوں۔ میں تو چند دن رہنے آئی ہوں اور چند دن کے مہمانوں کی وجہ سے مستقل مکینوں سے کون بگاڑتا ہے؟ بیٹی ضرور ہوں مگر رہنا تو آپ نے بیٹوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے انہیں چٹنا ہی عقل مندی ہے۔“

پھر جتنی دیر اماں رہیں اسے سمجھاتی رہیں ان کی صبح والی ناراضگی بیٹوں کی باتوں کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی۔ وہ اسے سمجھا رہی تھیں کہ اپنے گھر میں اپنا دل لگائے۔ دوسرے الفاظ میں ادھر کا رخ بہت کم کرے نہ کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتی سنتی رہی۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی شکوے کا نہ نکلا اور نہ یہ کہ شوہر کا گھر بھی چھوڑ چکی ہے۔ اب دراصل اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ پھر اگلے دن ابا اسے اپنے ساتھ بٹھائے بہت کچھ سمجھاتے رہے۔ صبح ان کے جھکے سر کو دیکھ کر اپنا سر جھکا دیتی۔

”ابا! آپ پریشان نہ ہوں۔ میری وجہ سے سب کو مسئلے ہو رہے ہیں تو میں جا رہی ہوں آپ اس ٹینشن میں نہ آئیں کہ میرے ساتھ کچھ برا ہوا ہے۔ کچھ برا نہیں ہوا، ویسے بھی میں اس گھر سے کب کی رخصت ہو چکی ہوں اب بھی چند دن کے لیے آئی تھی۔ میرا مقصد جھگڑا نہیں تھا لیکن خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب مزید آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔“ وہ ابا کے چہرے پر پھیلی شرمندگی کو دیکھ کر رواٹھی تھی۔ جو بھی ہو باپ کے جھکے سر نہیں دیکھے جاتے۔ وہ بیٹوں کی وجہ سے چاہتے تھے کہ بیٹی اپنے گھر جائے لیکن کہتے ہوئے ان کی نظریں جھکی رہی تھیں اور یہ صبح کے دل کو چیر رہا تھا۔ میں تو ویسے بھی ایک دو دن میں جانے والی تھی۔

”ہادی بھی واپس آرہے ہیں امریکہ سے۔“ وہ پھر سے جھوٹ کے پلندے کھڑے کر رہی تھی۔ اپنے گھر کی خوشیوں کیا اور محبت اور سکون کے۔

جس شام صبح کی روائگی تھی اسی شام اس کی ساس اور نند ابا کے گھر سے منانے آگئی تھیں۔ صبح اس وقت اپنی پیکنگ میں لگی ہوئی تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ لوگ آئی ہوئی ہیں اور وہاں اس کی ساس اور نند کو اگر پتہ ہوتا کہ صبح گھر والوں سے ابھی تک یہ بات چھپائے ہوئے ہے تو وہ کبھی یہ بات نہ چھیڑتیں۔ اماں اور ابا تو انہیں خوشدلی سے ویلکم کرتے ڈرائنگ روم میں لے آئے تھے۔ پھر اس کے بھائی وہاں آئے تو بھابھیاں بھی وہیں آگئی تھیں۔ اماں اور آپاں ان کی خوش اخلاقی پر حیران بھی ہو رہی تھیں اور متاثر بھی۔ پھر بالآخر اماں نے بات شروع کی۔

”بھائی صاحب! کیا بتاؤں جب سے صبح آئی ہے بچے بیمار ہو گئے ہیں۔ ہر وقت تو انہیں اپنے ساتھ رکھتی تھی اب تو ان کے لیے جیسے ماں کے بغیر سانس لینا بھی محال ہے۔ بھائی صاحب! سچ کہہ رہی ہوں صبح کے علاوہ وہ کسی سے نہیں سنبھلنے۔ اونچ نیچ تو ہر رشتے میں ہو جاتی ہے میں جانتی ہوں صبح بہت اچھی ہے میرے بیٹے کی غلطی ہے لیکن بچوں کے لیے اب میں اسے لینے آئی ہوں۔“

”بہن! آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔“ ابا تو ابا ان کی گفتگو سے وہاں بیٹھا ہر شخص حیران تھا کہ آخر بول کیا رہی ہیں کوئی مفہوم ہی سمجھ نہیں آرہا تھا۔

”دیکھیں بہن! انہی حالات کی وجہ سے میں بھاگم بھاگ جرمنی سے پاکستان آئی ہوں۔ بچے کسی اور کے پاس جا ہی نہیں رہے۔ بس ماما کیے جا رہے ہیں۔ آپ پلیز۔“ اب کے ان کا رخ صبح کی اماں کی جانب مڑا وہ بہت امید سے انہیں دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں کہ اماں نے انہیں بیچ میں ٹوک دیا۔

”کس کے بچے؟ آپ کن بچوں کی بات کر رہی ہیں؟“

اس کی ساس اور نند نے بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ یعنی یہاں تو کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں تھا کیا بچے اور کیا ناراضگی۔

”یعنی صبح نے آپ لوگوں کو کچھ نہیں بتایا۔“ آپاں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

”صبح نے کبھی کسی بچوں کا ذکر نہیں کیا۔ آپ کی باتیں مجھے ڈر رہی ہیں۔“ اماں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

”وہ آنٹی، صبح اور ہادی کے دو بچے ہیں۔ اور صبح کسی بات پر روٹھ کر یہاں آگئی تو بچے پیچھے سے بیمار ہو گئے ہیں۔“ آپ نے انہیں دیکھتے جواب دیا۔ وہاں بیٹھا ہر شخص ہکا بکارہ گیا۔ سب کو پتہ تھا بھابھی اسے بانجھ کہتی ہیں اور اس نے کبھی نہیں کہا کہ اس کے دو بچے ہیں۔ جواب میں بہت کچھ کہتی تھی یہ کیوں نہیں کہا کہ میرے بچے ہیں۔ اماں ابا تو کتنی دیر کچھ بول ہی نہ پائے۔

”میری صبح کی اولاد ہوتی تو وہ مجھ سے کیوں چھپاتی۔“ اماں بے یقین تھیں۔

”دراصل صبح کے اپنے بچے نہیں ہیں۔ ہادی کی پہلی بیوی سے ہیں۔ کیا صبح نے آپ کو نہیں بتایا تھا۔“ وہاں موجود سب لوگوں کی کاری ایکشن انہیں ڈر رہا تھا۔ اماں اور وردہ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

”ہادی کی پہلی بیوی۔“ بڑی بھابھی ایک دم سے آگے ہوئیں۔ کیا واقعی۔ یہ تو بہت مزے کی بات تھی۔

”آپ لوگوں نے شادی کے وقت تو نہیں بتایا تھا کہ ہادی کی دوسری شادی ہے یہ اور دو بچے.....“ ابا بولتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ اماں تو ابھی تک بے یقینی سے اس کی ساس کا منہ تک رہی تھیں۔ وردہ بھاگ کر اسے بلانے آئی۔ وہ چادر لے کر اپنا پرس چیک کر رہی تھی۔ وردہ کو دیکھ کر سر اٹھایا۔

”بس آرہی تھی میں۔“

”تمہاری ساس اور نندا آئی ہیں۔“

صبح نے پرس کو چھوڑ کر اسے دیکھا۔

”یہاں؟“

وردہ نے سر ہلایا۔ ”وہ کہہ رہی ہیں کہ ہادی بھائی شادی شدہ ہیں اور دو بچے.....“ وہ بولتے ہوئے انک گئی۔ صبح اس کی بات سن کر بھاگی۔ اوہ نو اماں ابا کو نہ پتہ چلے۔ ڈرائنگ روم میں سب کے تاثرات نے بتا دیا تھا کہ بات کھل چکی ہے۔ وہ پھیکا چہرہ لیے آگے بڑھی اور ساس کے قریب گئی۔ اس کی ساس، نند دونوں کھڑی ہو کر اسے ملیں۔

”بیٹھیں۔“ انہیں کہہ کر وہ اماں کے قریب آ بیٹھی۔

”صبح! تمہاری ساس کہہ رہی ہیں کہ ہادی پہلے سے شادی شدہ تھا۔“ بڑے بھائی کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ چبا چبا کر بولے۔ اماں، ابا میں تو جیسے بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

”جی بھائی، ہادی پہلے سے شادی شدہ تھے اور ان کے دو بچے ہیں۔“ وہ بھائی کے تیور دیکھ کر آہستگی سے بولی۔ اماں کے آنسو چھلک پڑے۔ ان کی بیٹی ان سے اتنی بڑی بات کیسے چھپا سکتی تھی اور یہ سب سہا کیسے تھا۔

”پہلی بیوی کہاں ہوتی ہے؟ کیا دونوں ایک ہی گھر میں رہتی ہو؟“ اماں ابا کے دل میں تکلیف بڑھی۔ سب کے دل میں اٹھتا سوال چھوٹے بھائی نے پوچھا۔

”نہیں بھائی۔ جس دن میری شادی ہوئی تھی اسی دن بیٹی کو پیدا کرتے اس کی ڈیجھ ہو گئی تھی۔“ اس نے نظر اٹھا کر اماں اور ابا کو دیکھا۔ دونوں شکوہ کناں نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔

”اگر وہ زندہ ہوتی تو پھر تم کہاں رہتی یہ نہیں پوچھا شوہر سے؟“ بڑے بھائی نے چبھتے لہجے میں کہا۔
”وہ محبوبہ تھی، مجھے اس کے ساتھ رکھ کر کہاں اسے تکلیف دیتا۔“ یہ بات اس نے دل میں سوچی تھی لیکن کہی نہیں تھی۔ اتنی پاگل نہیں تھی کہ اپنی بھابیوں کے سامنے ایسی بات کہتی کہ اس کے شوہر کی محبت کی شادی تھی اور اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

”تم نے ہم سب سے یہ کیوں چھپایا۔“ ابا نے دکھی لہجے میں بیٹی سے پوچھا۔
”بس نہیں بتا سکی۔“ وہ اصل وجہ چھپا گئی۔ پھر ساس اور نند کی طرف متوجہ ہوئی جو خاموشی سے سب سن رہی تھیں۔

”کیا لیں گی آپ لوگ؟ کیا بناؤں؟“

اماں نے اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلایا۔ یہ ان کی بیٹی نہیں تھی۔

”کچھ نہیں بس بیٹا، تمہیں لینے آئے ہیں۔ نور عین ہاسپٹل میں ہے۔ ہادی کی حالت بہت خراب تھی جب اس نے فون کیا میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ بچے، اپنا گھر چھوڑ کے کیوں آ گئی۔ میاں بیوی میں جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ اب تک بھی تو تم سلجھا لیتی تھیں پھر اب کیا ہوا تھا..... پورا گھر تلپٹ ہوا پڑا ہے۔ ہادی کی حالت الگ خراب

اور بچوں کا حال تو پوچھو مت۔ تمہارے بغیر تو وہ گھر جیسے ویران ہو گیا ہے۔ ہادی نے کہا کہ تمہیں نور عین کی حالت کا پتہ ہے تم پھر بھی نہیں آئی۔ مجھے یقین نہیں آیا اس کی بات پر۔ اس لیے میں خود تمہیں لینے چلی آئی۔ صبح بیٹا! بچوں کی حالت بہت خراب ہے۔ معصوم ماں کے لیے ترس رہے ہیں چلو گھر چلو۔“

صبح ان کے بات شروع کرنے سے پہلے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مزید اس کی بھابھیاں اس کی زندگی کے اس معاملے کو جانیں اور پھر یہ تو طے تھا کہ یہ سب معلومات وہ طنز طعنے بنا کر اسے سنائیں۔

”اماں! اب یہ ممکن نہیں رہا۔ میں نے اپنی برداشت کی ہر حد تک برداشت کیا اب مزید اذیت نہیں دے سکتی خود کو۔ مجھے اس گھر میں اب کبھی نہیں آنا..... اور بچوں کے لیے کوئی آیا رکھ لیں یا آپ لوگ خود سنبھال لیں۔ نہیں تو ان کے انھیال بھیج دیں۔ میں معذرت کرتی ہوں میں ان کو مزید نہیں سنبھال سکتی۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔ اس کی آواز بہت نیچی تھی کہ قریبی صوفے پر بیٹھے اماں ابا تک گئی تھی بس۔ بھابھیاں اور بھائی سامنے والے صوفوں پر بیٹھے تھے۔

”صبح بچے پلیز..... میں آپ کو لینے آئی ہوں۔“ اس کی ساس اس کے ہاتھ پکڑے منت بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

”اماں! آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ اب میرے بس میں نہیں رہا۔ یقین کریں میری ہمت ٹوٹ چکی ہے اب۔ اس گھر کو بنانے کے لیے میں پوری کی پوری ٹوٹ گئی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ مجھے معاف کر دیں میں اب یہ نہیں کر سکتی۔“ صبح نے ان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

اماں ابا اب جو بھی کہتے جتنا داویلا کرتے باز پرس کرتے جو نقصان ہونا تھا ہو چکا تھا۔ پھر اس کی ساس اور نند چلی گئی تھیں۔

”صبح! میرے کمرے میں آؤ۔“ ان کے جانے کے بعد ابا اسے کہتے چلے گئے۔ اماں بھی ان کے پیچھے تھیں۔ وہ گہری سانس لیتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے تینوں بھائی بھی وہاں سے چلے گئے تھے۔ وہ ہمت جمع کرتی ابا کے روم میں آ گئی تھی۔

”بیٹھو۔“ ابا اور اماں دونوں بیڈ پر بیٹھے تھے۔ ابا نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ لب کاٹتی بیٹھ گئی۔

”ہمیں کیوں نہیں بتایا تھا؟“

”اماں کو فون کیا تھا بتانے کے لیے لیکن انہوں نے ڈانٹ دیا تھا کہ شوہر کے گلے میرے سامنے نہ کرنا۔“ وہ خود کو نارمل کر چکی تھی۔ اماں نے بے یقینی سے بیٹی کو دیکھا۔ کیا وہ فون اس لیے کیا تھا اس نے۔ انہیں دکھ ہوا تھا کہ انہوں نے اس سر پھری بیٹی کی بات کیوں نہیں سنی تھی جس نے ایک بار منع کرنے کے بعد دوبارہ کبھی ذکر بھی نہیں چھیڑا تھا۔ ابا نے ایک دم سے گردن موڑ کر اماں کو دیکھا۔

”کیا واقعی آپ کو بتایا تھا اس نے؟“

اماں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں سمجھی تھی کہ عادتاً شوہر کا گلہ کر رہی ہے۔ اس لیے ڈانٹ دیا تھا مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے۔“

”تو جب بیٹیاں اپنی کوئی بات بتاتی ہیں کیا مائیں انہیں ایسے ڈانٹ دیتی ہیں؟“ ابا کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ”کم از کم ایک بار سن تو لیتیں کہ وہ گھر سے اتنی دور بیٹھی ہے اور کچھ بتا رہی ہے تو سن لیں۔“

”مجھے لگا چھوٹی سی بات پر دل برداشتہ ہو گئی ہوگی۔ ہے بھی تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے۔ اور شادی شدہ زندگی تو پھر مختلف ہوتی ہے۔“ اماں افسوس سے بولتی چپ کر گئیں۔

”مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میرا اصل گھر مظفر آباد میں ہے۔ مجھے لگا میری شادی لاہور میں ہی ہو رہی ہے۔“ اس نے اماں کو دیکھ کر شکوہ کیا۔

”اس بات کا کیا مطلب ہے؟“ ابا نے اسے دیکھ کر پھر اماں کو دیکھا۔

”یہ کہتی تھی کہ دور شادی نہیں کروں گی۔ اب اتنا اچھا رشتہ اس کی فضول ضد پر تو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔“ صبح نے ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو واقعی؟

”ہاں اس وقت تو اچھا لگ رہا تھا۔“ اماں نے ہولے سے صبح کی۔

”اب شروع سے مجھے ساری بات بتاؤ۔“ ابا نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔ پھر صبح نے مختصراً ساری

بات کہی۔ اور تین سالوں کے قصے کو دس منٹ میں سنا کر فارغ ہو گئی تھی۔ ساری تکلیف کو ایک عام سی بات بنا کر وہ فارغ ہو گئی تھی۔

”جب تم اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی اور اب بھی جب ساس لینے آئیں تو تم نے کہا کہ سب ختم ہو چکا۔ کیا یہ بتانا پسند کرو گی کہ تم آج کہاں جا رہی تھی؟“

صبح دھک سے رہ گئی۔ ابا نے کہاں سے پکڑا تھا۔ وہ چند لمحے ابا کو دیکھتی رہی۔ اماں نے بھی بیٹی کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ لمحہ بھر پہلے کا پر اعتماد چہرہ اب پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہ ابا کے سوال پر خاموش رہی۔

”صبح! اپنے ابا کو جواب دو۔“

وہ نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی۔

”صبح بیٹا۔“ اس پکار پر اس کی آنکھیں تیزی سے نم ہوئیں۔

”تم کہاں جا رہی تھیں۔“ ابا نے زور دے کر پوچھا۔

”یہیں لاہور میں میری ایک دوست کے پاس۔۔۔ پھر چند دن بعد کسی ہاسٹل میں شفٹ ہو جاتی۔“

اماں غم و غصے سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

”کیوں؟“ ابا نے ایک لفظ میں اپنا اعتراض واضح کیا۔

”کونکہ میں مزید اپنی وجہ سے آپ لوگوں کو تنگ نہیں کر سکتی تھی۔“

ابادکھ کی کیفیت میں بنا کچھ بولے باہر کو چلے گئے اب کمرے میں اماں اور وہ رہ گئے تھے۔

”صبح! مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ چلو تب تم ناراض تھی۔ تین سال میں ایک بار بھی تمہیں موقع نہیں ملا؟“

اماں سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”پہلے تو سوچا تھا کہ بتا دوں پھر جب بہت سوچا تو یہی سمجھ آیا کہ بتانا فضول تھا کیونکہ گھر تو ویسے ہی بسانا تھا

پھر کیا فائدہ دنیا کو تماشہ دکھانے کا۔ آپ کو بتا دیتی تو آپ کیا کر لیتیں؟ یا پھر کیا کہتیں کہ شادی کے چند دن بعد

شوہر کا گھر چھوڑ آؤ؟ کبھی نہیں۔ آپ سب سننے کے بعد مجھے سمجھا بجا کرواپس بھیج دیتیں اسی گھر میں تو بہتر یہی تھا

کہ اس گھر کو چھوڑنے کی بجائے میں وہیں رہتی۔ جب گھر بسانا تھا تو بس بسانا تھا میری عقل نے تو یہی سمجھایا کہ

جس گھر میں واپس ہی آنا ہے بہتر ہے اسے نہ چھوڑوں..... اور پھر دوسروں کو اپنی زندگی میں دخل اندازی دینے کا موقع کیوں دیتی۔“

”ہم اور ہیں، دوسرے ہیں؟“

”آپ نہیں۔ لیکن آپ کی بہوؤں کو پتہ چلتا مطلب پورے خاندان کو پتہ چلنا تھا۔ اب آپ بھی جانتی ہیں آپ نے ایسی تربیت نہیں کی کہ دنیا کی ہمدردی کے لیے شوہر کی ایک برائی کو کئی سے ضرب دے دیں۔ آپ ہی نے سکھایا ہے نا کہ شوہر کا گلہ نہیں کرتے۔ تو بس میں نے اپنے شوہر کی برائیوں کا پردہ رکھنا بہتر سمجھا بجائے دنیا کی ہمدردی لینے کے۔“

اماں کو اس پل اپنی تربیت پر فخر ہوا اور آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگایا۔

”تم کم از کم مجھے تو بتا دیتی۔ اتنی تکلیف اکیلے سہتی رہی۔ ماں ہوں تمہاری ایک بار نہیں سنی تھی اگلی بار سن لیتی۔“ ان کا یہ افسوس کم نہیں ہو سکتا تھا۔

”اور اماں ایک اور بات..... میں بانجھ نہیں ہوں بس.....“ وہ بولتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ اماں نے اس کی ادھوری بات سمجھ کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور اسی وقت ابانے کمرے کی دہلیز پر کھڑے اس کی بات کو سن لیا تھا۔

”ہادی کی پہلی شادی محبت کی تھی۔ وہ کبھی اسے بھولا ہی نہیں۔ میری لاکھ کوششوں کے باوجود بھی میں اس کے دل میں جگہ نہیں بنا پائی۔ اور اب میں تھک گئی تھی۔ میری برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا اماں باپ کا گھر چھوڑ کر میں سب بھلا کر اس کا گھر بنا رہی ہوں تو میری قدر کرے گا۔ لیکن نصیب..... پھر اس لیے اس گھر کو چھوڑ آئی۔ مجھے اپنی جنت میں واپس آنا تھا جہاں میں شان سے رہا کرتی تھی۔ جہاں غم پریشانیاں تو بس دور سے دیکھتی تھیں کبھی دل میں جگہ نہیں لے پائی تھیں۔ خیر کوئی بات نہیں..... اب آپ کو یہ سب بتا دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے لیے آپ کا دل نرم کرنے کی کوشش کر رہی تھی..... میں یہاں نہیں رہوں گی اپنی ذات سے آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں دوں گی۔“

”صبح! رکھ کے ایک تھپڑ ماروں گی۔ اس وقت اس لیے کہا تھا کہ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم ایسے حالات میں ہو۔ سدا الٹی کھوپڑی رہنا۔ کبھی ماں باپ کے بارے میں اچھا نہ سوچنا۔ ہمیشہ بدگمان رہتی ہو۔ اللہ ہی تمہیں

ہدایت دے۔“ اماں کا غصہ اس کی باتوں پر پھر سے عود آیا تھا۔ صبح پھکی ہنسی ہنسنے لگی۔ اماں جو بھی کہتیں یہ تو طے تھا اب اس گھر میں نہیں رہنا تھا۔ اس کے لیے اس کی عزت ہر شے سے بڑھ کر تھی۔ ابا وہیں دہلیز سے ہی واپس پلٹ گئے تھے۔



اس کی ساس دوبارہ آئی تھیں اور اماں نے اسے بتائے بغیر انہیں واپس بھیج دیا تھا۔ ابا نے صبح کو سختی سے گھر چھوڑنے سے منع کیا تھا۔ اپنی اولاد تھی جانتے تھے کہ اس کے اندر کیا چل رہا تھا۔ پھر دو دن بعد ابا نے باقی بیٹیوں کو شام کو گھر بلا لیا تھا۔ پھر جب رات کے کھانے سے سب فارغ ہو گئے تھے تو ابا کے حکم پر سب ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے کوئی ضروری بات کرنی تھی۔ ان سب کو بٹھا کر ابا اپنے کمرے سے کچھ لینے گئے۔ جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ ابا مضبوط قدموں سے چلتے اماں کے ساتھ جا بیٹھے۔ سب منتظر نگاہوں سے ابا کو دیکھنے لگے۔

”میں نے سوچا کہ اپنے جیتے جی میں جائیداد کی تقسیم کر دوں تاکہ کل کلاں کو کوئی جھگڑا نہ ہو اور نہ ہی میری کوئی اولاد میری جائیداد سے محروم رہ جائے۔“

”ابا! اس کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔“ آپنی فوراً بولیں۔ سب بہن بھائیوں کی یہی سوچ تھی۔

”ضرورت تو تھی میرا بچہ۔ عدالتی کارروائیوں میں وقت لگتا ہے۔ یہ میری وصیت ہے اگر اس دوران مجھے کچھ ہوتا ہے تو پھر اسی طرح ہی جائیداد کی تقسیم کی جائے۔“ ابا نے فائل سے دو تین اٹیچڈ پیجز نکال کر لہرائے۔ پھر بڑے بیٹے کے ہاتھ میں دیئے کہ دیکھ لو۔ اس کے بھائی مل کر اس صفحے کو دیکھنے لگے۔

”میری سب بیٹیاں اس گھر سمیت میری ہر جائیداد میں حصہ دار ہیں۔ آٹھ دکانیں ہیں سب کے نام ایک ایک کی ہے۔“ بچے سات تھے آٹھواں حصہ اماں کا تھا۔

”میرا حصہ صبح کے نام کیا ہے میں نے۔ آپ کی مرضی آپ اولاد میں سے جس کے بھی نام کرنا چاہیں۔“

ابا نے اماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اباجی! بیٹیوں کے نام دکانیں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ چلیں وہ بھی ٹھیک ہے لیکن گھر تو صرف بیٹوں کے نام ہی رہنے دیتے۔ یہ جو کل کلاں کو حصہ مانگنے آگئیں تو..... تو کیا ہم گھر کو توڑ کر انہیں حصے دیں گے۔“ اس کے بھائی نے اعتراض کیا۔ پھر دونوں بھائیوں نے گردنیں ہلا کر اس کی تصدیق کی۔ بھابیوں کے دل میں بھانبر سے جلنے لگے۔

”بیٹا! حصہ مانگنے آئیں یا نہیں دینا تو ہے آپ لوگوں نے۔ پھر کمانے والے ہو اس گھر سے اتنی محبت ہے تو بہنوں سے خرید لینا اگر وہ بیچنا چاہیں۔ باقی اگر کسی کو اس بات پر اعتراض ہے کہ اس گھر میں میری بیٹیاں بھی حصے دار ہیں تو میں یہی کہوں گا کہ وہ اپنے لیے اور گھر دیکھ لیں جہاں وہ حصہ دار نہیں بس مالک ہوں۔ باقی رہی ساری جائیداد میں سے حصہ دینے کی بات تو یہ میری بیٹیوں کا شرعی اور قانونی حق ہے۔ میں نے ساری زندگی اس لیے نہیں کمایا تھا کہ جب میری اولاد کسی مشکل میں آئے تو ان کے سر پر چھت ہی نہ ہو۔ میری بیٹیاں اچھی ہوں یا بری۔ یا پھر زبان دراز۔ پھر بھی ان کا باپ کی جائیداد پر حق ہے۔ اور صبح کے نام اپنا حصہ اس لیے کیا کہ میری اس بیٹی کی زندگی بہت بے یقینی کا شکار ہے۔“

صبح بیٹا! اب یہ صرف تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے بلکہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ پہلے بھی اس گھر پر تمہارا حق تھا اور آئندہ بھی رہے گا۔ جنہیں تمہارے یہاں رہنے پر اعتراض ہے تو بہتر ہو گا وہ اپنے لیے نیا ٹھکانہ ڈھونڈ لیں۔ ماشاء اللہ سے میری بیٹی کمانے والے ہیں۔ کچھ عرصے تک بیویوں کو یہاں کے جیسی ملکائوں والی زندگی دے دیں گے۔ باقی اس گھر کی ایک ہی مالکن ہے اور وہ میری بیوی ہے۔“ ابانے بہو بیٹوں سب پر اپنی بیٹیوں کی اہمیت واضح کر دی تھی۔ پھر بھائی سے وصیت کے کاغذ لے کر صبح کے ہاتھ میں دیئے۔ وہ غم آنکھوں سے ان کاغذوں کو دیکھتی رہی۔

”ابا! اس سب کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میری وجہ سے.....“ وہ لب بھینچ گئی۔

”باپ کی جائیداد میں سے حصہ تمہارا حق ہے۔ کوئی کچھ بھی کہے لیکن تم یہ یاد رکھنا کہ اللہ کے مقرر کیے حق کو لے رہی ہو۔ اور جو حق اللہ نے آپ کے لیے مقرر کیے ہوں اسے لیتے ہوئے کبھی شرمندہ نہیں ہوتے۔“ ابانے محبت سے اس کے سر کو تھپتھپایا۔ صبح غم آنکھوں سے ہنسی۔ باپ جیسا سائبان تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابا کو معلوم تھا

صبح کو جائیداد میں زیادہ حصہ ملنے پر اس کے بھائی، بھابھیاں اسے قصور وار سمجھیں گے۔ اس لیے انہوں نے بیٹی کو سمجھانے کے ساتھ وہاں موجود سب لوگوں کو جتادیا تھا کہ ان کی بیٹی کو کچھ نہ کہا جائے۔ ہائے پیارے ابا۔



ابا اور اماں آج غناء آپنی کی طرف تھے۔ گھر کے باقی لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ دوپہر کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ دونوں بھابھیاں اپنے کمروں میں تھیں۔ صبح، وردہ کے لیے کھانا بنا کر ابھی کچن سے نکلی تھی۔ وردہ کو گھر آتے ہی کھانا چاہیے ہوتا تھا اور جب سے صبح آئی تھی بھابھیاں تو کچن کے کاموں سے یوں کئی کتراتی تھیں کہ بس..... پھر صبح، اماں، ابا اور وردہ کے لیے خود بناتی تھی۔ اور بھابیوں کے لیے؟ اگر صبح کی کوئی اور بہن ہوتی تو یقیناً سب کے لیے کر لیتی۔ لیکن کیونکہ وہ صبح تھی اور جب اس کی بھابھیاں اس کی وجہ سے اماں، ابا کا کھانا نہیں بناتی تھیں تو اس کا بھی دماغ خراب نہیں تھا کہ وہ ان کے لیے یا ان کی اولادوں کے لیے بناتی۔

یہ اور بات کہ جب بچے اسے کچن میں دیکھتے تو جو فرمائش کرتے وہ بنادیتی۔ اب کیا کرتی مہپیوں کی محبت بھی کوئی شے ہوا کرتی ہے۔ بھابیوں کو منع کیا جاسکتا ہے معصوم بھتیجے بھتیجیوں کو کیسے کرتی وہ۔

بھابیوں نے تو ایسے بی ہو کرنا شروع کر دیا تھا کہ جیسے وہ الگ خاندان ہوں۔ اماں، ابا، وہ اور وردہ۔ اماں اور باقی بہنیں تو محسوس کیے بغیر کام کر لیتی تھیں لیکن صبح ان سے الگ تھی تو ایک بار جب بھابھیاں نے کہا کہ وہ ان کا بھی کھانا بنادے تو اس نے انکار کچھ ان الفاظ میں کیا تھا۔

”بنادیتی ہوں حالانکہ آپ نے کبھی ہمیں بنا کہ نہیں دیا۔“

بڑی بھابھیاں کے ماتھے پر بل آئے۔ صبح کی چونچیں بھی اکثر انہی سے لڑتیں۔ باقی بھابیوں کو وہ خود ہی کم جواب دیتی تھی۔

”رہنے دو بی بی، اتنا احسان جتا کر، کر رہی ہوں نہ کرو۔“

صبح نے کندھے اچکا دیئے۔

”کرتی تو احسان ہی ہوتا جو کہ آپ کبھی نہیں کرتیں۔“

تو آج اس کے بعد بڑی بھابھی اپنے بچوں کے لیے کچن میں کچھ بنانے آئیں۔ صبح ویسے بھی فارغ ہو چکی تھی۔ وہ چہرے سے پسینہ پونچھتی باہر آ گئی۔ اسی وقت بیل بجی۔ صبح تھکی ہوئی صوفے پر لیٹی تھی۔ گردن موڑ کر کچن کی جانب دیکھا کہ شاید بھابھی دروازہ کھولنے جائیں۔ بیل دوسری بار بجی..... اور بھابھی کے آنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

صبح دوپٹہ ٹھیک کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ یقیناً وردہ تھی اس کی چھٹی کا وقت بھی یہی تھا۔ صبح وردہ کا خیال آتے ہی تیز قدموں سے دروازے کی جانب چلنے لگی کہ اس کی تھکی ہاری بہن دھوپ میں کھڑی سر رہی ہوگی۔ انٹرنس ڈور سے مین گیٹ تک جاتے اسے غصہ آیا۔ ابا کوئی گیٹ کیپر کیوں نہیں رکھتے۔ اتنی گرمی میں بندہ گھر کے اندرونی حصے سے نکل کر صرف دروازہ کھولنے جائے۔

”کون؟“ اس نے احتیاطاً پوچھا۔

”مما دروازہ کھولیں۔“ احد کی معصوم سی آواز ابھری۔ صبح نے ایک سیکنڈ میں دروازہ وا کیا۔

”احد! میرا بچہ۔“ وہ اسے دیکھتے جھکی اور اسے گلے لگایا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ وہ کس کے ساتھ تھا۔ ”کیسا ہے میرا بچہ، کس کے ساتھ آئے ہو؟“ اس کے چہرے کو چوم کر پوچھا۔

”مما! میں بھی ہوں۔“ نور عین کی ٹحیف سی آواز آئی۔ صبح نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ ہادی نے اسے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ فوراً اٹھی اور اسے لے کر خود سے لگایا۔ ہادی کو ہمیشہ کی طرح انور کیا۔ ہادی کو غصہ آیا۔

”اندر جا کر محبت بھرے مظاہرے ہو سکتے ہیں۔ بہت گرمی ہے یہاں۔“ صبح اسے نظر انداز کیے نور عین کو اٹھائے اور احد کا ہاتھ پکڑے اندر آئی۔

”گیٹ کھولو گاڑی اندر کرنی ہے۔“

”خود کر لیں۔ نوکر نہیں لگی آپ کی۔“

ہادی نے اس سر پھری کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ وہ اس کے گھر میں مہمان تھا لیکن وہ بتا لحاظ کے سنا گئی تھی۔ پھر ہادی نے بھی گاڑی کو باہر ہی رہنے دیا اور اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔ وہ بچوں کو لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ بچوں کے شور پر بڑی بھابھی کچن سے نکل کر وہاں آئیں۔ بچوں کو دیکھا اور پھر ہادی کو۔

”تمہارا شوہر اور اس کے بچے؟“ بھابھی نے اسے دیکھا۔ ہادی کو سب نے شادی پر ہی دیکھا تھا اس لیے بھابھی نے کنفرم کیا تھا۔

”جی۔“ اس نے یک لفظی جواب دیا۔

”آئیں بیٹھیں۔“ بھابھی نے خوش اخلاقی کے ریکارڈ توڑتے ہادی کو مخاطب کیا۔ وہ سنجیدہ چہرہ لیے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

”شکریہ۔“ بھابھی نے اس قدر سنجیدگی پر پہلے اسے اور پھر صبح کو دیکھا جو بچوں میں لگی ہوئی تھی۔ صبح نورعین کے ایک ہاتھ پر لگے برنولے کو دیکھ رہی تھی۔

”یہ کیسے ہوا میرے چھوٹے بے بی کو۔“ وہ اس کے ہاتھ چوم رہی تھی۔

”کیا لیں گے آپ؟“ بھابھی نے میزبانی کرنی چاہی۔

”کچھ نہیں شکریہ آپ کا۔“

بھابھی نے پھر صبح کو دیکھا۔ صبح سب سن رہی تھی۔ پھر اسے ہوش آیا کہ یہ اپنا گھر نہیں تھا جہاں وہ کئی کئی دن ہادی سے بول چال بند رکھتی۔ وہ میکے میں تھی اور سامنے بڑی بھابھی تھیں۔ ان کے سامنے تو وہ کبھی بھی یہ ظاہر نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی اپنے شوہر سے نہیں بنتی۔

”بھابھی! دراصل ہادی کو میرے ہاتھ کی بنی چیزیں اچھی لگتی ہیں اس لیے وہ باقیوں کو انکار کر دیتے ہیں۔“ وہ مسکرائی اور پھر ہادی کی طرف متوجہ ہوئی۔

”کیا لیں گے آپ؟ دوپہر کا کھانا تو نہیں کھایا ہوگا۔“ بیٹھے لہجے میں پوچھا۔ ہادی اس ڈرامے کو سمجھا تو نہیں لیکن صبح کے ہاتھ کا کھانا کھائے تو جیسے عرصہ ہو چلا تھا۔ اور عرصے بعد یہ بیٹھا لہجہ سننے کو ملا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کی تلخی لہجوں میں اس کے ذہن سے ہٹی تھی۔ دل خوش فہم ہوا تھا۔ صبح کو اس کی پرواہ تھی۔

”کچھ بھی تمہارے ہاتھ کا بنا ہوا۔“

بھابھی نے یہ سن کر ناک سکوڑی۔ ”ہونہر جیسے دنیا کا سب سے اچھا کھانا بناتی ہو۔“ وہ سر جھٹکتی چکن میں آگئیں۔ صبح نے بھابھی کو جاتے دیکھا تو سکھ بھری سانس لی۔ ہادی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ پوچھ کر پھر

بچوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ہادی کا دل جلا۔ بس پوچھنا تھا کھانا مقصد نہیں تھا۔ پھر بیل بچی۔ صبح اٹھی۔ نورعین ابھی بھی اس کے کندھے سے لگی تھی۔

”احد! آپ یہیں بیٹھو میں دروازہ کھول کے آرہی ہوں۔“ نورعین کو اٹھائے وہ باہر چلی گئی۔ وردہ تھی۔ اس نے حیرت سے صبح اور اس کی بازوؤں میں موجود بچی کو دیکھا۔

”بھئی کون خوش نصیب ہے یہ جو صبح فاروق کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔“ وردہ نے ہنستے ہوئے بچی کو پیار کیا۔

”یہ وردہ خالہ ہیں۔ اور وردہ خالہ یہ نورعین ہے۔“ صبح نے دونوں کا تعارف کرایا۔ وردہ نے سمجھ کر سر ہلایا۔ پھر وہ دونوں باتیں کرتیں اندر جانے لگیں۔

”معجزہ ہے بھئی معجزہ۔ بھتیجیوں، بھانجیوں کے کبھی قریب نہ پھٹنے والی صبح شوہر کے بچوں کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہے۔“ وردہ شرارتی انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی۔ صبح نے گھور کر اسے دیکھا۔

”بڑی بھابھی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”بھئی بات تو سچ ہے۔“ وردہ مسکرا رہی تھی اور چلتے چلتے نورعین سے بھی باتیں کر رہی تھی۔

”مما! وردہ خالہ تو بہت اچھی ہیں۔“ نورعین کو بھی وردہ بہت پسند آئی تھی۔

”ہاؤ سویٹ۔“ وردہ نے خوش ہو کر اس کے گالوں کو چھوا۔ ”تم نے میری برائیاں کر رکھی تھیں کیا کہ بچی ملنے کے بعد کہتی آپ تو وہ نہیں بلکہ بہت اچھی ہیں۔“ وردہ نے بہن کو خشکیں لگا ہوں سے گھورا۔

”ہاں اتنی تم اچھی۔“ صبح نے چڑایا۔ ”دراصل ان کی سگی خالائیں بچوں کے ساتھ تو اچھی تھیں لیکن میرے گلے کرتی تھیں ان کے سامنے اس لیے دونوں کو ہی اپنی خالائیں نہیں پسند۔“ صبح نے بہت ہلکی آواز میں اسے بتایا تاکہ نورعین نہ سنے۔

”واہیات عورت ہو۔ جانے کتنی باتیں چھپائی ہوئی ہیں ہم سے۔“ وردہ نے اسے مکا جڑا۔

”شرم، تم سے بڑی ہوں۔“ اس نے وردہ کو غصے سے دیکھا۔ پھر آگے پیچھے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ ہادی کو دیکھ کر وردہ نے سلام کیا۔ ہادی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وردہ، احد کو دیکھ کر اس کے پاس گئی۔

”وردہ! تم فریش ہو جاؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔“ صباح بہن کو ہدایت دیتے پھر باہر چلی گئی۔ ہادی نے وردہ کو غور سے دیکھا اس کی شکل صباح سے بہت ملتی تھی۔ یقیناً بہن تھی۔ وہ کب اپنے سرال آیا تھا کہ اسے معلوم ہوتا۔ کیونکہ صباح کی بہن صباح جیسی بے مروت نہیں تھی اس لیے مسکرا کر اپنا تعارف کروایا تھا اور ایک دو باتیں بھی کر لی تھیں۔ پھر صباح نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔

”اماں، ابا کو بتایا؟“ وردہ نے اس کے قریب جا کر سرگوشی کی۔

”نہیں، ابھی فون کرتی ہوں۔“

”اسے تو بٹھاؤ۔ خود کھا لو۔“

وہ ہنسی۔ ”یہ نہیں بیٹھے گی۔ تم کھاؤ۔ میں ابا کو فون کر کے آتی ہوں۔“ پھر اس نے ابا کو فون کر کے ہادی اور بچوں کا بتایا۔

”ہم لوگ ابھی آرہے ہیں۔“ ابا سنجیدہ انداز میں کہہ کر کال کاٹ گئے۔ بڑی بھابھی بھی ٹیبل پر آگئی تھیں۔ صباح تو بچوں میں لگی ہوئی تھی۔ وردہ ہنسی ضبط کیے بہن کی محبت ملاحظہ کر رہی تھی۔ وہ خود کم کھاتی۔ دونوں کو اپنے ہاتھوں سے کھلا رہی تھی۔ اور وہ دونوں..... مجھے کہہ لینے دیں وہ دونوں ماں کے جیسے بے مروت تھے۔ ان کے لیے بھی بس وہاں ان کی ماں ہی تھی جیسے۔ بس اسی سے باتیں کیے جا رہے تھے۔ ہادی یا وردہ مخاطب کر کے کوئی بات کرتے تو جواب ملتا ورنہ انہیں پرواہ نہ تھی..... اور جب بھابھی آکر بیٹھیں تو صباح ایک دم سے ہادی کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی پلیٹ میں سالن ختم ہونے والا تھا۔ صباح نے ڈونگے سے بھر کر اس کی پلیٹ میں ایک چمچ ڈالا اور ایک مسکراہٹ اچھالی۔ ہادی نے اسے دیکھ کر دایاں ابرو اٹھایا۔

”کیا واقعی؟“ لیکن وہ صباح ہی کیا جو شرمندہ ہو۔ وہ اس کی نظروں کو سمجھ کر بھی مسکراتی رہی۔ ابھی وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ اماں ابا آگئے تھے۔ وہ دونوں سنجیدہ سے ہادی سے ملے۔ ہادی نے بھی چہرے پر مسکراہٹ لانے کی زحمت نہیں کی۔ پھر ابا کے اشارے پر وہ سب وہاں سے گم ہوئے۔ اس کا مطلب تھا کہ ابا کو ہادی سے اکیلے میں بات کرنی تھی۔ صباح پہلے تو کھڑی رہی پھر اماں کے آنکھیں دکھانے پر بچوں کو لیے کھسک آئی۔

”کمال ہے منانے مجھے آیا ہے اور خلوت اماں، ابا کو چاہیے۔“

وردہ کے منہ سے قہقہہ نکلا۔ ”تم اتنی خبیث کیوں ہو؟“

صبح نے ناک سکوڑی۔ پھر ابا، اماں داماد کو لیے ڈرائنگ روم میں گئے۔ صبح چپ کر کے دیکھتی رہی۔ پھر سر جھٹک کر بچوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ وردہ کی کوششوں پر اب بچے اس کے ساتھ بھی باتیں کر رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد گھر کے بچے بھی نیند سے اٹھ کر آ گئے تھے۔ دونوں بھابھیاں بھی اپنے کمروں سے باہر آ گئی تھیں۔ گھر کی رونق بحال ہو چکی تھی۔ صبح سب سے بچوں کا تعارف کر رہی تھی اور بچے ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہو رہے تھے لیکن احد اور نور عین پھر بھی ماں کے پہلو سے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ صبح کا چہرہ کھل گیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔ بھابھیاں غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اور بڑی بھابھی ہر بار اس کے پہلو میں بیٹھے بچوں کو بے یقینی سے دیکھتیں۔ کیا واقعی صبح نے بچوں کو اپنے ساتھ بٹھایا ہوا تھا بلکہ ان سے باتیں کر رہی تھی اور انہیں چوم رہی تھی۔

”بھابھی آپ تو کہتی تھیں کہ یہ بچوں کے قریب بھی نہیں پہنچکتی اور یہاں تو لاڈ ہی ختم نہیں ہو رہے۔“ سبرین نے سرگوشی میں بڑی بھابھی سے پوچھا۔

”میں تو خود حیران ہو رہی ہوں..... اور شوہر سے روٹھ کر میکے آئی تھی اور اب اتنا اس سے ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔“

”ہو سکتا ہے اسے شوہر کی قدر آگئی ہو کہ اس کے منانے سے پہلے ہی مان گئی۔“ دوسری بھابھی نے ناک سے مکھی اڑائی۔

”کہاں وہ بھی اسے دیکھ دیکھ نہال ہوا جا رہا تھا۔“ (حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔) ”میں نے کھانے کو پوچھا تو شکریہ کر کے انکار کر دیا اور بیوی نے پوچھا تو کہتا عرصہ ہوا تمہارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا۔“

”لو پھر روٹھنے کا ڈرامہ کیوں کیا اتنی ہی محبت تھی تو.....“ بھابھیاں اپنے اندازوں میں لگی ہوئی تھیں۔ صبح نظر بچا کر ڈرائنگ روم کے دروازے کو دیکھ لیتی۔ میٹنگ تو بہت لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اتنی لمبی رہی کہ اس کے تینوں بھائی بھی گھر آ گئے تھے۔ صبح کے ساتھ بیٹھے بچوں کو بس دیکھا تھا انہوں نے۔ بات کرنے کی زحمت کسی نے نہیں کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ ہادی اور اماں، ابا باتیں کر رہے ہیں۔ پھر وہ لوگ فریش ہونے چلے گئے

تھے۔ ان کے آنے سے پہلے اماں اسے بلانے آئیں کہ ابا بلارہے تھے۔ صبح بچوں کو وردہ کے حوالے کرتی اندر آگئی۔

”دروازہ بند کر دو۔“ اس کے اندر جاتے ہی ابا نے اسے مخاطب کیا۔ صبح نے مڑ کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کے ابا کو احساس تھا کہ یہ ان کی بیٹی کا ذاتی مسئلہ تھا جسے پورے خاندان کے بیچ بیٹھ کر حل کرنا مناسب نہیں تھا۔ ابا نے اس کی ذاتی زندگی کو ذاتی ہی رہنے دیا تھا۔

صبح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ابا کے سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی۔ اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ بند کمرے میں کیا باتیں ہوئی تھیں لیکن ماحول کا تناؤ وہ محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے ہولے سے گردن موڑ کر ہادی کو دیکھا۔ جس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ چھپتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ صبح نے گردن واپس موڑ لی۔

”کیسا انسان ہے؟ اپنی غلطیوں کے باوجود بھی اکڑ نہیں جاتی اس کی۔“ صبح کو اس پر غصہ آیا۔ اماں، ابا نے خاموشی سے یہ سب دیکھا۔

”صبح بیٹا۔“ ابا نے اسے مخاطب کیا۔ صبح فوراً ابا کی طرف متوجہ ہوئی۔

”جی ابا۔“

”ہادی آپ کو لینے آیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ جانا چاہتی ہیں کہ نہیں؟“ ابا نے بغیر کسی تمہید کے مدعا بیان کیا تھا۔ وہ خاموشی سے ابا کو دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

”پہلے میں نہیں جانتا تھا کہ جس شخص سے آپ کو بیاہ رہا ہوں کیسا ہے۔ میری غلطی ہے کہ میں نے چھان بین نہیں کی۔ لیکن اب آپ اس کے گھر میں زندگی گزار آئی ہیں اس گھر کی زندگی کو جانتی ہیں۔ کیا آپ کو اس گھر میں جانا ہے؟“ ابا نے بہت واضح کر کے پوچھا۔

”نہیں ابا، مجھے اس گھر میں واپس نہیں جانا۔“ صبح نے گردن اٹھا کر پورے اعتماد سے ابا کو دیکھا۔ ”جو اس گھر میں گزار آئی ہوں مزید نہیں گزارنی۔“ دونوں باپ بیٹی واضح الفاظ میں اپنے نقطہ نظر بیان کر رہے تھے۔ ہادی صبح کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس سے لگائی ہر امید ٹوٹی تھی اور اماں نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا۔ انہیں بیٹی

کے ساتھ ہوئے ظلم کا احساس تھا اور دکھ بھی لیکن جس طرح بیٹی نے کہہ دیا تھا کہ واپس نہیں جانا اور باپ نے بھی اسی کی مانگی تھی تو کیا ان کی بیٹی کا گھرا جڑنے کو تھا۔

اماں نے صبح کو آنکھوں سے اشارے کیے ایسا نہ کرو۔ وہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کو نہیں جانتی تھی۔ ابا نے کہا تھا کہ اگر صبح نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو وہ اس رشتے کو ختم کر دیں گے۔ ان کے لیے بیٹی اہم تھی دنیا اور دنیا داری نہیں..... اور ہادی..... اسے امید تھی کہ اس کی وہاں موجودگی صبح کو پگھلا دے گی۔ وہ روٹھی ہوئی ہوگی وہ اسے منالے گا۔ لیکن اس کے ساتھ آنے سے انکار نہیں کرے گی۔ کیا وہ سب کے سامنے اپنے شوہر کو شرمندہ کر سکتی تھی جواب تک اس کے ہر عیب کو چھپاتی آئی تھی لیکن وہ صبح تھی غیر متوقع۔ اس نے واضح الفاظ میں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ہادی افسوس اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک چھوٹی سی بات کو اتنا بڑھا دیا گیا تھا۔

”صبح! مجھے اپنا آخری فیصلہ سناؤ۔“ اب کہ ہادی بول اٹھا۔ صبح نے اپنا رخ اس کی طرف پھیرا۔

”یہی ہے میرا آخری فیصلہ۔ مجھے آپ کے ساتھ مزید نہیں رہنا۔“ وہ بے لچک انداز میں بولی۔

”تم ایک چھوٹی سی بات کو اتنا بڑھا رہی ہو۔“

”ہاں دیکھ لیں میں کتنا بری ہوں۔“ صبح نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ اماں نے شوہر کو اشارہ کیا کہ باہر چلیں۔ انہیں اکیلے میں بات کر لینے دیں۔ پہلے تو ابا نے دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیا۔ آخر اماں نے اٹھ کر ان کا بازو پکڑ کر انہیں گھورا۔ ابا نے جواباً اماں کو گھورا۔ لیکن جیت اماں کی ہوئی وہ دونوں باہر آ گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

”چھوٹے بچے ہیں کیا کہ ہر بات سمجھانی پڑے۔ میاں بیوی ہیں اکیلے بات کرنے دیں انہیں۔“ اماں نے شوہر کو غصہ دکھایا۔

”میری بیٹی جب اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو بس بات ختم۔“

”ہاں ایسے ہی بات ختم۔“ اماں نے چڑایا۔ ”کیا کوئی بچہ معصوم ہوگا جیسی معصومیت کا مظاہرہ آپ کر رہے

ہیں۔“

اماں کو اب اس وقت ایک آنکھ نہیں بھار ہے تھے۔“ دونوں ہی باپ بیٹی ایک جیسے ہیں۔ کوئی زمانے سے انوکھا ظلم نہیں ہوا آپ کی بیٹی پر۔ میری بھی بیٹی ہے لیکن میں یہ چاہتی ہوں اس کا گھر بسا رہے۔“

”ایسے شخص کے ساتھ جو اسے بیوی ہی تسلیم نہیں کرتا۔“ اماں کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

”کیوں نہیں کرتا۔ بیوی تسلیم نہ کرتا تو اسے منانے آتا اور آپ کے ہاتھوں ایسی بے عزتی کرواتا۔ وہ ہماری بیٹی سے بات محبت کرتا ہے ورنہ اتنی بے عزتی کے بعد وہ اب تک وہیں بیٹھے جان دے چکا ہوتا۔ جب سے آیا ہے بھگو بھگو کر اسے مارتے رہے۔“ اماں بھی اب اپنا سارا غصہ نکال رہی تھیں۔ بیٹی کی صلح کرواتے وہ دونوں آپس میں لگ گئے تھے۔

”وہ قابل تھا اس بے عزتی کے لئے۔ میری بیٹی کے ساتھ ایسے سلوک روار کھے اس نے لاوارث سمجھ رکھا تھا اسے۔“

”دامادوں کے ساتھ ایسے رویے نہیں رکھے جاتے۔“ اماں زچ ہوئیں۔ وہ پرانے خیالات کی عورت تھیں کہ داماد جیسا بھی ہو اس کی عزت کرو۔ اور پھر بیٹیوں کو ہر صورت گھر بسانا ہے لیکن صبح اور ابابھی اس گھر میں ہر روایات کو توڑا کرتے تھے۔

”میں نے نہیں کہا تھا کہ تم گھر چھوڑ کر جاؤ۔ تم اپنی مرضی سے اس گھر کو چھوڑ کر آئی تھی۔“ ہادی جو منانے آیا تھا۔ وہ دراصل اس طرح سے بات کر رہا تھا۔

”یعنی میری غلطی ہے ساری۔ آپ جو محبوبہ کے گھر والوں کے لیے اتنے پوزیو ہو گئے کہ بیوی تک کو سنا دیں۔ پھر میرے وہاں رہنے کا کیا جواز رہ جاتا تھا۔“

”تم نے اپنی شادی کا جوڑا کیوں جلایا تھا؟“ ہادی نے بات کا رخ پھیرا۔

”پوچھنا یہ چاہتے ہوں گے کہ میری محبوبہ کی تصویریں کیوں جلائیں۔“ صبح نے اسے دیکھتے طنز کیا۔

”بالکل میں یہی پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ میری محبوبہ کی تصویریں کیوں جلا کر آئی تھیں۔“ وہ بھی جواباً اسی لہجے میں بولا۔

”شکر کریں آپ وہاں نہیں تھے۔ ورنہ آپ کو بھی اسی آگ میں جھونک کر آتی۔“ وہ اس کے جواب پر

تلملائی۔ وہ اسے منانے آیا تھا لیکن باز پرس محبوبہ کی بابت کر رہا تھا۔ صبح تو سرتاپا جل اٹھی تھی۔

”مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی صبح!“ ہادی کے لہجے میں افسوس در آیا۔

”توقع مجھے بھی نہیں تھی کہ دشمنوں کی وجہ سے مجھ سے باز پرس کریں گے اور اس پر آپ کو افسوس بھی نہیں ہوگا۔ خیر جو ہونا تھا ہو گیا لیکن اب نہیں ہوگا۔“

”صبح میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ جو ہونا تھا ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ میں نئی زندگی کی شروعات چاہتا ہوں۔“

”بھولنا مجھے نہیں آپ کو ہوگا۔ محبوبہ نہیں رہی اور اس وقت اس مری ہوئی عورت سے جڑے رشتے عزیز رکھنے ہیں کہ جیتی جاگتی ہیوی.....“

”صبح! میں تمہیں صرف غلط بات پر ٹوک رہا تھا۔ وہ جب گھر مہمان بن کر آئی تھیں تو تمہیں ان کی عزت کرنی چاہیے تھی۔“

صبح اس کی بات سن کر تلخی سے مسکرائی۔

”وہ عزت کے قابل ہوتیں تو ضرور کرتی اور مہمان؟ وہ خود کو مالک اور مجھے ملازمہ سمجھ کر اس گھر میں آتی تھیں۔ پھر ایسے لوگوں کی غلط فہمی دور کرنا ضروری تھی۔ میں نے وہی کیا اور ایسے لوگوں کے لیے آپ نے ٹوکا نہیں تھا مجھے بلکہ میری اوقات یاد دلائی تھی کہ وہ گھر اور وہ بچے میرے نہیں ہیں۔ تو جب میرے نہیں ہیں تو میں ان کے لیے کیوں قربانی دوں۔ یہی کہا تھا نہ آپ نے کہ وہ بچے میرے نہیں ہیں۔ میں نے بھی اب مان لیا ہے کہ وہ میرے بچے نہیں ہیں، وہ آپ کی اور شہرین کی اولاد ہے۔ آپ یقیناً میرے بارے میں زیادہ نہیں جانتے ورنہ معلوم ہوتا کہ میں پرانی چیزوں اور رشتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ میں بارہ سال کی تھی جب ایک بار میرا بڑا بھتیجا میرے ہاتھوں سے گرا تھا تب میری بھابھی نے مجھ پر بہت غصہ کیا تھا اور کہا تھا کہ میں ان کی اولاد سے دور رہوں۔ وہ دن اور آج کا دن میں ان کی اولاد کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتی۔ پھر میں نے سب بچوں سے لگا ہی پھیر لیں کہ کہیں مجھ سے انہیں کوئی نقصان پہنچا تو ان کی مائیں مجھے سنا نہ دیں۔ میں نے بھانجوں، بھتیجیوں سب کو اٹھانا چھوڑ دیا۔ وہ میرے لیے ممنوع ہو گئے تھے اور آپ کے بچوں سے پتہ ہے کیوں اتنا اُلجھ ہوئی تھی؟“

ہادی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بولتے ہوئے اس کے لہجے میں نمی آنے لگی تھی۔

”کیوں کہ وہ اس بھری دنیا میں اتنے رشتوں کے باوجود بھی اکیلے تھے۔ ہر رشتے کے باوجود وہ سب سے محروم تھے مجھے ان پر ترس آتا تھا۔ میں نے ہمدردی میں انہیں پالنا شروع کیا تھا۔ مجھے خود بھی نہیں یاد کہ کب میرے دل میں ان کے لیے یہ احساس ابھرا کہ وہ میری اپنی اولاد ہیں۔ میں تو ان کے لیے سب بھول گئی تھی اپنا آپ بھی..... کہ شوہر کے گھر میں رہتے شوہر میسر نہیں تھا مگر میں پھر بھی اس گھر کو نہیں چھوڑ پاتی تھی کیونکہ میں سوچتی تھی کہ میں چلی گئی تو میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ ہاں میں ایسے ہی سوچتی تھی میرے بچے میری اولاد..... اور اولاد کے لیے ہر غم سہہ لیا جاتا ہے۔ شوہر کی بے رخی بھی، لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ پھر آپ کو یاد دلایا جاتا ہے آپ اپنی زندگی بھی لگا دیں پر اے بچے اپنے نہیں ہو سکتے ان کے لیے دن رات تیا گئے کے باوجود بھی آپ کا ایسا حق قائم نہیں ہو سکتا کہ آپ ان کے لیے فیصلے کریں کہ وہ کس سے ملیں اور کس سے نہیں۔ پھر آپ کو یاد دلایا جاتا ہے کہ آپ سے زیادہ ان پر ان کے خونی رشتوں کا، ان خونی رشتوں کا جنہوں نے کبھی ایک بار بھی انہیں مڑ کر نہیں دیکھا تھا، ان کا حق آپ سے زیادہ ہے۔ تو ٹھیک ہے پھر میں نے بھی مان لیا ہے کہ بچوں پر انہی کا حق ہے کہ خون کا رشتہ جو ہے۔ اس ناطے میرا ان سے ہر رشتہ ختم ہوتا ہے۔ تو مجھے بتایا جائے کہ جن سے کوئی رشتہ ناطہ نہ ہو ان کے لیے اپنی ساری زندگی کیوں قربان کی جائے؟ آپ کی محبت تو ابھی ایک طرف۔ وہ تو میرے حصے میں کبھی آئی ہی نہیں۔ جو حصے میں آئی تو وہ ایسی تھی کہ کسی اور کی وجہ سے میرا دل دکھانے سے باز نہ آئی۔ اب مجھے صرف یہی بتایا جائے کہ میرا اس گھر میں جانے کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟“

ہادی درمیانی فاصلے کو ختم کر کے اس کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ تھاما۔ صبح نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور دو قدم پیچھے ہوئی۔

”صبح! میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ ان باتوں سے تمہارا اتنا دل دکھے گا۔ اب میں ان باتوں پر جتنے بھی جواز پیش کروں بیکار ہے۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ میں مانتا ہوں مجھے تم سے پہلے محبت نہیں تھی لیکن اب کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کون سا ثبوت دوں تو تم میری محبت کو مانو گی۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب زندگی پہلے جیسی نہیں ہوگی۔“

صبح نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ہادی اب سب ختم..... اور جب میں نے ختم کر دیا تو پھر مڑ کر نہیں دیکھتی۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر بچے ان حالوں کو نہ پہنچتے تو آپ کبھی بھی مجھے لینے نہ آتے۔ آپ کے بچے ہی آپ کی مجبوری ہیں۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں محبت کے بغیر تو آپ کے ساتھ رشتہ جوڑ نہیں سکتی اس لیے آپ مجھ سے محبت کا جھوٹ بول رہے ہیں۔ لیکن یہ جھوٹ اب بے معنی ہے۔ میں اس گھر میں واپس نہیں جاؤں گی۔“

ہادی افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ ”صبح! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور جہاں تک رہی بچوں کی بات مجھے ان کے لیے بھی تمہاری ضرورت ہے۔ لیکن اپنے لیے بھی تمہاری ضرورت ہے اور وہ صرف میرے بچے نہیں ہیں ہمارے بچے ہیں۔“

”اس بات کے لیے اب بہت دیر ہو گئی ہے ہادی۔“

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو کیا ہم دونوں کی محبت بھی کافی نہیں ہے؟“

صبح یہ سن کر تلخی سے سر جھٹک کر ہونہہ کیا۔

”کیا اب تم اس بات سے بھی مکر جاؤ گی کہ مجھ سے محبت ہے؟“

”میں کیوں مکروں گی۔“ وہ ایک دوسرے کے بہت قریب کھڑے تھے۔ صبح نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ ”ہاں میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ آپ میرے شوہر ہیں آپ سے محبت نہیں ہوگی تو اور کس سے ہوگی؟ لیکن آپ سے محبت اس لیے ہے کہ آپ میرے شوہر ہیں۔ یعنی میرا شوہر کوئی بھی ہوتا ہر عام لڑکی کی طرح مجھے بھی اس سے محبت ہو جاتی۔ تو مجھے آپ سے نہیں۔ اپنے شوہر سے محبت ہے۔“ وہ گردن اکڑائے بولی۔

”اور خوش قسمتی سے تمہارا شوہر میں ہی ہوں اس لیے تمہیں مجھ سے محبت ہے۔“ ہادی کو اس بات نے آگ لگا دی تھی یعنی وہ کسی بھی ایکس وائے زیڈ سے محبت کر لیتی اگر وہ شوہر کے عہدے پر ہوتا۔ ہادی کی ذات تو کہیں تھی ہی نہیں۔

”جی میری بد قسمتی کہ آپ میرے شوہر ہیں۔“ صبح زور دے کر بولی۔

”یعنی تمہارے لیے میری ذات بے معنی ہے؟“ ہادی بول اٹھا۔

”آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کو ایسی بیوی ملتی جو اپنے شوہر کی اچھائی برائی سمیت اسے چاہنے کی بجائے دوسرے مرد کی خوبیوں پر مرثی؟ معاف کیجیے گا دنیا میں ہر لڑکی آپ کی محبوبہ کی طرح نہیں ہوتی۔ اچھا لڑکا دیکھ کر اس سے محبت کر لے کچھ لڑکیاں اپنے دلوں کو شوہر کے لیے بچا کر رکھتی ہیں کہ یہ جگہ انہی کو دیں گی۔ اور شوہر کے اچھے برا ہونے کے باوجود بھی انہی سے محبت کریں گی۔ ویسے لڑکیوں کی ایسی قسم اچھی نہیں ہوتی۔ یعنی کیلکولیٹڈ ہوتی ہیں کہ بس شوہر سے محبت کریں گی۔ ہاؤ بورنگ..... اب اٹھارویں صدی سے نکل آنا چاہیے کہ جہاں میرا پتی میرا دیوتا ہوا کرتا تھا۔ نہیں؟“

آہ صبح کی زبان..... ہادی جو اسے منانے کے لیے نئی دلیلیں سوچ رہا تھا۔ اس کی باتوں پر افسوس اور حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نفی میں سر ہل رہا تھا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس حد تک جاؤ گی۔“

”جانا تو میں بھی نہیں چاہتی تھی اس حد تک لیکن آپ نے مجبور کیا ہے مجھے۔ آپ کے لیے میری اپنے شوہر سے محبت برائی ہے تو میں نے بھی بس یہی بتایا کہ میرے نزدیک یہ برائی نہیں ہے۔“

”صبح! تمہیں پتہ ہے تم بولتے ہوئے حد پار کر جاتی ہو۔ اب میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا۔ میری طرف سے جہاں بھی رہو۔“

صبح نے لب بھینچ لیے۔ ”یہیں ثابت ہو گیا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ اس کی ایک بات نہیں سن پائے..... اور میری کہی باتیں آپ سے برداشت نہیں ہوتیں۔“

”صبح! وہ مرچکی ہے اس کا پیچھا چھوڑ دو۔“ وہ جیسے زچ ہوا تھا تھا۔

”پیچھا تو اس نے میرا نہیں چھوڑا۔ مضرور گئی ہے لیکن گھر بھی اس کا، شوہر بھی اس کا، بچے بھی اس کے..... اور اس کے جو رشتے دار آئیں تو وہ بھی اسی کی طرح ہر شے کے مالک حق دار۔ مجھے بتائیں میرا کیا ہے؟ میری زندگی کیوں خراب کی تھی آپ نے۔ ہر لڑکی کی طرح میرے بھی تو خواب تھے ایک گھر کے جہاں کی ہر شے میری ہوتی۔ جہاں بلا شرکت غیرے میں ہی مالک ہوتی.....“ وہ بولتے بولتے چپ کر گئی اور پلکیں جھپک کر آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا۔

”آپ جاسکتے ہیں۔ آپ کو بھی مجھ سے رشتہ نہیں رکھنا اور مجھے بھی۔ بہتر یہی ہوگا کہ اس کہانی کو اب یہیں ختم کر دیا جائے۔“ خود پر قابو رکھ کر وہ دو ٹوک بولی۔ ہادی نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ اور کچھ کہنے کو لب وا کیے لیکن پھر لب بھینچ لیے۔ دونوں ہی بلا کے انا پرست تھے۔ اور بحیثیت مرد ہادی کی انا تو اور ہی زیادہ بلند تھی۔ وہ بھی تب کہ جب شادی کے تین سالوں کی کوتاہیوں پر بیوی نے کبھی کچھ نہیں کہا تھا اور اب اس کا انا دکھانا ہادی کے لیے دھچکا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ جب وہ ہاتھ بڑھائے تو وہ اسے تھامے اب تک سب معاف کرتی آئی تھی تو اب بھی اسے کرنا چاہیے تھا لیکن صبح نے ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ ہادی سے رخ پھیرے کھڑی تھی۔ ہادی چند لمحے اسے دیکھتا رہا لیکن جب صبح رخ پھیرے ہی رہی تو پھر ہنا کچھ کہے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ صبح نے دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی آئی۔ یہ اس کا شوہر تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اسے مناسکتا تھا۔ انا تو اس کا بھی حق تھا کہ وہ اس سے روٹھتی لیکن دونوں ہی انا پرست تھے۔ اب جب صبح انکار کر چکی تھی تو اس نے بھی آگے بڑھ کر نہیں روکا تھا۔

سامنے وردہ اور بچے کھیل رہے تھے۔

”مما سے تول لیے چلیں اب گھر چلیں۔“ اس نے بچوں کے نزدیک جا کر کہا۔ پیچھے سے صبح بھی آگئی تھی۔ وردہ نے اسے دیکھ کر اشاروں میں پوچھا۔ چل کیا رہا تھا۔ صبح نے نفی میں سر ہلایا۔ کچھ نہیں۔

”ابھی تو آئے ہیں بابا۔“ احد جانے کا سن کر سر اسیمہ سا ہو گیا۔

”میں ممّا کے پاس رہوں گی۔“ نور عین نے رونی صورت کے ساتھ باپ کو دیکھا۔ صبح وہیں کھڑی سب سن رہی تھی۔ احد اسے دیکھ کر بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

”مما! آپ بھی چلیں۔ آپ گھر کیوں نہیں چل رہیں۔ میں بھی نہیں جا رہا پھر۔ بابا! جب ممّا آئیں گی میں بھی ان کے ساتھ آؤں گا۔“ احد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باپ کو مخاطب کیا۔ ہادی نے نیچے کھڑی نور عین کو اٹھالیا۔

”چلو احد! گھر چلیں۔“ اور مڑ کر اپنا ہاتھ احد کی طرف بڑھایا۔ وہ صبح کو چپکا۔

”نہیں۔ ممّا۔“

صبح نے دل کو مضبوط کیا۔ ”احد! بابا کے ساتھ جاؤ۔“ وہ اس کی ٹانگوں کے ساتھ لیٹ گیا۔ صبح کا دل

بھرنے لگا۔ وردہ ہکا بکا یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ صبح نے جھک کر احد کو اٹھایا اور اسے گلے لگا کر چوما اور اسے لیے ہادی کے قریب آئی۔ احد رونے لگ گیا۔ اسے روتے دیکھ کر نور عین بھی رونے لگ گئی۔ صبح کی توجان پر بن آئی تھی۔ ہادی بھی انہیں چپ کر رہا تھا اور صبح بھی۔ وہ دونوں بنا کچھ سنے رونے میں لگے ہوئے تھے۔ بچوں کے رونے کی آواز سن کر سب وہاں جمع ہو گئے تھے۔ صبح نے سب کو آتے دیکھ کر رخ پھیر لیا تھا۔ عجیب تماشا سا لگ گیا تھا۔ پھر ہادی نے ان کے رونے کے باوجود بھی قدم باہر کو بڑھائے۔ صبح نے بھی اس کی تقلید کی۔

”مما۔“

”مجھے ممما کے پاس جانا ہے۔“ نور عین اور احد اونچی آواز میں روتے ہوئے بول رہے تھے۔ سب دم سادھے اس سب کو دیکھ رہے تھے۔ اماں ابانے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کیا کر سکتے تھے اور جب وہ گیٹ کے قریب پہنچے تو نور عین ہادی کے بازوؤں میں جھول گئی۔

”نور عین۔“ ہادی نے ایک دم رک کر اسے دیکھا۔ صبح ڈر کر اس کے پاس گئی اور احد کو نیچے اتار دیا۔

”نور عین۔ نور عین۔ ممما کی جان۔“ صبح نے اس کے چہرے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ صبح نے اسے ہادی سے لے کر اپنی بازوؤں میں لیا۔

”نور عین۔ میری پیاری بیٹی۔ اٹھو جان۔ کیا ہوا میرے بچے کو۔“ صبح اسے ہلا جلا رہی تھی۔ نور عین کے بازو ڈھیلے ہو کر نیچے کو لٹک گئے۔ صبح کی چیخ بلند ہوئی۔ وہ اسے لیے زمین پر بیٹھ گئی۔ ہادی بھی اس کے ساتھ آ بیٹھا۔ صبح کی چیخ سن کر سب وہاں آ گئے تھے۔

”کیا ہوا۔“ اماں نے پھولی سانسوں کے ساتھ پوچھا۔ صبح نور عین کو آوازیں لگاتے اب رونے لگی تھی۔ اماں نے آگے بڑھ کر نور عین کو چپک کیا۔

”ڈاکٹر کو بلاؤ۔“ صبح اسے خود سے لگا لگا کے چوم رہی تھی اور رو رہی تھی۔ اس کے بچے تو ہمیشہ صحت مند رہے تھے ایسی نوبت تو کبھی نہیں آئی تھی۔ پھر صبح اسے گود میں لیے کھڑی ہو گئی اور اندر جانے لگی کہ ایک دم اسے احد کا خیال آیا۔

”احد کہاں ہے ہادی۔“ اس نے اتنے لوگوں کے بیچ میں سے اسے ڈھونڈا۔ ہادی نے اس کی تلاش میں

لگا ہیں دوڑائیں۔ پھر صبح کی نگاہ پڑی۔ وہ دیوار سے لگ کر بیٹھا رو رہا تھا۔ صبح کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔
 ”احد!“ اس نے آواز لگائی۔ ہادی بھاگ کر بیٹے کے پاس گیا۔ وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہل رہا تھا۔
 ”تم اسے لے کر اندر چلو۔ میں احد کو لے کر آرہی ہوں۔“ وردہ نے تسلی دی۔ صبح نے سرائکار میں ہلایا۔
 ”وہ کسی کے ساتھ نہیں آئے گا۔“ پھر خود ہی اس کے پاس گئی۔ ”آؤ میرا بچہ اندر چلو۔“ صبح کی بات سن کر
 وہ آنکھیں پونچھتا اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

ڈاکٹر کے مطابق نور عین ایک تو ابھی بیماری سے اٹھی تھی جسم میں کمزوری تھی۔ دوسرا وہ خوف سے بے ہوش
 ہو گئی تھی۔ پھر چند ہدایات کے بعد ڈاکٹر چلا گیا تھا۔ صبح بار بار جھک کر کبھی اس کا ماتھا چومتی، کبھی گال..... اور
 احد صبح کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ باقی سب تو باہر چلے گئے تھے کمرے میں۔ وردہ، اماں ابا اور ہادی رہ گئے
 تھے۔ اس کے گھر والوں کے لیے آج ناقابل یقین منظر تھا کہ صبح بچوں کے لیے یوں رو رہی تھی..... اور بچے
 بھی اس کے لیے رو رہے تھے۔

اماں تو حیرت سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ جسے اس وقت سوائے ان بچوں کے کچھ نہیں سو جھ رہا تھا۔ پھر ابا نے
 آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔ صبح نے پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور سوز سے مسکرا دی۔
 ”صبح کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا میں باہر ہوں۔“ وردہ نے کہا۔ صبح نے سر ہلایا۔ اب اماں رہ گئی
 تھیں۔

”مما۔ میری ممما۔ میری ممما۔“ نور عین کی غنودگی بھری آواز ابھری۔
 ”میں یہیں ہوں میرا بچہ۔“ صبح نے جھک اسے پیار کیا۔ اماں نے ایک نظر داماد کو دیکھا جو خاموشی سے
 بیٹی کے چہرے کو تنگے جا رہا تھا۔ بیڈ کے ایک جانب صبح اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھا احد اور دوسری جانب
 ہادی نور عین کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔

”صبح! پریشان نہ ہونے پچے ہیں کبھی ایسے ہو جاتا ہے۔ اپنی حالت دیکھو چند گھنٹوں میں کیا سے کیا ہو گئی
 ہے۔“ ظاہری بات ہے اماں کو اپنی اولاد کی گنتی تھی جو حال سے بے حال لگ رہی تھی بلکہ نیم دیوانی سی۔
 ”اماں! میرے بچے تو بہت کم بیمار ہوتے ہیں۔ ہمیشہ انکا خیال رکھتی ہوں۔ ایسے حالوں میں تو کبھی نہیں

پہنچے۔“ وہ بولتے ہوئے پھر سے رونے لگ گئی تھی۔

”صبح! بس کرو پچھ۔ اب ٹھیک ہے تمہاری بیٹی۔“ اماں نے اسے تسلی دی۔ اور پھر داماد کو دیکھا جو ویسے ہی بیٹھا تھا۔ انہیں غصہ آیا کیسا بندہ تھا روتی بیوی کو چپ نہیں کر رہا تھا۔ پھر سوچا شاید اکیلے میں ایک دوسرے کو تسلی دیں پھر وہ بنا کچھ کہے چلی گئیں۔ نور عین سے رخ موڑ کر صبح نے احد کو گود میں لیا۔ پھر اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اسے یقین دلاتی رہی کہ وہ اس کے ساتھ ہی رہے گا۔ ہادی اس دوران خاموش ہی رہا تھا۔ پھر احد بھی اس کی گود میں سو گیا تھا۔ نور عین تو ویسے بھی سو گئی تھی۔ اب دونوں بچے نیند کی وادیوں میں گم تھے۔ صبح نے احد کو گود سے نکال کر بیڈ پر لٹایا اور خود آہستگی سے بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ پھر جا کر ہاتھ منہ دھو آئی۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ آج کا تقریباً دن تو وہ وقفے وقفے سے روتی رہی تھی۔ اب رو رو کر اسے چکر آرہے تھے۔ چہرہ خشک کر کے وہ صوفے پر آ بیٹھی۔ ہادی نے اب فرصت سے اسے دیکھا۔ رویا رویا چہرہ اور ویران سی آنکھیں۔

”بچے کیسے سنبھلیں گے؟“ اسے دیکھ کر ہادی نے سوال کیا۔ صبح نے چونک کر اسے دیکھا۔

”پتہ نہیں۔ ابھی کچھ نہ پوچھیں۔ میں ایسی حالت میں نہیں ہوں کہ جواب دے سکوں۔“ اس کی آواز رونے سے بھاری ہو رہی تھی۔ ہادی نے سمجھ کر سر ہلایا اور پھر اٹھ کر اس کے قریب جا کر بیٹھا۔ وہ بیڈ پر سوئے دونوں بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہادی نے تسلی کے انداز میں اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور خود سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں پھر بہنے لگیں۔

”میں آج بہت ڈر گئی تھی۔ میں تو صحیح سلامت انہیں چھوڑ آئی تھی۔ ان حالوں کو کیسے پہنچے۔“ ہادی اس کی بات سن کر تلخی سے ہنسا۔

”صحیح سلامت اس لیے تھے کہ تم تھی ان کے ساتھ۔ تم بھی جانتی ہو تمہارے سوا اور کسی سے اٹیچڈ نہیں۔“

صبح نے سن کر سر ہلایا پھر دوبارہ ان کے بیچ خاموشی چھا گئی تھی۔

”کچھ دن تک بچوں کو میرے ساتھ رہنے دیں۔ اگر میرا اعتبار کر سکیں.....“ وہ بولتے ہوئے پیچھے کو ہو کر بیٹھی۔ ہادی نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ ان کی ماں تھی لیکن ایک بات کی وجہ سے ہر حق سے دستبردار ہو گئی تھی۔

”تمہارا ہی اعتبار ہے بس۔“

صبح نے نظریں اس کے چہرے پر ٹکائیں۔ ”مجھے کچھ وقت دیں کہ میں بچوں کو یہ سمجھا سکوں کہ میں ان کی ماں نہیں ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ سب سن کر ان کی ذہنی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ مجھے کچھ وقت دیں۔“

ہادی کو افسوس ہوا۔ وہی مرنے کی ایک ٹانگ تھی۔ ”بچوں کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ وہ تمہاری یعنی اپنی ماں کی جدائی نہ سہہ سکے۔“ ہادی نے اسے بتایا۔

”یہی تو انہیں بتانا ہے کہ میں ان کی ماں نہیں ہوں۔“ صبح کا فیصلہ بھی واضح تھا۔ پھر دوبارہ ان کے بیچ خاموشی آگئی تھی۔ وردہ نے اندر آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی تھی۔ دونوں نے منع کر دیا تھا لیکن اماں نے وردہ کے ہاتھ کھانے کی ٹرے کرے میں ہی بھجوا دی تھی۔ دونوں نے تھوڑا سا ہی کھایا تھا۔ پھر بہت دیر بعد ہادی فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹھیک ہے بچے کچھ دن تمہارے ساتھ رہ لیں میں آؤں گا پھر انہیں لے جاؤں گا۔ لیکن یہ فیصلہ تمہارا اپنا ہے کہ تم انہیں یہ بتاؤ کہ تم ان کی ماں نہیں ہو۔“

صبح نے گھڑی پر نظر ڈالی رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بیٹھی رہو۔ دروازے تک جا کر سی آف کرو گی؟“ ہادی نے طنز کا تیرا چھالا۔

”نہیں، باہر کا دروازہ بند کروں گی۔“ صبح نے سادگی سے جواب دیا۔ ہادی نے چہرہ پھیر کر منہ بگاڑا۔

”دروازہ بند کروں گی۔“

سب لوگ اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ ڈرائنگ روم میں اماں، وردہ اور بڑے بھائی تھے۔ ہادی ان سب کو دیکھ کر رکا اور مشترکہ الوداعی سلام کیا۔ بڑے بھائی اسے دیکھ کر غصے سے اٹھے اور کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا کہ اماں بھی ان کے ساتھ کھڑی ہو گئیں اور بیٹے کے بازو کو تقریباً دبوچ لیا۔ بڑے بھائی نے مڑ کر اماں کو دیکھا۔

”تمہارے ابا اسے بہت سنا چکے ہیں پلیز تم کچھ نہ کہنا۔“ اماں نے سرگوشی میں التجا کی۔ ہادی نے اس کے بھائی کے تیور دیکھے جیسے وہ لڑنا چاہتا تھا۔ پھر اماں کی سرگوشی کے بعد بس ایک دو باتیں کی تھیں۔ صبح ڈرتی رہی

یہیں پھر کوئی مسئلہ نہ ہو جائے لیکن بچت رہی۔ وہ دونوں خاموشی سے باہر آ گئے تھے۔ ہادی کی گاڑی گھر سے باہر تھی۔ صبح کو یاد آیا اس نے جوائنکار کیا تھا تو ہادی نے بھی گاڑی باہر ہی رہنے دی تھی۔ آہستہ قدموں سے چلتے انہوں نے لان عبور کیا۔ مین گیٹ پر پہنچ کر دونوں رکے۔

”اللہ حافظ۔“ صبح کے لب ہلے۔ ہادی نے بس نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا لیکن زبان ہلانے کی زحمت نہ کی۔ صبح کو غصہ آیا اور وہ لب بھیجے مڑی۔ جائے دفع ہو جائے وہ..... صبح ابھی دو قدم آگے چلی تھی کہ ہادی کی آواز نے روکا۔

”جہاں تک مجھے یاد ہے تم دروازہ بند کرنے آئی تھی اب ایسے چلی جاؤ گی؟“

صبح نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔ یہ پتہ نہیں لحوں میں غصے کا گراف کیوں اتنا بڑھ گیا تھا؟ ہاں صبح کو کیا پتہ اسے اب غصہ کیوں آیا تھا..... اور جب ایک لمبی گہری سانس لے کر اس نے آنکھیں کھولیں تو نظر اوپری منزل پر سے انہیں دیکھتی بڑی بھابھی پر پڑی۔ بھابھی فوراً کھڑکی سے پرے ہوئیں اور صبح نے بھی دوبارہ نظر اٹھا کر اوپر نہ دیکھا۔ وہ ہادی کی جانب مڑی۔ بڑی بھابھی یقیناً اس کی جاسوسی کر رہی تھیں اور پھر یہ معلومات صبح اٹھ کر وہ دیورانیوں کو دیتیں۔ اور پھر خاندان میں کہ صبح اور اس کے شوہر کی نہیں بنتی۔ بلکہ اس کا شوہر اسے منہ نہیں لگاتا۔ صبح نے لحوں میں سارے جوڑ توڑ کیے۔ ہادی اس کی خود پرکھی پر سوچ نظروں سے حیران ہوا۔

”کچھ ہوا ہے؟“

صبح مسکراتے ہوئے اس تک گئی۔ اسے پتہ تھا بڑی بھابھی اب دوبارہ کھڑکی سے چکی انہیں ہی دیکھ رہی تھیں اور پھر صبح ہادی کے بالکل قریب جارکی۔ ہادی نے ابرو اٹھا کر پوچھا کہ کیا ہوا؟ صبح نے دونوں ایڑیاں اٹھائیں اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے دائیں گال کو چھوا اور پھر پیچھے ہو کر ایڑیاں زمین سے ٹکائیں۔

”اپنا خیال رکھیے گا۔“ وہ تھوک نگلتے مسکرائی۔ وہ جانتی تھی وہ کیا کر چکی تھی۔ ہادی تو بس اس کے چہرے پر نگاہیں ٹکائے کھڑا تھا۔ پھر اس کی بات سن کر جیسے ہوش میں آیا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

”تم بھی اپنا خیال رکھنا سویٹ ہارٹ۔“ وہ ہنسا۔ پتہ نہیں کیوں؟ صبح کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ یہ اس نے نہیں سوچا تھا کہ اس کا انجام یہ ہو سکتا ہے۔ وہ تو دکھاوے کے لیے کر رہی تھی پھر وہ ناراض بھی تو تھا تو یہ..... صبح کی ٹانگیں کاٹنے لگی تھیں۔

”اف صبح کیا کر دیا تم نے۔“ اس نے خود کو کوسا اور پھر پیچھے ہونا چاہا بس بہت ہوا ملاپ۔ لیکن ہادی نے ہنستے ہوئے اسے مزید قریب کیا اور پھر ذرا سا پیچھے ہو کر اس کے اڑی رنگت والے چہرے کو دیکھا اور اس کی دائیں گال پر جھکا۔

”تم صحیح کہتی ہو بدلہ لینے میں تو بہت سکون ہے۔“ صبح کو اس کی ہنسی اپنے کان میں سنائی دی۔ ”اور ہاں بڑی بھابھی کا بھی شکریہ ادا کر دینا ان کا الوداع کرنا مجھے بہت پسند آیا۔“

صبح جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ اس کو پتہ تھا کہ بڑی بھابھی کے دیکھنے کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔ ہادی اس کے اڑے حواس کو دیکھ کر مزید ہنسا۔ پھر ہادی چلا گیا اور صبح کا پتی ٹانگوں سے دروازہ بند کرتی مڑی۔ اسے بھابھی کی جاسوسی بھول گئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر کی جانب بڑھنے لگی۔ قدم کہیں رکھتی پڑتا کہیں، اس کے حقیقتاً حواس اڑے ہوئے تھے۔ دایاں گال جل رہا تھا۔ اور پھر کیونکہ صبح بی بی کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور حواس بھی سلامت نہیں تھے تو وہ انٹرنس ڈور کی بجائے دیوار سے اندر جانے لگی تھی کہ پوری کی پوری ٹھاہ کے ساتھ دیوار میں جا لگی تھی۔ ماتھے کی ہڈی اور ناک کی ہڈی۔

”اف..... آہ.....“ اس کی صدا بلند ہوئی۔ ”اوئی اماں۔ ہائے میرا منہ۔ میری ناک۔ میرا ماتھا..... ہائے اماں..... اللہ۔“ اس ٹکراؤ نے اس کے حواس واپس کر دیے تھے۔ ”اللہ پوچھے آپ سے بڑی بھابھی۔ آج آپ کی وجہ سے دیوار میں چنی جاتی اور انارکلی بن جاتی۔ ہائے بھابھی۔“ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے وہ بولے جارہی تھی۔ ”کمینہ ہادی۔ بدتمیز، فسادی انسان۔“ پھر پانچ منٹ بعد وہ ماتھے کو سہلاتی انٹرنس ڈور سے اندر چلی گئی۔



پورے گھر میں بچوں کا شور تھا۔ صبح نے احد اور نور عین کو بھی بہنوں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں لگا دیا

تھا۔ بچوں کی آوازیں خوشی کا احساس پیدا کر رہی تھیں۔ صبح کی دونوں بہنیں آئی ہوئی تھیں۔

”اماں آپ سمجھیں وہ میری اپنی ہی اولاد ہے۔ آپ کی صبح کی اولاد۔ آپ کو بھی میری اولاد دیکھنے کا بہت شوق تھا لیں دو، دو آگئیں۔“

اس کی بہنیں نہیں۔

”جو میری اولاد کی محبت کا حصہ ہے نا آپ کے دل میں اس میں انہیں فٹ کر دیں۔“

اماں نے آنکھوں کو حرکت دے کر ماتھے پر آئے بل ختم کرنے چاہے۔

”دیکھو صبح اچھی بات ہے کہ تم ان سے محبت کرتی ہو لیکن پرانی اولاد پرانی ہی رہتی ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں تم تو ان کے لیے جان دینے پر بھی تیار ہو۔ لیکن ذرا بڑیک پر پاؤں رکھ بچہ۔ غیر کبھی اپنا نہیں ہوتا۔“

”تو آپ کہہ رہی ہیں انہیں اٹھا کر کہیں پھینک دوں؟“

”نہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھو لیکن ان کے ساتھ اتنا ملچ نہ ہو۔“

”یار اماں! وہ میرے لیے میری اپنی اولاد ہے۔ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ اور ویسے بھی وہ مجھ سے بھی اتنی محبت کرتے ہیں جتنی کہ میں..... وہ اپنے ننھیال میں اب کسی سے بات نہیں کرتے کیونکہ وہ بچوں کے سامنے میری برائیاں کرتے ہیں۔ وہ میرے لیے اتنے پوزیو ہیں کہ یہ پورا ماہ جو میں یہاں رہی احد ہادی سے ناراض رہا کیونکہ ہادی کا اور میرا جھگڑا احد نے سن لیا تھا۔ اس نے باپ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی ماں سے معافی مانگے ورنہ وہ کبھی بات نہیں کرے گا۔“

”واہ صبح کیا بچے ہیں۔ جتنے شکل سے پیارے ہیں اتنے دل سے۔ تمہاری بیٹی تو کشمیری سیب ہے یار۔ اور بیٹا سنو میں سوچ رہی کہ تم اور میں آپس میں بچوں کے رشتے کر لیں گے۔“ وردہ شرارتی انداز میں بولی۔ اماں نے گھور کر وردہ کو دیکھا۔

”ایک منٹ صبح! ہادی کا سابقہ سسرال تمہارے گھر کیوں آتا تھا۔ تم نے تو کہا تھا دشمنی تھی۔“ غناء نے پوائنٹ اٹھایا۔

”آپنی اس بات کو رہنے دیں۔ اماں ٹھیک ہے نا۔“ اس نے اماں کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔ اماں نے

آہستگی سے سر ہلایا ابھی وہ اسے کچھ کہنے لگی تھیں کہ اس کی بھابیوں نے ہال میں جھانکا۔ اماں خاموش ہو گئیں۔ پھر سب باتیں کرنے لگیں۔ صبح بچوں کو دیکھنے کے لیے اٹھنے لگی تو بڑی بھابی نے اسے روکا۔

”صبح! تم جب ہادی سے رشتہ ختم کر رہی ہو تو اس کی اولاد کو یہاں کیوں رکھا ہوا ہے؟“

”آپ سے کس نے کہا کہ میں ہادی سے اپنا تعلق ختم کر رہی ہوں۔ رات نظارہ دیکھ تو لیا تھا آپ نے پھر اب یہ جاسوسی کیوں؟“ صبح نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔ بڑی بھابی کا منہ فٹ ہوا۔ انہیں نہیں پتہ تھا کہ صبح کو ان کی جاسوسی کا علم تھا اور تھا بھی تو یہ بتانے والی بات تھی؟

”کون سا نظارہ؟“ بڑی آپنی نے آگے ہو کر پوچھا۔ سب صبح کو دیکھنے لگیں۔

”بھئی میں اپنے شوہر کو الوداع کر رہی تھی اور یہ اوپر کھڑی مسلسل جاسوسی کر رہی تھیں۔ ہادی نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ انہیں بہت برا لگا تھا کہتے تمہاری بڑی بھابی تو بہت بے شرم ہیں پرائیویسی کا مطلب بھی نہیں سمجھتیں۔ یہ تو ہادی نے آج صبح مجھے کال کر کے بتایا ورنہ میں رات ہی آپ سے پوچھ لیتی۔ وہ کہتے اسی وجہ سے میں تم سے اچھی طرح سے نہیں مل سکا کہ تمہاری بھابی بے شرموں کی طرح دیکھے جارہی تھیں۔“ صبح نے رات کی ٹکر کا اپنی طرف سے بھرپور بدلہ لیا تھا۔ لیکن اس کی بہنوں کے بلند ہوتے قہقہوں اور بھابیوں کی دبی ہنسی نے اسے احساس دلایا وہ کیا بول چکی تھی۔ اماں بیٹی کو دیکھتیں دبی ہنسی ہنستے باہر چلی گئیں۔ لڑکیوں کی آپس کی باتیں تھیں۔ باقی تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں لیکن بڑی بھابی کا منہ لال ہو چکا تھا۔

”بی بی اور ملاپ کے لیے رہ کیا گیا تھا؟“ پھر سب کے قہقہے تھے۔ صبح بوکھلائی ہوئی سی باہر آگئی تھی۔

”اف اللہ، کچھ زیادہ بول گئی تھی کیا؟؟ اف ہادی آپ نے مجھے ذلیل کر دیا سب ہنس رہی ہیں۔ اور یہ بڑی بھابی.....“ وہ جلتے بجھتے بچوں کے پاس جانے لگی۔



صبح، نورعین کو کچن میں بٹھا کے کمرے سے اپنا موبائل لینے آئی تھی۔ جب واپس گئی تو بڑی بھابی نورعین کا بازو پکڑے اسے جھنجھوڑ کر سنائے جارہی تھیں۔ نورعین خوف سے ان کے چہرے کو تنگے جارہی تھی۔ صبح لپک کر ان کے پاس گئی اور جھٹکے سے ان کی گرفت سے اسے کوچھڑایا۔

”کیا کر رہی ہیں آپ؟ بچوں سے کوئی اس طرح بات کرتا ہے؟“
 ”بی بی ان آفتوں کو جو ہمارے سر پر لا دیا ہے تو انہیں تمیز بھی سکھا دیتی۔“
 ”کیا کر دیا ہے اس نے؟“

”اس نے میرے واسع کو دھکا دیا تو وہ گر گیا۔ پہلے تم نے اسے گرایا اب یہ تمہارے سوتیلے بچے بھی۔“
 ”بھابھی.....“ وہ ضبط کھو کر چیخ اٹھی۔ ”کس قسم کی عورت ہیں آپ؟ کبھی تو سوچ سمجھ لیا کریں۔ بچے ہیں آپس میں کھیلتے ہیں تو کھیل میں چوٹ لگ جاتی ہے۔ لیکن نہیں آپ کو ہر بات میں دشمنی تلاش کرنی ہے۔ اور کیا کہا آپ کے سر لا دیا ہے؟ یہ صرف میرے باپ کا گھر نہیں ہے میرا اپنا بھی ہے، شاید آپ کو یاد نہیں رہا۔“ پھر نورعین کو لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ احد بھی وہیں تھا۔ صبح خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ احد اور نورعین کے سامنے تو مسکرانے کی کوشش کرتی رہی لیکن نورعین نے بھائی کے کان میں گھس کر اسے پوری رپورٹ دی تھی اور پھر وہ واقعی صبح کے بچے تھے یہ انہوں نے رات کے ڈنر میں ثابت کر دیا تھا۔
 جب سب ٹیبل پر اکٹھے ہو گئے تو احد نے نانا کو مخاطب کیا۔

”نانا جی! ہم لوگ گھر کب جائیں گے؟ آپ ہماری نکلتس کروادیں گے؟“ اس کی منہی آواز نے قریب بیٹھے لوگوں کو ہی متوجہ کیا تھا۔

”کیوں بیٹا گھر کیوں جانا ہے؟“ صبح نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔ اس سے کیوں نہیں کہا تھا کہ گھر جانا ہے؟

”بیٹا! کیوں جانا ہے آپ کو یہاں مزا نہیں آرہا؟“ اس کے ابا نے اس کے بچوں کو بنا کچھ کہے اس کی اولاد مانا تھا۔ اب بھی وہ شفقت سے احد کو دیکھ کر مسکرائے۔

”نانا جی اپنے گھر میں زیادہ مزا آتا ہے۔ یہاں تو کھیلنے پر سب ڈانٹتے لگ جاتے ہیں۔“
 صبح نے احد کو آنکھیں دکھانی چاہیں لیکن اس نے اپنا رخ نانا کی طرف کیے رکھا۔
 ”سب کون؟“ ابا سمیت اماں اور وردہ بھی چوٹے۔

”واسع کی ممانے آج نورعین کو مارا اور ڈانٹا۔ پھر ماما کی انسلٹ بھی کی۔“

”فسادی ماں کی فسادى اولاد۔“ بڑى بھابھى شاكدسى بڑى ائىں۔ سب كى گردنىں بڑى بھابھى كى طرف مڑىں۔ پھر جو ابا، اماں اور بڑے بھائى بڑى بھابھى كى كرتے رہے صبح تو افسوس سے سر جھكائے رھى۔ لىكن احد اور نور عىن اب مزے سے اپنى پلىٹ سے كھانا كھاتے رہے۔

ھونے كو جو ھونا تھا ھو گيا تھا لىكن اس سارى رات صبح نھىں سوئى تھى۔ يہ كيا ھورھا تھا؟ اس كے چھوٹے بچے اسے بچانے كے ليے گھريلو سياست ميں گھسٹ رہے تھے۔ يہ اچھا نھىں تھا۔ اگر وہ يہاں ركھتى انھىں تو اس كى بہت كوششوں كے باوجود بھى يہ ھو كر رہنا تھا۔ بڑى بھابھى صرف اس سے نھىں ان بچوں سے بھى دشمنى پال بيٹھى تھىں اور وہ جب جب كچھ كرتىں بچوں نے لازمى اس كے ليے كچھ كرنا تھا۔ وہ سارى رات سوچ بچار كرتى رھى تانے بانے بنتى رھى۔ پھر اگلے دن ابا كے پاس جا بچى۔

”ابا! مجھے اپنے گھر واپس جانا ہے۔“

ابا نے عينك كو نيچے كر كے اسے ديكھا۔ اماں جو المارى سے كچھ نكال رھى تھىں مڑ كر بيٹى كى پشت كو ديكھا۔ وہ بيڈ پر ابا كے سامنے سر جھكائے بيٹھى تھى۔ اماں نے ہاتھ ميں پكڑے سوٹ كو دوبارہ المارى ميں ركھا اور پھر ابا كے ساتھ آبيٹھىں۔

”تم نہ كہا تھا كہ اس سے رشتہ ختم؟“ ابا تھے تو كيسے ايك جملے ميں مان جاتے۔

”جى ابا تب غصے ميں تھى۔ پھر بچوں كا تو آپ كو پتہ ہے ميرے بغير نھىں رہ سكتے۔ يہاں اپنے ساتھ ركھتى انھىں لىكن بڑى بھابھى كا پتہ ہے آپ كو، ميں نھىں چاہتى كہ ميرے بچے كسى بھى قسم كى گھريلو سياست ميں رگڑے جائىں۔“

”تو پرائے بچوں كے ليے تم اس جہنم ميں جانا چاہتى ھو؟“ اماں نے خنكھے لہجے ميں پوچھا۔ يہ وہ اماں تھىں جو يہ چاہتى تھىں كہ صبح ھنى خوشى اپنے گھر چلى جائے لىكن وہ تو اپنے ليے نھىں ان بچوں كے ليے جانا چاہتى تھى۔

”اماں پرائے نھىں ھيں۔ ميرے اپنے بچے ھيں۔ اور جہنم نھىں ہے وہ۔ ٹھيك ہے بہت مسئلے رہے ھيں لىكن بڑى بھابھى جيسى ہستى نھىں ہے وہاں۔“

”اگر اپنى بھابھى كى وجہ سے جانا چاہتى ھو تو ميں گھر ميں ديوار ڈلواديتا ھوں۔ تمھيں اب كسى بھى چيز كے ليے

خود کو تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اماں نے صدمے سے مڑ کر شوہر کو دیکھا۔ دیوار؟

”نہیں ابا، پلیرز میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کبھی اس گھر کا ہوا رہا ہو۔ پلیرز۔“

”ٹھیک ہے پھر میں تمہیں الگ گھر لے کر دیتا ہوں وہاں رہو۔ چاہو تو بچے بھی ساتھ رکھو۔“

صبح نے ایک دم نفی میں سر ہلایا۔ ابا تو اسے گھیرتے ہی جا رہے تھے۔

”نہیں ابا اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بوکھلائی۔ ”مجھے اپنے گھر جانا ہے۔“

”کیا گارنٹی ہے کہ اب وہ تمہاری قدر کرے گا؟ میں اس شخص کے ہاتھ دوبارہ اپنی بیٹی نہیں دینا چاہتا۔“

”ابا وہ کرے گا۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”صبح بچے، یہ مذاق کی بات نہیں ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔“ اماں نے بھی اب کے سنجیدگی سے اسے

نصیحت کی۔

”اماں میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پھر وہ میرا اپنا گھر ہے۔ میں خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتی کہ اس رشتے

کو ختم کروں۔“

پھر وہ کتنی دیر ابا کے سوالوں کے جواب دیتی رہی بالآخر ابا مان گئے تھے۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا تم لاوارث نہیں ہو۔ اور ٹھکانہ..... یہ گھر تمہارے لیے بھی ہے۔ اور اب اگر

پھر کبھی اس نے تمہیں اتنی تکلیف دی کہ تم گھر چھوڑ کر یہاں آؤ تو یہ سوچ لینا کہ میں پھر اس رشتے کو کبھی جڑنے

نہیں دوں گا۔ مجھے نہیں پسند ہر آئے دن تم روٹھ کر میکے آؤ۔ آؤ لاکھ بار آؤ لیکن پھر فیصلے کے ساتھ آنا۔ یہ بات

میں نے اسے بھی سمجھا دی ہے۔ اور وہ سن کر ہر بار یقین دلاتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“

”کون؟ کسے؟ ہادی کو؟“ وہ چوکی۔

”ہاں تمہارا شوہر ہر آئے دن فون کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں بھیج دیں۔“

صبح نے پوری آنکھیں کھول کر ابا کو دیکھا۔

”پھر خود لینے کیوں نہیں آیا؟“ اسے غصہ آیا۔

”جو تمہارے ابا اس کے ساتھ کر چکے ہیں اس کے بعد آتا بھی کیسے۔“ اماں چمک کر بولیں۔

”تو اس کی حرکتیں ہی ایسی تھیں۔ تم باپ ہو تیں تو تمہیں پتہ ہوتا کہ بیٹیوں کو تکلیف دینے والے کو زندہ زمین میں گاڑنے کو دل کرتا ہے۔ میں نے تو پھر بھی صرف زبانی کلامی کہا اسے۔“ ابا کا غصہ پھر سے عود آیا تھا۔

”ٹھیک ہے ابا۔ اب اتنی بھی کوئی تکلیف نہیں دی۔ بہت اچھا بھی ہے وہ۔ آپ اس سے ناراضگی ختم کر دیں۔“

اماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ خود ان کے سامنے بیٹھ کر اس کی شان میں اتنے قصیدے پڑھے تھے اور ابا کا کہا بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ابا نے غور سے بیٹی کے چہرے کو دیکھا۔ وہ جزبہ ہوئی۔

”ٹھیک ہے میں کل کی کلکٹس کروا دیتا ہوں۔“ ابا ہولے سے مسکائے تھے یا صبح کو وہم ہوا تھا؟ پھر وہ خاموشی سے اٹھ آئی تھی۔

اگلے دن اپنا سامان پیک کیے وہ بہنوں کو ملنے چلی گئی۔ جن کے شکوے یہ تھے کہ ان کی بہن نے انہیں اپنی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ وہ اس سے بار بار پوچھتی تھیں اور وہ کوشش کرتی تھی کہ بس چھوٹا سا جواب دے۔

”صبح ہم بہنیں ہیں تمہاری، ہمارے آگے اپنا دل کھول سکتی ہو۔ نہ ہم کسی کو بتائیں گے اور نہ کچھ برا کریں گے۔“ بڑی آپنی نے آنکھیں دکھاتے کہا۔

”آپنی یہ بات نہیں ہے۔ اماں کی بیٹی ہوں تو ان کی کبھی باتیں تو آپ جانتی ہیں ہم سب بہنیں مانتی ہیں۔ ویسے بھی شوہر کا گلہ کیا کروں جب رہنا بھی اسی کے ساتھ ہے۔ آپ میری بہن ہیں آپ سے شوہر کا گلہ کروں گی تو آپ کے دل میں اس کی عزت ختم ہو جائے گی۔ لازمی بات ہے جو آپ کے خونی رشتوں کے ساتھ برا سلوک کرے وہ آپ کو اچھا لگ بھی نہیں سکتا۔ ٹھیک ہے ہادی نے بہت بار میرا دل دکھایا، دل توڑا لیکن آپنی ہادی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میری بہت سی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ میرے لیے بہت بار اپنا غصہ پی جاتے ہیں۔ میں ان سے جھگڑے کے دوران ساری کسر نکال لیتی ہوں پھر یہاں بھی آکر گلہ کروں؟ آپنی جس بندے کے ساتھ رہنا ہے بس پھر اس کی خامیوں کا کیا تذکرہ کرنا۔ وہ تو مجھے اپنی خامیوں سمیت اچھا لگتا ہے۔ میرا دل توڑتا ہے پھر بھی اچھا لگتا ہے۔ اس سے جھگڑا کرتی ہوں اسے سناتی ہوں لیکن یہ کبھی بھی نہیں چاہوں گی کہ کوئی اور اسے کچھ کہے..... اور میرے خونی رشتے اس کی عزت تب کریں گے جب وہ یہ دیکھیں گے کہ وہ میرے

ساتھ اچھا ہے۔ تو آپنی وہ بہت اچھا ہے میرے ساتھ۔ اپنی خامیوں سمیت وہ میرے لیے میری محبت ہے.....“
غناء آپنی اور بڑی آپنی ہنسنے لگ گئیں۔

”بھئی ہماری بہن تو بہت سیانی ہو گئی ہے۔ لیکن یاد رکھنا ساری باتیں دل میں نہیں رکھتے بہنیں دکھ سکھ بانٹنے کے لیے ہوتی ہیں۔ ہم تمہارے شوہر کی برائیاں سن کر بھی اس کی عزت میں کمی نہیں آنے دیں گے۔“ آخر میں غناء آپنی نے اسے چھیڑا۔ وہ مسکرا دی۔ پھر شام کو ابا اسے ایئر پورٹ چھوڑنے آئے تھے۔ بچے بہت خوش تھے۔ خوشی سے چہچہاتے پھر رہے تھے۔ صبح انہیں دیکھ دیکھ کر نہال ہوئے جا رہی تھی۔ اماں بہت خوش تھیں کہ بیٹی کا گھر اجڑنے سے بچ گیا تھا۔ بڑی بھابھی جو یہ سوچ کے بیٹھی تھیں کہ نند کی زندگی کی ٹریجڈی سے وہ اسے روز طعنے دیا کریں گی، اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں۔ اور اماں کے سامنے کہہ بیٹھیں۔

”اماں! صبح کا شوہر اتنا برا ہے اسے تو پوچھتا نہیں صبح نے غلطی کی ہے اسے نہیں جانا چاہیے تھا۔ ٹھیک اسے یہاں بھابیوں کے ساتھ نہیں رہنا تھا تو کسی بہن کے گھر میں رہ لیتی۔ جو مرد آپ کو پوچھے بھی نہ اس کے پاس کیا جانا۔“

اماں نے خشمگین نگاہوں سے بہو کو گھورا۔

”میری بیٹی لاوارث نہیں ہے کہ بہنوں کے گھر جا پڑتی۔ اللہ سلامت رکھے اس کے ابا ہیں اور تین بھائی بھی۔ وہ اپنوں کے ہوتے غیروں کے گھر کیوں جاتی؟ اور تم سے کس نے کہا کہ اس کا شوہر اسے نہیں پوچھتا؟ تم نے دیکھا نہیں تھا وہ اسے لینے آیا ہوا تھا۔ میری بیٹی سے بہت محبت کرتا ہے۔ اور وہ بھی شوہر کے بغیر زیادہ دن نہیں رہ پائی اس لیے چلی گئی۔ اور وہ روٹھ کر میکے نہیں آئی تھی بس کچھ دن رہنے آئی تھی۔ لیکن تم اپنا یاد کر لو ایک بار میک اپ کا سامان نہ لانے پر کیسے روٹھ کر میکے چلی گئی تھیں؟ میری بیٹیاں ایسی نہیں ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں پر گھر چھوڑ دیں۔ دوبارہ تمہارے منہ سے ایسی بات نہ سنوں میں۔“

صبح ہوتی تو بھابھی کی طبیعت کی اس صفائی پر جھوم اٹھتی کہ اس کی پیاری اماں اس کے دفاع کے لیے بڑی بھابھی سے سختی سے بات کر رہی تھیں ورنہ تو انہیں بڑی بہو بہت پیاری تھی۔
چند گھنٹوں کی فلائٹ کے بعد جب وہ گھر پہنچی تو رات سر پر تھی۔ اس نے ڈرائیور کو کال کر کے ایئر پورٹ بلا

لیا تھا۔ وہ ہادی کو سر پر اندر دینا چاہتی تھی؟ ارے نہیں جو آخری ملاقات ہوئی تھی اس کی وجہ سے وہ شرمندہ سی تھی۔ بچے تو گاڑی میں ہی سو گئے تھے۔ اپنے کمرے میں انہیں بستر پر سلا کر وہ پلٹی تو دیکھا ہادی دروازے سے فیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ صبح نے اعتماد سے سلام کیا۔ وہ جواب دیتا چل کر اس تک آیا۔ اس کے تیور آخری ملاقات والے تھے۔ صبح اس کے قریب آنے سے پہلے صوفے پر جا بیٹھی۔

”بد تمیز انسان۔“ وہ بڑبڑائی۔ ہادی کھل کر ہنسا اور اس کے ساتھ صوفے پر جا بیٹھا۔

”پہلے تو بڑا نظر انداز کرتی تھیں۔“ حال احوال پوچھے بغیر وہ شروع ہو چکے تھے۔

”ہاں آپ کو اس بات کا بڑا غم ہے کہ میں آپ کو نظر انداز کرتی تھی۔“ صبح بھی میدان میں اتری۔

”ہاں غم تو ہے اتنی خوبصورت لڑکی آپ کو مسلسل نظر انداز کرتی رہے اور پھر وہ آپ کی بیوی بھی ہو تو غم بڑھ جاتا ہے۔“

صبح کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی لیکن ہادی کے چہرے پر نظر پڑتے فوراً ہونٹ بھینچ لیے کہ میں تو نہیں ہنس رہی۔ ہادی اس کی شکل دیکھ کر ہنستا رہا۔ بہت ضبط کے باوجود بھی وہ ہنس دی۔

”آنے کے لیے شکریہ۔“ وہ اس کے کان قریب سرگوشی کر کے پیچھے ہوا۔ صبح نے اعتماد سے اس کے

شکریہ کا ستیاناس کرنا چاہا لیکن اس کی خود پر جی نظروں کی وجہ سے نگاہیں چرا گئی۔

”میں اپنے بچوں کی وجہ سے آئی ہوں۔“

”مجھے پتہ ہے تم میرے لیے آئی ہو اور اس کے لیے شکریہ۔ صبح تمہارے جانے کے بعد مجھے تمہاری صحیح

قدر ہوئی ہے اس لیے یہ گھر میں نے آدھا تمہارے نام کر دیا ہے اور بچوں کی کسٹڈی بھی اپنے بعد تمہارے نام کی ہے۔“

”آدھا کیوں؟ پورا کیوں نہیں؟“ وہ صبح ہی کیا جو جرح نہ کرے۔

”بیوی جس مزاج کی تم ہو مجھے پورا یقین ہے کہ اگر گھر پورا تمہارے نام ہوتا تو آئندہ جھگڑے پر میں گھر

سے باہر ہوتا اپنی سیفٹی کے لیے کیا ہے۔ اور بچے بھی اس لیے آدھے آدھے بانٹے ہیں۔“

”یعنی جھگڑا لازمی ہے۔ یہ وعدہ کبھی نہیں کریں گے کہ صبح میں تم سے کبھی جھگڑا نہیں کروں گا۔ تمہاری کسی

.....

.....

.....

.....

.....

بات پر کچھ نہیں کہوں گا کبھی تم پر غصہ نہیں کروں گا۔“ صبا ح نے منہ بنایا۔

”دیکھو سوئیٹ ہارٹ، محبت اندھی ضرور ہوتی ہے لیکن گوئی بھری نہیں۔ اب غلط باتوں پر تو بولوں گا۔“

”یہ گھر نام کرنے کا آئیڈیا کہاں سے آیا؟“

”آپ کے ابا کی دھمکیوں سے..... کہ اب اگر میری بیٹی روٹھ کر میکی آئی تو طلاق ہی سمجھوں گا۔ میں سچ میں بہت ڈر گیا ہوں۔ صبا ح ہمارے بچ کبھی بھی کوئی اختلاف ہوں تم اس گھر کو چھوڑ کر نہیں جاؤ گی کیونکہ اب یہ میرا گھر نہیں ہے بلکہ ہم دونوں کا ہے ہم دونوں کا برابر کا حق ہے۔“

صبا ح نے ہنسی دبائی۔

”میرے ابا نے اچھے کان کھینچے آپ کے؟“

”تمہیں بڑی خوشی ہوئی اس بات سے؟“

ہاں تو کیوں نہ ہوا چھا کیا ابا نے.....“

ان کی بحث شروع ہو چکی تھی۔ اور ویسے بھی کسی اور کی پرائیویسی میں نہیں جھانکتے اچھی بات نہیں ہوتی۔ چلیں واپس چلیں کہانی ختم ہوئی۔

✽..... ختم شد.....✽